ماہنامہ

سچی کہانی

لاہور

جون 2014ء

قیمت 60 روپے

ماہنامہ سچی کہانی لاہور

جون 2014ء

قیمت=60روپے



خوفناک، دہشت ناک، ہیبت ناک، پراسرار، حیرت ناک،
جرائم پر مبنی اور جاسوسی کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سچی کہانی لاہور

جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 6
جون 2014ء

چیف ایڈیٹر۔ایم اے زاہد
ایڈیٹر۔ایم طاہر اے
ایڈیٹر معاون۔محمد سرور چہل (اعزازی)
لیگل ایڈوائزر۔حبیب یوسف ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)



قلمی معاونین

- محمد رضوان قیوم
- مس کرن
- رانا جی
- فدا شاہین بھٹی
- لتا دیوی

پبلیشرز۔محمد امین زاہد ...... پرنٹرز۔چوہدری طاہر حمید
قیمت فی شمارہ=60 روپے۔
سالانہ قیمت بمعہ رجسٹری فیس=1000 روپے

مقام اشاعت۔ماہنامہ سچی کہانی لاہور مکان نمبر A-2 جعفر سٹریٹ نمبر 53 قادر پارک نوال کوٹ ملتان روڈ لاہور

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں' واقعات' مقام اور نام فرضی ہوتے ہیں۔کسی قسم کی مشابہت اتفاقیہ ہوگی۔اس سلسلے میں ادارہ سچی کہانی لاہور اور پرنٹرز پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔اگر مطبوعہ کہانیوں اور واقعات کے بارے میں ہمیں کوئی تردید ملی تو ہم اسے شائع کردیں گے۔(ادارہ)

خط و کتابت وملاقات کے لیے
ماہنامہ سچی کہانی لاہور' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور۔موبائل نمبر 0314-4008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 6

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جون 2014 قیمت=60 روپے



فوجی جرنیلوں کا دورِ حکومت جمہوری حکومتوں سے بہتر تھا

نام نہاد جمہوری حکومتوں سے بہتر فوجی جرنیلوں کا دور حکومت تھا۔ ہماری فوج نے ملک وقوم کے لیے جو قربانیاں دیں...... ان کی مثال کسی جمہوری حکومت کے دور میں نہیں ملتی۔ نام نہاد عوامی نمائندوں نے جمہوری دور میں جی بھر کے قومی دولت کو لوٹا اور بیرون ممالک لے گئے۔ اگر آج یہ قومی دولت اپنے ملک میں واپس آ گئیں تو ملک خوشحال ہو جائے گا۔ مہنگائی، بے روزگاری اور دہشت گردی ختم ہو جائے گی۔ دہشت گردوں کی اکثریت ان نوجوانوں کی ہے جو تعلیم یافتہ ہیں جن کو سرکاری اداروں میں ملازمت نہیں ملی تھی کیونکہ غریب نوجوانوں کے لیے سرکاری اداروں میں ملازمت کے لیے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے ان نوجوانوں کے دلوں میں ملک وقوم کے لیے نفرت کا بیج بویا گیا اور یہ بوجہ مجبوری دہشت گرد بننے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اس وقت ہر دہشت گرد کو کم از کم 25000 روپے ماہانہ ملتے ہیں اور ان کی بیک پر ملک دشمن طاقتوں کا ہاتھ ہے۔ یہ سب کچھ بے روزگاری کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر نوجوانوں کو روزگار ملتا تو کبھی دہشت گرد نہ بنتے...... اور ملک میں امن وامان کا دور دورہ ہوتا۔

...... ایم اے زاہد

دنیا کی بہترین خوفناک، پراسرار، دہشت ناک،
حیرت ناک، وحشت ناک دل کو ہلا کر رونگٹے
کھڑے کر دینے والی کہانیوں کا مجموعہ

"ماہنامہ سچی کہانی لاہور"

ماہنامہ سچی کہانی لاہور نے بہت جلد قارئین میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اب ملک بھر میں "سچی کہانی" قارئین کا پسندیدہ میگزین بن چکا ہے۔
سچی کہانی کا ہر شمارہ بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی پروڈکٹس عوام میں مقبولیت حاصل کرے تو اپنی مصنوعات کو شہرت کی بلندیوں پر لانے کے لیے آپ "سچی کہانی" میں اشتہار دیجئے۔

نرخ اشتہارات

بیک صفحہ کلر اشتہار فل صفحہ	15000 روپے
ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ	12000 روپے
بیک ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ	10000 روپے
بلیک اینڈ وائٹ فل صفحہ	4000 روپے
بلیک اینڈ وائٹ آدھا صفحہ	2000 روپے

اگر آپ "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" میں اپنے اشتہارات شائع کرانا چاہتے ہیں تو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے نام ڈرافٹ بنا کر ہمراہ اپنا اشتہار ہمیں ارسال کریں۔ اپنے اشتہارات ہر ماہ کی کم تاریخ تک ارسال کریں۔
ایک سال کے لیے اشتہارات پر 20% فی صد رعایت دی جائے گی۔

رابطہ۔ ماہنامہ "سچی کہانی" 29 حبیب بینک بلڈنگ چونک اردو بازار لاہور
رابطہ نمبر 0314-4008530

قسط نمبر 4

خوفناک سائے

مظہر الحق علوی

اس کے بعد یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ میں نے میریٹا جیسی دولت مند اور حسین عورت سے شادی کیوں کی؟ ایسی عورت سے جس کے دو شوہر سمندر میں ڈوب کر مرے تھے اور جو بدقسمتی سے تیرنا نہیں جانتے تھے؟ یہ صحیح ہے کہ جب میں نے میریٹا سے شادی کی تو مجھے قطعی علم نہ تھا کہ یہ عورت اپنے دو شوہروں کی بھیانک موت کی ذمے دار ہے۔ یہ باتیں تو مجھے بعد میں معلوم ہوئیں اور وہ بھی اس وقت جب میریٹا نے خود مزے لے لے کر مجھ سے ان کا ذکر کیا۔ غالباً اس لیے کہ میں اس عورت کا تیسرا شوہر بنا تھا اور وہ تیسرا آدمی بھی تھا۔ جسے میریٹا موت کے منہ میں بھیجنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ بات مرحال وہیں آتی ہے کہ میں اس کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر ہو چکا تھا۔ کوئی بھی مرد میریٹا کی پر اثر اور طاقتور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا؟ لہٰذا جب اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میں نے بے سوچے سمجھے یہ درخواست قبول کرلی۔ اس نے انہی دنوں مجھ سے کہا تھا:

"دیکھو! میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور تمہیں اقرار کرنا ہی ہو گا۔ بولو، کیا تم تیار ہو؟"

اور میں نے ایک کٹھ پتلی کی طرح اقرار میں گردن ہلا دی تھی۔

ہماری شادی ہوئے کئی مہینے بیت گئے۔ ابتدائی زمانے کی گرم جوشی اور چاہت دیکھتے دیکھتے ہوا ہوگئی۔ کئی کئی دن گزر جاتے، ہمارے مابین بات چیت تک نہ ہوتی۔ رفتہ رفتہ مجھے میریٹا کی موجودگی سے خوف آنے لگا۔ ایک نامعلوم خوف اسے



دیکھتے ہی میرے بدن کے روئیں روئیں میں سما جاتا۔ میری زبان کچھ کہنے سے قاصر ہوتی اور جسم کے اعضا اس کی موجودگی میں حرکت نہ کر سکتے حتی کہ دماغ بھی اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا۔ میرا خیال ہے وہ مجھ پر ہپناٹزم کر رہی تھی جس سے میری قوت ارادی اس کی موجودگی میں بالکل سلیب ہو کر رہ جاتی۔

آپ میرے کرب اور اذیت کا اندازہ شاید نہ کر پائیں جو ان دنوں میری روح میں جاری و ساری تھا۔ پھر تو یہ حالت ہونے لگی کہ میرپٹا کی غیر موجودگی میں بھی یونہی محسوس ہوتا جیسے وہ موجود ہے اور مجھے شعلہ بار آنکھوں سے گھور رہی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ میرے سامنے آن کر کھڑی ہو جاتی اور ہلکے ہلکے مسکراتی۔ ویسے ہی جیسے وکٹر کی لاش دیکھ کر مسکرائی تھی اور میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی اور یوں لگتا جیسے اس کی نظریں نہیں ہیں، سوئیاں ہیں جو میری آنکھوں کے راستے دل میں چبھی جا رہی ہیں۔

ایک روز دوپہر کو اس نے مجھے سمندر کے کنارے چلنے اور تفریح کرنے کی دعوت دی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ ہمیں سمندر پر تفریح کے لیے گئے ہوئے کئی مہینے گزر گئے تھے۔ میں ایک سحر زدہ کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں نہانے اور تفریح کرنے والے مردوزن کی آمد و رفت زیادہ نہ تھی، ہم دونوں ریت پر بیٹھ گئے۔ میرپٹا نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں اور میں ان کا مناسب جواب دیتا رہا۔ یک لخت اس نے اپنی نظریں میری آنکھوں پر جما دیں۔ اس وقت میرپٹا کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چاقو تھا جس کا پھل دو انچ کا ہو گا، لیکن حد سے زیادہ تیز دھار والا۔ وہ ہر وقت یہ چاقو اپنے پاس رکھتی اور اس سے سیب کاٹ کاٹ کر کھایا کرتی تھی۔ کئی مرتبہ میں نے کہا کہ یہ چاقو ہر وقت ہاتھ میں رکھنا بے وقوفی ہے، لیکن اس نے ہمیشہ سنی ان سنی کر دی اور چاقو ہاتھ سے نہ رکھا۔ تنگ آ کر میں نے کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب اس وقت بھی وہ چاقو کھلا ہوا اس

کے ہاتھ میں تھا جس سے تھوڑی دیر پہلے وہ سیب کاٹ کر کھا رہی تھی۔

جونہی اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، میں نے خود کو سکتے کے عالم میں گھرا ہوا پایا۔ کوشش کے باوجود میں پلک جھپکا سکا نہ گردن موڑ سکا اور پھر میرے دل میں ہزاروں اندیشوں اور وسوسوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میریٹا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ چھوٹا سا چاقو ایک بڑے خنجر کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور خنجر کی نوک آہستہ آہستہ میری آنکھوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ خنجر کا پھل سورج کی تیز دھوپ میں آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ میرے منہ سے دفعتہ ہلکی سی چیخ نکلی اور میں نے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ چند ثانیے بعد میریٹا کے مترنم قہقہے کی آواز میرے کان میں آئی۔ وہ کہہ رہی تھی:

"تم اتنا سا چاقو دیکھ کر ہی ڈر گئے؟ کیا تمہارا خیال ہے میں تم پر حملہ کرنے والی تھی؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے۔ اس وقت میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور میں واقعی میریٹا کو کوئی جواب دینے کے لائق نہ تھا۔ وہ اطمینان سے اسی چاقو کے ساتھ سیب چھیل رہی تھی اور اس کا چہرہ کسی اندرونی مسرت کے باعث بے پناہ دمک رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اتنی خوش کیوں ہے۔ وہ جس مقصد کے لیے مجھے سمندر کے کنارے لائی تھی، وہ مقصد پورا ہو رہا تھا یعنی وہ مجھے جتانا چاہتی تھی کہ اسے میری آنکھیں پسند نہیں ہیں۔ اس نے دانستہ طور پر چاقو کی تیز نوک میری آنکھوں کی طرف بڑھائی تھی اور سورج کا عکس اس کے ذریعے میری آنکھوں پر چکاچوند پیدا کرنے کے لیے ڈالا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کے لبوں پر وہی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتے دیکھی جو کمزکی کے آنکھ صورت کو دیکھتے ہوئے میریٹا کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔ یہ مسکراہٹ اتنی خفیف تھی کہ اسے

صرف وہی دیکھ سکتا تھا جو اس کا منتظر رہا ہو۔

اس رات میں ایک لمحے کے لیے بھی سو نہ سکا۔ بار بار وہی منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دوسرے بستر پر لیٹی ہوئی میریٹا کو دیکھا۔ کمرے میں اگرچہ تاریکی تھی، لیکن اتنی نہیں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ پاتا۔ ایک ثانیے کے ہزارویں حصے میں مجھے احساس ہو گیا کہ وہ پلک جھپکائے بغیر میری جانب دیکھ رہی ہے۔ پھر میں نے اس چھوٹے سے چاقو کے پھل کی چمک بھی دیکھی جو اس وقت بھی اس کے تکیے کے پاس دھرا تھا۔

دیر تک کروٹیں بدلنے اور خاموش پڑا رہنے کے بعد مجھے بالاخر صبح کے وقت جھپکی سی آہی گئی۔ ابھی میں غنودگی کی کیفیت سے دوچار تھا کہ میں نے اپنے بدن میں سردی کی ایک یخ بستہ لہر دوڑتے ہوئے محسوس کی۔ ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے انتہائی دہشت سے دیکھا کہ میریٹا اپنی لمبی لمبی نازک انگلیاں بار بار میری آنکھوں کے بند پپوٹوں پر پھیر رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں، کچھ نہیں۔" میریٹا نے ایک ادائے خاص سے مسکرا کر کہا۔ "دیکھ رہی تھی کہ تم سو رہے ہو یا جاگتے ہو۔"

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، وہ اپنا چھوٹا سا چاقو ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھی، ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنے سے جدا نہ کرتی۔ ہمارے وسیع مکان کے پچھواڑے ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں وہ نہایا اور تیرا کرتی تھی، ایسے موقعوں پر بھی چاقو اس کے پاس ہوتا۔ وہیں تالاب کے پاس بیٹھ کر وہ چاقو سے سیب کاٹ کاٹ کر کھاتی۔ باورچی خانے میں اسی چاقو سے مختلف سبزیاں اور ترکاریاں کاٹتی۔ رات کو جب بستر پر سونے کے لیے لیٹتی، تو چاقو اس کے تکیے کے پاس رکھا رہتا۔ کبھی کبھی وہ اسے اٹھا کر اچھالنے اور گیند کی طرح کیچ کرنے لگتی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ چاقو کا پھل ہر وقت کھلا رہتا اور مجھے ہمیشہ اس حادثے کا انتظار رہتا کہ اسی

شغل میں ایک دن وہ خود زخمی ہو جائے گی' لیکن خدا جانتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بھی زخمی نہ ہوئی اور ہلکی سی خراش بھی اسے کبھی نہ آئی۔ دن کے وقت وہ عین اس موقع پر جب کہ میں اپنے کسی کام میں مصروف ہوتا' پتھر پر رگڑ رگڑ کر چاقو کی دھار تیز کرتی اور آپ ہی آپ مسکراتی۔ اسے روز بروز چاقو سے عشق ہوتا جا رہا تھا اور وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ ایک دو بار میں نے چاقو اٹھایا' تو اس نے جھپٹ کر میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ ایک مرتبہ وہ یہ چاقو اپنے سرہانے ہی بھول کر باتھ روم میں گئی تو میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا اور اس کا پھل ریزر بلیڈ کی طرح تیز تھا' میں نے اس میں غیر معمولی بات یہ دیکھی کہ دستے کے دونوں طرف دو دو انسانی آنکھیں بنی ہوئی تھیں۔

ایک دن میں نے میرینا سے پوچھا: "تم یہ چاقو ہر وقت اپنے پاس کیوں رکھتی ہو؟"

اس نے گردن اٹھا کر ایک دو سیکنڈ تک بغور میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس چاقو سے سیب اور سبزیاں ترکاریاں وغیرہ کاٹا کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ یہ مجھے روحانی طور پر بھی تقویت دیتا ہے۔"

یہ الفاظ کہتے ہوئے میرینا کے لبوں پر وہی لرزہ خیز' سفاک مسکراہٹ نمودار ہوئی جو وکٹری بے آنکھ لاش دیکھتے ہوئے نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ بولی: "یہ چاقو میرے پہلے شوہر نے مجھے دیا تھا' اس وجہ سے بھی میں اسے عزیز رکھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے چاقو کے پھل پر پیار سے انگلی پھیری اور میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

انہی دنوں میرینا نے "مرکری" نام کی ایک خوبصورت چھوٹی سی موٹر بوٹ خریدی۔ اس موٹر بوٹ میں سوار ہو کر ہم سمندر کی سیر کیا کرتے۔ ایک روز میں نے سمندر میں نہانے کی خواہش ظاہر کی۔ میرینا کا چہرہ یک لخت روشن ہو گیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ہم مغربی ساحل پر نہائیں تو بہتر رہے گا کہ ادھر کبھی کبھار

شارک مچھلی آنکلتی ہے۔ شارک کا نام سن کر ہی میرا دم نکل گیا اور میں مغربی ساحل پر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر میں کنارے کے قریب نہانے میں مصروف ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد میریٹا بھی ادھر آگئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر سمندر میں نہانے اور غوطے لگانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد میں پانی سے نکل آیا اور ریت پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ فاصلے پر میں نہاتی ہوئی میریٹا کو کبھی کبھار دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیتا۔ ہمارے اردگرد دور دور تک کوئی ذی روح نہ تھی۔ موٹربوٹ ہم نے ریت پر چڑھا دی تھی۔ نہ جانے کب مجھ پر غنودگی سی چھاگئی اور اسی غنودگی کے عالم میں میں نے محسوس کیا کہ کوئی نرم و نازک چیز میرے چہرے پر رینگ رہی ہے۔ میں نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میریٹا مجھ پر جھکی ہوئی ہے اور میری آنکھوں کے گرد انگلی سے دائرہ سا بنا رہی ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا۔ جونہی میں نے آنکھیں کھولیں، اس نے جھٹ چاقو اپنی کمر کے پیچھے چھپا لیا۔ اس وقت دہشت سے میرا دل سینے میں اچھل رہا تھا، لیکن میریٹا کے ہونٹوں پر وہی سفاکانہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

اس کے بعد میں نے میریٹا کے ساتھ سمندر کی طرف جانا چھوڑ دیا اور کوشش کی کہ میں زیادہ سے زیادہ اس کی قاتل نظروں سے دور رہوں، چنانچہ میں صبح کا گھر سے نکلا رات گئے واپس آتا۔ اس دوران میں میں نے دیکھا کہ میریٹا نے الکوحل کا بے تحاشا استعمال شروع کر دیا ہے۔ جب بھی میں واپس آتا، دیکھتا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں تقریباً مدہوش پڑی ہے۔ اس نے کھانا پکانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ نہ میں اس سے کچھ کہتا نہ وہ مجھ سے بولتی۔ پھر یوں ہوا کہ جب میں آتا، اس کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے مقفل ہوتا اور رات بھر ایک لمحے کے لیے بھی نہ کھلتا۔ صبح جب وہ باہر نکلتی تو اس کا چہرہ سن ہوا ہوتا۔ اس کی نظریں میری آنکھوں پر جم جاتیں۔ ہاتھ میں وہی کھلا ہوا چاقو ہوتا اور لبوں پر وہی مسکراہٹ۔ کئی بار میں

نے اس سے اس رویے کا سبب معلوم کرنا چاہا' لیکن جواب میں سوائے مسکراہٹ کے اور کچھ نہ ملتا۔

ایک شب جب میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی خواب گاہ کا دروازہ خلاف معمول اندر سے مقفل نہیں ہے۔ میں نے دبے پاؤں جاکر اندر جھانکا تو میریٹا کا بستر خالی پایا۔ خیال ہوا شاید وہ ملحقہ باتھ روم میں ہوگی' لیکن جب میں نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دی اور کوئی جواب نہ ملا تو دروازہ کھول کر دیکھا۔ باتھ روم اندر سے خالی تھا۔ مجھے ازحد تعجب ہوا کہ وہ کہاں چلی گئی؟ گھر کا کونا کونا چھان مارا' میریٹا کہیں نہ تھی۔ گیراج میں دیکھا' اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کار کے بغیر ہی کہیں گئی ہے۔ یکایک خیال آیا ممکن ہے وہ سمندر کے کنارے گئی ہو۔ میں فوراً وہاں گیا اور ایک ایک کرکے ایسے سارے مقامات دیکھ ڈالے جہاں وہ جایا کرتی تھی' مگر ایک جگہ بھی اس کا پتہ نشان نہ ملا۔ آپ میری حیرت اور سراسیمگی کا اندازہ کرسکتے ہیں جب میں اس کی تلاش میں تھک ہار کر واپس گھر آیا تو وہ باورچی خانے میں نہایت اطمینان سے ڈنر تیار کر رہی تھی۔ چاقو اس وقت بھی اس کے قریب دھرا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ نشے میں دھت ہے۔

"کہاں تھیں تم؟" میں نے پوچھا۔ "کم از کم بتا کر تو جاتیں۔ تمہیں میری پریشانی کا بھی کوئی احساس نہیں ہے؟"

جواب میں وہ صرف مسکرا دی۔ وہی مسکراہٹ جس سے مجھ پر لرزہ طاری ہوتا تھا۔

اور یہ روزمرہ کا معمول بن گیا۔ جب بھی میں اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر گھر واپس آتا' میریٹا کو غائب پاتا۔ گھر کا گوشہ گوشہ دیکھتا' مگر اس کا سراغ نہ ملتا' لیکن تھوڑی دیر بعد وہ اوپر کی منزل سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آتی' تو میں ششدر رہ جاتا' حالانکہ اوپر کی منزل کا چپہ چپہ میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوتا تھا۔ بارہا میں نے منت

خوشامد کر کے اس سے معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں چھپ جاتی ہے؟ مگر اس نے تو جیسے نہ بولنے کی قسم کھالی تھی۔ وہی منحوس مسکراہٹ کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ بہرحال تنگ آکر میں نے اس سے کچھ پوچھنا ہی ترک کر دیا۔ واپس آکر میں چپ چاپ اپنی خواب گاہ میں جاکر دروازہ مقفل کرتا اور اطمینان سے سو جاتا۔ میں نے اسے مکان کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں ڈھونڈنے کا مشغلہ ہی چھوڑ دیا تھا۔

میں ان تمام بے ہودہ اور لایعنی باتوں سے دراصل اکتا گیا اور اکتاہٹ کے پیچھے وہ بے کراں خوف بھی کام کر رہا تھا جو میریٹا کی ان پراسرار حرکتوں کے باعث ہر وقت میرے ذہن پر مسلط رہنے لگا تھا۔

ایک روز میں ذرا سویرے ہی گھر واپس آ گیا۔ اور یہ چند دن پہلے ہی کی بات ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب عادت اوپر سے نیچے نہیں آئی۔ میں اپنے ساتھ کھانا بھی لایا تھا۔ میں نے کھانا گرم کیا اور کھانے کے بعد اخبار پڑھنے لگا۔ اخبار پڑھنے کے دوران میں بھی وہ نہیں آئی۔ پھر میں نے اخبار ایک طرف پھینکا اور ٹیلی ویژن کھول دیا۔ ٹی وی پر کوئی اچھی فلم آرہی تھی۔ میں اسے دیکھنے میں محو ہو گیا۔

دفعتہ میں نے اپنی گردن پر میریٹا کا نرم و نازک ہاتھ دیکھا۔ وہ دبے پاؤں نہ جانے کب آئی اور کتنی دیر سے میری پشت پر کھڑی تھی۔ میں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہی مکروہ اور بیزار کن مسکراہٹ اس کے ہونٹ پر ابھر رہی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹیلی ویژن بند کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ ٹی وی بند کر کے وہ مڑی اور وحشیانہ بلکہ حریص نگاہوں سے مجھے تکنے لگی۔ چاقو اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے گھبرا کر کہا: "میریٹا! کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس نے مسکرا کر اثبات میں کئی بار گردن ہلائی اور بولی:

"ہاں..... میں بالکل ٹھیک ہوں..... آؤ تالاب میں نہائیں۔"

"کیا یہ نہانے کا وقت ہے؟" میں نے ناراض ہو کر کہا۔ "میں اب سونا

چاہتا ہوں۔"

"نہیں..... تم میرے ساتھ تالاب پر نہانے چلو گے۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا اور چاقو ذرا اوپر اٹھایا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ گویا یہ عورت اس ننھے سے چاقو کے ذریعے مجھے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سخت لہجے میں بولا: "دیکھو میریٹا! تم اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہو۔ جاؤ' اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں نے جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ وہ آگے لپکی اور اس نے مجھے زور سے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا: "نہیں..... تم اس وقت نہانے کے لیے میرے ساتھ تالاب پر چلو گے۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کی خونخوار مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور میں نے پوری قوت سے طمانچہ اس کے منہ پر مارا۔ وہ اس کے لیے غالباً تیار نہ تھی تیورا کر پیچھے گری اور میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

مجھے خبر نہیں اس کے بعد میریٹا نے کیا کیا۔ اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر میں تھوڑی دیر گم سم اپنے بستر پر بیٹھا سوچتا رہا کہ مجھے اس عورت سے چھٹکارا پانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دماغی توازن سے محروم ہو چکی ہے اور اس کے قریب رہنا کسی بھی لمحے جان لیوا خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ بستر پر لیٹنے کے باوجود انہی پریشان کن خیالات میں مجھے نیند نہ آئی۔ خیال آیا ذرا دیکھوں میریٹا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ چپکے سے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر میں ادھر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں میریٹا اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے بیٹھی ہے اور اندھیرے میں نہ جانے کیا گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔ خدا رحم کرے' وہ خون آشام مسکراہٹ اس وقت بھی اس کے لبوں پر طاری تھی۔

دفعتاً میری نگاہ میریٹا کی خواب گاہ میں لگی ہوئی ایک بڑی سی تصویر پر پڑی۔ یہ تصویر اپنی جگہ سے کچھ ہٹی ہوئی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو انکشاف

ہوا کہ اس تصویر کے عقب میں ایک خفیہ دروازہ ہے۔ میں نے اس دروازے کا نشان بھی دیکھ لیا۔ آہ..... تو یہ ہے وہ جگہ جہاں میریٹا چھپا کرتی ہے اور ڈھونڈنے کے باوجود اس کا سراغ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اشتعال یا شراب کے نشے میں وہ خفیہ دروازہ بند کرنا اور تصویر اپنی جگہ جمانا بھول گئی.....

پھر یکایک اسے احساس ہو گیا کہ میں وہاں موجود ہوں اور اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے گردن گھمائی، مسکراہٹ برابر اس کے ہونٹوں پر رچی ہوئی تھی۔ اس نے یقیناً دیکھ لیا تھا کہ میں اس کے کمرے کا خفیہ ٹھکانہ دیکھ چکا ہوں، مگر اس نے اس راز کے کھل جانے کی مطلق پروا نہ کی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نپے تلے قدم بڑھاتی میری جانب آئی۔ بالکل میرے قریب آن کر وہ رکی اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی:

"سنو، میں نے وکٹر کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا۔"

مجھے اپنے قلب کی حرکت بند ہوتی ہوئی لگی۔ میں نے کچھ نہ کہا اور سکتے کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بعد میریٹا نے مجھے مزے لے لے کر، ٹھہر ٹھہر کر، قہقہے لگاتے ہوئے وکٹر کو ہلاک کرنے کی تمام کہانی سنا ڈالی۔

"اور یہ بھی سنو، احمق کی اولاد!" اس نے آخر میں ہنستے ہوئے کہا: "میں نے اپنے پہلے شوہر کو بھی اسی طرح سمندر میں غرق کر کے مارا تھا۔ ہاہاہا..... میرے دونوں شوہر سمندر میں ڈوب کر مرے..... وہ بے وقوف تیرنا نہیں جانتے تھے..... جاؤ..... آئینے میں جا کہ ذرا اپنی آنکھوں کو غور سے دیکھو..... تمہاری آنکھیں اس بھیانک ارادے کی صاف چغلی کھا رہی ہیں..... میرے پہلے دونوں شوہروں کی آنکھوں میں بھی ایسے ہی ارادے پنہاں تھے، لیکن وہ مجھے مار ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور..... تم..... میرے تیسرے شوہر..... تم بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے..... جاؤ دفعان ہو جاؤ یہاں سے....."

اور میں ڈگمگاتے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں

داخل ہو کر میں نے اندر سے دروازہ مقفل کر لیا اور میں نے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی، مگر نیند نہیں آئی۔ بھلا اس بدنصیب کو نیند کیسے آسکتی ہے جس کی بیوی اپنے پہلے دو شوہروں کو دلیرانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتار چکی ہو اور تیسرے شوہر کی تاک میں ہو؟

جب کسی طرح نیند نہ آئی تو میں مضطرب ہو کر اٹھا، میں نے بتی جلائی اور آئینے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ آئینے میں میں نے اپنی آنکھیں دیکھیں..... خوف اور دہشت کی نئی لہر میرے تن بدن میں دوڑ گئی۔ میں نے میریٹا کے پہلے شوہر کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں لیکن دوسرے شوہر--- وکٹر--- کی آنکھیں اچھی طرح دیکھی تھیں..... ان آنکھوں میں خوف تھا، اضطراب تھا، بے چینی تھی، ویرانی تھی، اداسی تھی اور زندگی کھو جانے کا صدمہ تھا..... بعینہ یہی کچھ میری آنکھوں میں تھا۔ ان میں اور وکٹر کی آنکھوں میں ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ میں نے بدحواس ہو کر بتی بجھائی اور اپنے بستر پر گر کر ہانپنے لگا۔

اگلے روز صبح ہوتے ہی میں گھر سے نکل کر اس طرح بھاگا، جیسے جیل خانے سے قیدی رہا ہوتا ہے، سیدھا اپنے ایک وکیل دوست کے پاس پہنچا اور اس سے مشورہ کیا کہ ”میں کس طرح اپنی بیوی سے نجات پا سکتا ہوں؟“ وکیل نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ ”سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس معاملے میں غور کر کے ہی صحیح مشورہ دے گا۔“ چنانچہ میں واپس گھر چلا آیا۔ جونہی میں نے شام کے وقت گھر میں قدم رکھا، میریٹا اپنے لبوں پر وہی مسکراہٹ لیے اوپر کی منزل سے نیچے آئی۔ چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور گھر سے باہر نکل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے پچھلے حصے میں واقع لان سے گزرتی ہوئی سڑک پر چلی گئی۔ اس کا رخ سمندر کو جانے والی سڑک پر تھا، پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی خوابگاہ میں جانے کے لیے قدم

اٹھایا، مگر ایک فوری خیال کے زیر اثر میں اوپر کی منزل میں گیا اور میریٹا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ میریٹا اس وقت جان بوجھ کر گھر سے باہر گئی ہے محض یہ موقع مجھے دینے کے لیے کہ میں اس کی خواب گاہ میں جاؤں اور خفیہ کمین گاہ کا معائنہ کروں۔ اور اسے یقین کامل تھا کہ میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔

لیکن میں ازلی احمق ہوں۔ میں نے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے اس امکان کو قطعی نظرانداز کر دیا کہ وہ مجھے دھوکا دینے کے لیے سمندر کی طرف گئی ہے..... بالکل ممکن تھا کہ وہ مکان کے نزدیک ہی کہیں رک جائے اور یوں کسی بھی لمحے اس کا واپس آنا طے تھا..... مگر میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

اس کی خواب گاہ میں داخل ہونے کے بعد بھی میں نے اس طرف توجہ نہ دی کہ میریٹا اچانک واپس آسکتی ہے..... میں نے دیکھا کہ دیوار پر سے وہ تصویر کھسکی ہوئی ہے اور خفیہ دروازے کی درز صاف نظر آ رہی ہے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اسے کھولنے اور بند کرنے کے لیے اس میں قفل بھی لگا تھا اور میریٹا یہاں سے جاتے ہوئے خفیہ دروازے کی کنجی بھی اس میں لگی چھوڑ گئی تھی۔

یہ دراصل ایک چھوٹی سی الماری تھی اور اس الماری کے اندر میں نے دو بوتلیں رکھی ہوئی پائیں۔ ان بوتلوں میں پہلے زیتون کا تیل بھرا ہوا ہو گا، لیکن اب ان میں زیتون کے بجائے اوپر تک سپرٹ بھری ہوئی تھی۔ یہ بوتلیں سربمہر تھیں اور الماری کی ایک شیلف میں پاس پاس دھری تھیں۔ ان بوتلوں کے بالمقابل ایک چھوٹا سا سٹول تھا۔ اس سٹول پر میریٹا گھٹنوں بیٹھی ان بوتلوں کو تکتی ہو گی۔

اور وہ تصویریں بھی ان بوتلوں کے عین پیچھے رکھی تھیں۔ تین تصویریں۔ ان میں ایک تصویر میری تھی۔ دوسری وکٹر کی اور تیسری یقیناً اس بدنصیب کی تھی جو میریٹا کا پہلا شوہر رہا ہو گا اور ہر شوہر کی تصویر کی آنکھ میں ایک تیز دھار کا

چاقو پیوست تھا۔

تصویروں سے ہٹ کر میری نگاہ دوبارہ بوتلوں پر پڑی اور پھر..... میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ سانس رکا اور کلیجہ حلق میں آتا ہوا محسوس ہوا..... میری ٹانگیں دہشت سے لرزنے لگیں اور آنکھوں کی پتلیوں کی گردش جیسے تھم گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آتا تھا اور یہی تصور بندھتا تھا کہ میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ میں بہ ہوش و حواس عالم بیداری میں تھا۔

ابھی میں ان بوتلوں کو گھور رہا تھا کہ میریٹا دبے پاؤں وہاں آگئی۔ مجھے قطعی خبر نہ ہوئی کہ وہ کس لمحے آئی اور کب میرے عقب میں آکر کھڑی ہوئی۔ میں نے اس کے آنے کی آہٹ بالکل نہ سنی اور احساس اس وقت ہوا جب وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح جست لگا کر مجھ پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ میں ہوش میں آکر پلٹا اور میریٹا کے ہاتھ میں دبا ہوا چاقو اپنی چمک سے مجھے خبردار کر گیا۔ اگر ایک ثانیے کی بھی تاخیر ہوتی' تو میریٹا کا وہ ریزر بلیڈ کی طرح تیز دھار چاقو میری آنکھوں میں پیوست ہو چکا ہوتا۔ پھر بھی میرے رخسار پر گہرا گھاؤ آیا۔ میریٹا نے دوسرا وار کیا اور اس مرتبہ میری آنکھوں میں جیسے گہری تاریکی امڈ آئی۔ میں لڑکھڑایا اور جان بچانے کی آخری کوشش میں میریٹا سے گتھم گتھا ہو گیا۔ وہ دیوانہ وار مجھ پر چاقو کے وار کر رہی تھی اور میں اندھا دھند اس سے چاقو چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر میں نے اس سے چاقو چھین لیا۔ اس کے بعد مجھے اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے اسے فرش پر گرا لیا اور چاقو مار مار کر اس کا قیمہ بنا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

پولیس والے اس وقت جائے حادثہ پر پہنچے جب میریٹا مر چکی تھی اور میں خون میں نہایا ہوا ایک طرف پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے جھٹ پٹ ہسپتال پہنچایا۔ گزشتہ روز انہوں نے میریٹا کو قبر میں دفن کیا ہے۔ قبر میں دفن کیے جانے کے وقت میں وہاں موجود نہیں تھا۔ میں تو ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا اور وہیں میں اب

بھی پڑا ہوں۔ مجھے بے پناہ خوشی ہے کہ میریٹا مر چکی ہے اور میں اس پر بھی بہت خوش ہوں کہ میں اسے قتل کرنے میں کامیاب ہوا۔ میری خواہش ہے کہ کاش! کوئی اسے برسوں پہلے ہی مار ڈالتا' اس سے پہلے کہ وہ قتل کی کوئی واردات کرتی۔

میریٹا نے مجھ پر چاقو کے وار کرکے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا ہے۔ میری دونوں آنکھیں ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گئی ہیں اور اب میں ان دو بوتلوں اور تین تصویروں کو زندگی بھر دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔ وہ بوتلیں جن میں سپرٹ بھری ہوئی ہے' جو سربمہر ہیں اور جن میں دو دو انسانی آنکھیں بند ہیں۔ دو آنکھیں وکٹر کی اور دو آنکھیں میریٹا کے پہلے شوہر کی۔

وکٹر کی آنکھیں کسی مچھلی یا سمندری حیوان نے نہیں نکالی تھیں۔ وہ آنکھیں میریٹا نے سمندر کے اندر جاکر گہرے پانی میں اپنے تیز چاقو کے ذریعے کاٹی تھیں تاکہ پہلے شوہر کی آنکھوں کی طرح وہ انہیں بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکے۔

(ختم شد)

اس نے اپنے سامنے هڈی پر اپنا تھوڑا سا تھوک لگایا اور اپنی جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس کا شعلہ جب هڈی کے کونے میں لگایا تو اس لمحے ایک نقطہ سا پہلے بنا پھر وہ آهستہ آهستہ بڑا هوتا گیا اور پھر اس شعلے میں ایک بہت هی خوفناک' هیبت ناک' حیرت انگیز' تحیر انگیز اور مہیب بھیانک وجود نظر آنے لگا اس کی شباهت سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ وجود نر هے یا مادہ.....

طویل عمر

محمد رضوان قیوم

یہ واقعہ مجھے ایک ایسے شخص نے سنایا ہے جو اتفاق سے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں اب بھی بحیثیت سوئپر کا کام کرتا ہے اور اس وقت میرے خیال میں اس کی عمر 80'85 سال کے لگ بھگ ضرور ہو گی۔ لیکن آج بھی تندہی سے کام کر رہا ہے۔ اپنے وقت اور اپنی ذمہ داری کا بہت خیال رکھتا ہے۔ جب اسے پتہ چلا کہ میں نادیدہ اور مافوق الفطرت قوتوں کی کہانیاں لکھ کر کسی رسالے کو ارسال کرتا ہوں۔ تو اس نے مجھ سے رابطہ کر کے اپنی کہانی یوں سنائی۔

میں پاکستان بننے سے پہلے موجودہ بھارت کے شہر میسور میں پیدا ہوا۔ میں نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو میرے باپ نے مجھے شہر کے ہندو راجہ لال کی حویلی میں بحیثیت سوئپر بھرتی کروا دیا۔ گیانی لال کا باپ بہت ہی رحمدل اور انسان دوست تھا۔ بے شمار جائیداد کا مالک تھا' اس کی زمین پر اچھے قسم کے آموں کے پیڑ تھے۔

گیانی لال کے باپ راجہ بجند رلال کے مرنے کے بعد ساری جائیداد کے مالک دونوں بھائی ٹھہرے یعنی گیانی لال اور راجہ نورت لال۔ نورت لال سوتیلا تھا۔ اب دونوں بھائیوں کے نام ساری جائیداد تھی۔ بڑا راجہ گیانی لال تھا۔ حساب کتاب کے مطابق راجواڑے کی پوری آمدنی دونوں بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوتی تھی جو کہ اس زمانہ کے لحاظ سے لاکھوں میں تھی۔

بہر حال جس حویلی میں' میں بحیثیت سوئپر کام کرتا تھا وہاں راجہ گیانی لال' اس کی پتنی اور اس کا بیٹا رہا کرتے تھے۔ خدمت گاروں میں حکم بجالانے والا رمیش اور عمر رسیدہ خزانچی شیوارام تھا۔ یہ دونوں افراد گیانی لال کے خاص آدمی اور ہر اچھے برے کاموں کے راز دار بھی تھے۔ ان کے رہنے کا انتظام حویلی کے پچھواڑے سرونٹ کوارٹروں میں تھا۔ یہ وقتاً فوقتاً وقت گزاری کے لیے ایک دوسرے کے کمروں میں بیٹھ کر گھنٹوں گپ شپ کیا کرتے تھے۔ ان کمروں میں ایک بستر فالتو بھی تھا اس لئے اگر کوئی مہمان آجاتا تو وہ اس بستر پر سوتا تھا۔ کام سے فراغت کے بعد میں



بھی شیوارام اور رمیش کے پاس بیٹھ کر گپ شپ میں شامل ہو جاتا تھا۔

حویلی کا رقبہ بہت وسیع تھا اور یہ دو منزلہ تھی اوپر کے حصے میں رلجہ لال کی فیملی رہتی تھی اور نچلے حصے میں اس کا چھوٹا بھائی نورت لال رہتا تھا جو کہ کنوارہ تھا۔ ان دنوں اس کی منگنی ایک مالدار ہندو فیملی کی خوبصورت لڑکی جس کا نام "شعلہ" تھا اس سے ہوئی تھی۔ نورت لال اس زمانہ میں ایل ایل بی کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ۔

"میں وکیل بننے کے بعد شادی کروں گا۔"

گیانی لال اپنے پتا کی وفات کے بعد ساری جائیداد کا کرتا دھرتا تھا۔ وہ شرابی، عیش پرست، غیر عورتوں کا رسیا، دھوکے باز اور بے رحم قسم کا انسان تھا۔ وہ ہر وقت نشہ میں دھت رہتا تھا لیکن ان خرافات کے ساتھ اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے ملازمین کا بہت خیال رکھتا تھا۔ یعنی ہر ہندو یا مسلمان ملازمین کو ان کے

تہوار کے دنوں پر مالی مدد ضرور کرتا تھا اور کبھی کبھار آ کر سرونٹ کوارٹر میں موجود شیوا رام اور رمیش کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ حال حوال پوچھتا...... پھر ان کے پاس بیٹھ کر شراب نوشی بھی کرتا تھا اور جاتے جاتے نشہ کی حالت میں نقدی بھی انعام میں دے جاتا تھا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ رمیش اس کے لئے کبھی کبھار بازارِ حسن سے یا اردگرد کے علاقوں سے عورتیں لا کر اس کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا جس کا علم گیانی لال کی بیوی کو نہیں تھا۔ گیانی لال اکثر اپنی عیاشی میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے لئے سرونٹ کوارٹروں میں ایک کمرہ تھا۔ جسے وہ اپنے لئے استعمال کرتا تھا اور یہ کمرہ اس کے پتا کے وقت بھی کبھی کبھار کسی اجنبی کے لئے استعمال میں آتا تھا۔

رمیش درحقیقت بڑا چالاک اور چلتا پرزہ تھا۔ وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے راجہ لال کی جیب سے کوئی نہ کوئی نقد انعام یا ولایتی شراب کی بوتل کے لئے ہم تینوں یعنی میں، شیوا رام اور اپنے لئے اینٹھ لیتا تھا۔ ایک تو وہ اس حویلی میں اس کے پتا کے دور کا ملازم تھا اس لئے کچھ بے باک سا تھا۔ میں اتنا پرانا نہ تھا البتہ شیوا رام پرانا ضرور تھا لیکن وہ رمیش کے بعد کا تھا۔ راجہ صاحب جب بھی ہمارے کوارٹر میں آتا تو ہر قسم کا مذاق کرتا یعنی زبان کے معاملے میں بے لگام ہو جاتا تھا۔ اس کی بات اور بے تکلفی دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ہمارا مالک ہے اور ہم اس کے ادنیٰ ملازم۔

نورت لال عادات و اطوار میں بالکل ان کے برعکس تھا یعنی وہ بہت شریف، سنجیدہ اور چھوٹے موٹے نشوں سے بھی اجتناب کرنے والا تھا۔ اس کا سارا ذہن صرف اور صرف پڑھائی کی جانب تھا۔ وہ بظاہر ہم لوگوں کے ساتھ راجہ گیانی لال کا ملنا جلنا پسند نہیں کرتا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہمارے ناموں سے نہیں بلکہ عہدوں سے پکارا کرتا تھا۔ یعنی اوئے چپراسی، اوئے سوئپر اور بزرگ شیوا رام کو بھی حقارت سے بلاتا تھا۔ دوسری جانب ہم بھی اسے دل سے ناپسند کرتے تھے وہ نک چڑھا کچھ زیادہ ہی تھا۔

راجہ گیانی لال کی سنگت بڑی وسعت کی حامل تھی اس کے سارے دوست اس کی طرح شراب اور شباب کے شیدائی تھے۔

رمیش ایک دن ہمارے کوارٹر میں ایک ایسے بوڑھے کو لے کر آیا جس کی عمر تقریباً 70 سے 75 برس تھی لیکن وہ چالاک و چوبند اور جسمانی طور پر بہت تندرست تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ایک پرانا سا نیلے رنگ کے کپڑے کا تھیلا پکڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور چیز نہ تھی۔ اس بوڑھے اجنبی کی آمد کو میں نے اور شیوا رام نے بڑے اچنبھے سے دیکھا۔

''یہ کون صاحب ہیں......؟'' شیوا رام نے رمیش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میرے دوست جوشن داس ہیں۔ یہ بہت دور سرحدی علاقے سے آئے ہیں۔'' یہ سن کر شیوا رام نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''یار یہ بوڑھا لگ بھگ 70 سے 75 سال کے لپیٹے میں ہے اور رمیش اس وقت 30 سے 35 سال کا ہے تو ان دونوں کی عمروں میں اتنا فرق اور پھر یہ کیسے اس کا دوست بن گیا۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے یا

اس کی آپس میں کوئی پوشیدہ غرض ہوگی جو یہ بے جوڑ یاری پال رہے ہیں۔"

"یہ کرتے کیا ہیں؟" میں نے رمیش سے پوچھا۔

"یہ جوتشی ہیں اور عامل ہیں۔"

وہ بوڑھا بڑی بے باکی اور اعتماد کے ساتھ رمیش سے بولا۔

"بھئی! تم انہیں میرے بارے میں آرام سے بتلا دینا۔ میں کون سا یہاں سے دو دن میں جانے والا ہوں۔ میں ابھی ایک ہفتہ یہاں ہوں۔"

"ایک ہفتہ......" میرے منہ سے نکلا۔

"ارے تم پریشان نہ ہو۔ یہ نہ تو تمہارے ساتھ سوئے گا اور نہ ہی تمہارے حصے کا کھائے پیئے گا۔ میں سب کچھ اپنے کوٹے میں سے دوں گا۔" رمیش نے کہا۔

وہ بوڑھا پہلی نظر میں ہی مجھے کوئی نوسرباز اور اس کی سرخ نشئی آنکھیں اس کے پکے شرابی ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی تھیں۔

وہ ہاتھ منہ دھونے سے فراغت کے بعد آیا تو رمیش نے اس کے آگے چائے اور بسکٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یار! ان دونوں کا بھی تعارف کرواؤ کہ یہ کون ہیں......؟" اور اس نے ہمارا تعارف بڑی تفصیل سے کرا دیا۔

"ارے صرف چائے ہی پیتے ہو یا کچھ اور بھی......" اس بوڑھے نے شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں......ہاں......! بڑے راجہ صاحب کبھی کبھار سوغات دے دیتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بڑے راجہ صاحب کون ہیں؟" بوڑھے نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہمارے مالک راجہ گیانی لال ہیں۔"

"ویسے اس دور میں یہ حاتم طائی جیسے بڑے راجہ، تم جیسے چھوٹے موٹے ملازمین کا بڑا خیال رکھتے ہیں تو اس دور کے لحاظ سے بڑی بات ہے۔" اس نے کہا۔

رمیش نے جواباً کہا۔

"ارے وہ ایسے ہی ہمارے کوارٹر میں نہیں آتے، میں انہیں ان کی چاہت و پسند کے سامان کا بندوبست جو کرتا ہوں۔"

"ذرا کھل کر بتا......" بھوشن داس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ انہیں شراب اور شباب کا چسکا کچھ زیادہ ہے اور میں اِدھر اُدھر سے عورتوں کو لا کر ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ بس یہ سمجھو کہ وہ لڈو کھاتے ہیں اور بورا جھڑتا ہے تو ہم بھی اس جھڑے ہوئے بورے سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔"

"اچھا یہ بات ہے تو میں تمہیں اور اسے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی ولائتی سے اچھی شراب پلاؤں گا۔ اگر اسے پسند نہ آئے گی تو بتلانا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اگر اس شراب کا مستقل رسیا نہ بن جائے تو میرا نام بدل کر رکھ دینا اور میرے منہ پر تھوک دینا۔ تو ذرا ایک دفعہ مجھے اس سے ملا تو سہی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے میں آج ہی اس کے لئے کوئی نہ کوئی نازک پری لا کر دیتا ہوں۔" رمیش بولا۔

''لیکن تو اس سے خود کھلتا ملتا نہیں جو بھی کچھ ہے وہ ہے ہمارا بڑا مالک۔''

''تو اس بات کو چھوڑ۔ بس اسے مجھے ملا دے۔'' بھوشن داس نے کہا۔

رات کو رمیش نے گیانی کے لئے ایک لڑکی کا بندوبست کیا' گیانی لال اپنے کمرے میں عیاشی کرنے کے بعد ہمارے کوارٹر میں آ گیا اور جب بھوشن داس کو دیکھا تو رمیش سے پوچھا۔

''یہ کون ہے......؟''

''یہ میرا دوست ہے۔ سرحدی علاقہ سے آیا ہے۔'' رمیش بولا۔

اچھا یہ کرتا کیا ہے۔'' راجہ نے پوچھا۔

''یہ عامل' جوتشی ہے۔'' رمیش نے بتایا۔

''پھر تو بے کار آدمی ہے۔'' راجہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''راجہ صاحب! یہ بڑے کام کا آدمی ہے میں نے اس کے کچھ کام دیکھے ہیں اور اس کی ایک خوبی تو میں نے آپ کو بتلائی نہیں۔''

''وہ کیا ہے......؟'' راجہ نے پوچھا۔

''یہ اپنے ہاتھ کی دیسی شراب بہت اچھی بناتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی شراب کوئی پی لے تو وہ ولایتی شراب چھوڑ دے گا۔'' رمیش بولا۔

''چل باقی باتیں بعد میں کریں گے' تو کب اس کے ہاتھ کی شراب کا ذائقہ چکھائے گا......؟'' راجہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''جی پرسوں آپ آ جائیں آپ کو ضرور پلاؤں گا کہ آپ ولایتی کو بھول جائیں گے۔'' بھوشن داس بولا۔

''چل پہلے تیرا دعویٰ دیکھتے ہیں۔'' گیانی لال طنزیہ بولا۔

''اور ہاں اس کے بعد یہ بھی پرکھیں گے کہ تو کس پائے کا جوتشی اور عامل ہے۔'' یہ بول کر راجہ چلا گیا۔

''ارے تو راجہ کے سامنے کچھ زیادہ نہیں بول گیا۔ ایسا نہ ہو کہ تیری بنائی ہوئی شراب اسے نشہ نہ چڑھائے اور ہم نوکری سے فارغ کر دیئے جائیں۔'' رمیش تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

''ارے دیکھتے جاؤ تم لوگ چنتا نہ کرو۔'' بھوشن داس رمیش سے بولا۔

اس کے بعد بھوشن داس نے رمیش سے نہ جانے کیا کیا چیزیں منگوائیں۔ جب چیزیں آ گئیں تو اس نے بڑی محنت سے شراب تیار کی اور پھر حسب وعدہ راجہ صاحب آئے تو انہوں نے کہا۔

''بھوشن اگر میں مر گیا تو میری ساری جائیداد میرا چھوٹا سوتیلا بھائی فوراً ہڑپ کر جائے گا۔''

''راجہ صاحب! اسے چکھیں یہ شراب نہیں امرت ہے۔ مریں آپ کے دشمن۔'' بھوشن بولا۔

بھوشن کی باتیں سن کر راجہ نے ہونٹ سکوڑے اور عجیب سا منہ بنایا اور ڈرتے ڈرتے شراب کو چکھا' اس کے بعد اس نے غٹاغٹ کئی پیگ چڑھا لئے' پھر بولا۔

''واہ مزہ آ گیا یہ تو واقعی کام کا آدمی ہے۔''

''راجہ صاحب! واقعی اس شراب کا جواب نہیں اور دل کرتا ہے کہ یہ روز ملے اور خوب ملے۔'' میں

نے کہا۔ بھوشن واقعی اپنے دعوئی میں کھرا اترا۔

ادھر راجہ گیانی لال کے لبوں کو اس شراب کا ایسا چسکا لگا کہ وہ اس کا دیوانہ ہوگیا اور اس کی تعریف میں زمین آسمان ملا دیئے...... بھوشن داس سے بولا۔

''بھوشن! تو اور کہیں نہیں جائے گا اس جگہ میری سرپرستی میں اپنا ڈیرہ جمالے میں تیرا ہر طرح کا خیال رکھوں گا۔''

ایک دن راجہ گیانی اور ان کے چھوٹے بھائی نورت لال کے درمیان جائیداد کے تنازعہ پر کچھ لڑائی ہوگئی۔ بات آپس میں دست وگریبان تک جا پہنچی۔ نورت لال نے گیانی لال کو دھمکی دی کہ۔

''تم نے میرے حصے کی جائیداد کو دبا رکھا ہے اور مجھے حصہ بھی بہت کم ملتا ہے۔ میں جب وکیل بنوں گا تو تم پر دعوئی کروں گا۔''

''چل...... چل جو کرنا ہے کرلے۔'' گیانی لال نے کہا۔

اوپر سے گیانی لال کی پتنی اور ان کا بچہ بھی آگیا۔

''دیکھو بھابھی! یہ تمہارا شوہر ان چوڑھے چمار، تھرڈ کلاس لوگوں سے ملتا ہے اور یہ او چھا رمیش ان کے لئے فاحشہ عورتیں لاتا ہے۔ انہیں اپنے پرکھوں کی شان وشوکت اور اپنے بچے تک کا خیال نہیں ہے۔''

گیانی لال کی پتنی نے بیچ میں پڑ کر دونوں بھائیوں کو خاموش کرایا۔ پھر گیانی لال بولا۔

''میری مرضی میں جس سے ملوں...... تو کون ہوتا ہے میری ذاتی زندگی میں دخل دینے والا۔ یہ چوڑھے چمار نہیں میرے مخلص دوست ہیں۔'' شیوارام نے غصے سے کہا۔

''راجہ صاحب! اس نے آپ کی کیا ہم سب کی بھی تذلیل کردی ہے اگر یہ آپ کا بھائی نہ ہوتا تو میں اس کا منہ توڑ جواب دیتا۔''

میں نے بھی اپنے غصے کا اظہار کیا۔ رمیش نے مجھے بتلایا کہ۔

''شیوارام اور راجہ صاحب آپس میں واقعی ملے ہوئے ہیں۔ یہ جائیداد اور باغات کے حصہ میں نورت کے حصے میں ڈنڈی مارتے ہیں لیکن ہمیں کیا۔''

ایک رات راجہ گیانی کو بھوشن نے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی شراب کافی مقدار میں پلا دی تو اس نے دھت نشہ کے عالم میں بھوشن سے کہا۔

''یہ تو پتہ چل گیا کہ تو واقعی بہت اچھی شراب بنانے والا ہے اب ذرا مجھے کوئی ثبوت دے کہ تو کتنا بڑا عامل اور جوتشی ہے۔ میں نے تجھ سے ایک بہت اہم کام لینا ہے لیکن تو مجھے اس کا ثبوت فراہم کر۔''

''یہ بکواس کرتا ہے اگر یہ بھوشن اتنا بڑا عامل؛ جوتشی ہوتا تو اس کی یہ فقیری حالت نہ ہوتی۔'' شیوارام نشہ کی حالت میں انگلی نچاتے ہوئے بولا۔

یہ سن کر بھوشن کی تیوری پر بل پڑ گئے اور وہ اپنی آنکھیں سرخ کرتے ہوئے بولا۔

''میں کوئی معمولی انسان نہیں ہوں۔ میرے پاس ایک ایسی شکتی ہے جس کی مدد سے میں کسی کو مکمل طور پر تباہ کرسکتا ہوں اور کسی دل پسند چیز کو اپنی جانب متوجہ کرسکتا ہوں۔''

''ارے یہ کیسا بھاشن مار رہا ہے۔'' میں نے بھی شیوارام کی طرف منہ کرکے کہا۔

''تو چپ کر پٹیر! تو کیا جانے میری شکتی کے

بارے میں اور کسی کو کیا پتہ کہ میرے اس میلے کچیلے کپڑے کے تھیلے میں کیا عجوبہ چھپا ہوا ہے۔" بھوشن نے کہا۔

"اچھا۔" کہہ کر راجہ گیانی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "آج میں بھی دیکھوں گا کہ تیرے اس تھیلے میں کیا موجود ہے۔"

یہ تمام باتیں سن کر بھوشن کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ اپنے تھیلے میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ چند منٹ کے بعد تھیلے میں سے بوسیدہ سی انسانی بازو کی ایک ہڈی نکال لی اور راجہ لال کو دکھاتے ہوئے بولا۔

"یہ ہے وہ شکتی جس کے ذریعے میں وہ کر سکتا ہوں جس کے متعلق عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا اور دیکھتے ہی دیکھتے کسی کی زندگی کو تہہ و بالا بھی کر سکتا ہوں۔" راجہ نے کہا۔

"بھوشن یہ گیدڑ بھبکی بند کر نہ جانے کس قبرستان سے یہ اٹھا کر لایا ہے اور ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے' کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں پاگل سمجھ رہا ہے' بس اتنا ہی کافی ہے کہ مجھے تیری بنائی ہوئی شراب پسند آگئی ہے' اس سے آگے تو کچھ نہ بول کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاملے میں تیری زبان تجھے ہلکا کرا دے۔"

راجہ گیانی کی باتیں سن کر بھوشن کا چہرہ یک لخت سرخ ہو گیا اور وہ بولا۔

"راجہ صاحب! مجھے مجبور نہ کریں کہ میں اپنے غصہ پر قابو نہ رکھ سکوں اور آپ لوگوں کے سامنے کچھ کر بیٹھوں...... کیونکہ جب تیر کمان سے اور گولی بندوق سے نکل جاتی ہے تو یقیناً نقصان پہنچاتی ہے۔ میں گیدڑ بھبکی نہیں دے رہا بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو آپ کی نظر میں ذلیل ہو جاؤں گا۔"

راجہ گیانی لال سوچنے لگا اور بولا۔

"میں تو صرف ثبوت دیکھنا چاہتا ہوں اور بغیر ثبوت کے ایسی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا اور اگر تجھ میں یا تیری اس ہڈی میں کوئی شکتی ہے تو اس کا ثبوت ہمارے سامنے پیش کر کیونکہ ہاتھ کے ہاتھ تیری شکتی کا بھانڈا پھوٹ جائے اور اگر تو اپنی باتوں کو سچ ثابت نہیں کر سکا تو یاد رکھ تیرا حشر نشر کر دوں گا...... چل جلدی کر۔" یہ سن کر بھوشن داس تلملا گیا اور بولا۔

"ٹھیک ہے آپ کی بات میری سر آنکھوں پر' آپ لوگ دل تھام کر بیٹھ جائیں۔ اگر کوئی انہونی چیز نظر آئے تو بالکل ساکت بیٹھے رہنا' شور شرابہ یا چیخ و پکار سے باز رہنا' ورنہ کسی کا کوئی بھی نقصان ہو سکتا ہے اور اگر کسی کا دل کام کرنا چھوڑ دے تو مجھے الزام نہ دینا اور ان ساری باتوں کے ذمہ دار راجہ صاحب آپ ہوں گے...... لیجئے میں اپنا کام شروع کرنے جا رہا ہوں۔"

میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ یہ بوڑھا بھوشن داس واقعی کچھ کر دکھائے گا کیونکہ وہ بڑے وثوق سے کہہ رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے ہڈی پر اپنا تھوڑا سا تھوک لگایا اور اپنی جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس کا شعلہ جب ہڈی کے کونے میں لگایا تو اس لمحے ایک نقطہ سا پہلے بنا پھر وہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا گیا اور پھر اس شعلے میں ایک بہت ہی خوفناک' ہیبت ناک' حیرت انگیز' تحیر انگیز اور مہیب بھیانک وجود نظر آنے لگا اس کی شباہت سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ وجود نر

ہے یا مادہ...... بڑی بڑی انگارہ برساتی آنکھیں، سر پر بالوں کی جگہ گنجان تعداد میں منہ کھولے لہراتے ہوئے سپولئے، کھلے ہوئے جبڑے جس میں دونوں نوکیلے دانت نظر آرہے تھے اور اسی کے ساتھ دوشاخہ لمبی لپلپاتی ہوئی زبان جس پر واضح تازہ خون نظر آرہا تھا۔ پھر اس مخلوق نے اپنی بھاری بھرکم خوفناک آواز نکالی تو میری دھوتی گیلی ہوگئی۔ ہم اپنی جگہ بالکل ساکت وجامد ہوگئے تھے کہ جیسے پتھر کا بت اپنی جگہ بے حس وحرکت رہتا ہے۔ راجہ گیانی نشہ میں ہونے کے باوجود اوندھے منہ پڑ گئے تھے۔ شیوا رام بے ہوش ہوگیا تھا، رمیش نے اپنا منہ چھپالیا تھا اور میری زبان پر یسوع مسیح کا نام جاری تھا۔

رات کا اندھیرا کمرے میں مسلط تھا۔ ہم چاروں کو ہوش نہ تھا۔ جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے دیکھا کہ بھوشن داس ہمارے چہروں پر پانی چھڑک رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد ہمارے حواس بحال ہوئے۔ یہ سن کر کر۔

''اب وہ بلا چلی گئی ہے۔'' بھوشن داس بولا۔

''ہاں میرے مترو! دیکھ لی اس معمولی ہڈی کی شکتی یا اور دکھاؤں اس کی شکتی......؟''

گیانی لال تو ابھی تک سکتے کے عالم میں تھا۔ بھوشن کی آواز سن کر بولا۔

''بھوشن! بس کر، میں نے تیری اور اس ہڈی کی شکتی دیکھ لی اگر تو نے اور کچھ دکھایا تو، میری آتما میرا شریر چھوڑ کر چلی جائے گی۔ تو واقعی بلوان شکتی کا مالک ہے۔ تیرا رہنا سہنا کھانا پینا، دوادارو بلکہ تمام اخراجات میرے ذمے ہیں۔ میرے کچھ کام ہیں جسے تو نے کرنا ہے اور اگر یہ کام تو نے کر دیئے تو میں جب تک جیوں گا تیرا احسان مانتا رہوں گا اور تیری خدمت کرتا رہوں گا۔'' راجہ گیانی نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''لیکن یہ بات یاد رہے کہ میرے کام کے متعلق کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور کان میں تجھ سے علیحدگی میں بات کروں گا۔''

اگلے دن رمیش مجھ سے کہنے لگا۔

''تو تیرا دوست ہے۔ میں تجھے ایک ضروری بات بتلانا چاہتا ہوں اور یہ بات تو نے بھول کر بھی کسی کو نہیں بتلانی ہے۔ بات یہ ہے کہ راجہ صاحب نے بھوشن کو کہا کہ میرے بھائی نورت لال کو برباد کر دے اور اس کے بدلے میں تجھے تیرے تصور سے بڑھ کر منہ مانگی رقم دوں گا۔ نورت تباہ وبرباد ہوجائے گا بلکہ پاگل ہو کر مر جائے گا اور یہ کام کرنے کے لئے بھوشن نے ہامی بھر لی ہے۔''

اسی دوران نورت لال وکیل بن گیا اور وکیل بنتے ہی اس نے بڑے بھائی پر مقدمہ دائر کر دیا۔ تھوڑے عرصہ بعد اس کی شادی شعلہ نامی لڑکی سے ہوگئی۔ شعلہ پیکر حسن تھی اس کے جسمانی خدوخال بڑے جاذب نظر اور بھڑکیلے تھے۔ اس پر راجہ گیانی لال کی شیطانی نظریں پڑیں تو اس نے بھوشن سے کہا۔

''اب وقت آگیا ہے کہ تو ہڈی کا کمال دکھلا کر اس شعلہ کو میرے لئے دیوانہ کر دے۔'' بھوشن نے دیوانے راجہ سے کہا۔

''پیٹر کو میرے ساتھ رکھو کیونکہ تم سب میں یہ سب سے زیادہ جگرے والا آدمی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ میرا حوصلہ بلند تھا کچھ مجھے

نوٹوں کا لالچ تھا کیونکہ مجھے رمیش نے کہا تھا کہ۔

"تو اپنی زبان بندر کھنا راجہ صاحب تجھے اچھی خاصی رقم دیں گے۔" اب بھوشن مجھے روزانہ اپنے کمرے میں لے جاتا تھا اور کہتا تھا کہ۔

"تجھ میں اگر ہمت ہے تو اس شکتی کو بے شک دیکھ لے ورنہ اپنی آنکھیں بند رکھنا۔"

میرا کام یہ تھا کہ جب بھوشن کچھ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس ہڈی کو ہلاتا تھا تو اس کے اور میرے سامنے نا قابل بیان بڑی خوفناک مخلوق ہیولہ کی صورت میں نمودار ہوتی جسے دیکھ کر وہ خود بھی نڈھال ہو جاتا تھا۔ پھر میں جب ہڈی گھماتا تو وہ چونک پڑتا اور اس کی غنودگی ختم ہو جاتی' سچی بات ہے کہ میں نے اس مخلوق کو کبھی بغور نہیں دیکھا تھا نہ ہی مجھ میں ہمت تھی۔ جب وہ اپنا عمل پڑھتا تھا تو سارا کمرہ گرمی سے تپنے لگتا تھا۔

اس نے ہڈی کے ذریعہ نہ جانے کیا جادو کیا کہ نورت لال کے حق میں ہوتا ہوا عدالتی فیصلہ بدل گیا اور ایسے واقعات ہوئے کہ راجہ نورت لال نہ صرف مقدمہ ہار گیا بلکہ شعلہ جو اس کی بیوی تھی وہ راجہ گیانی لال کی طرف مائل ہو گئی۔ بعد میں راجہ نورت لال کو بھوشن نے جادو کے ذریعے اس کی ایسی حالت کر دی تھی کہ اس نے شعلہ پر بد چلنی کا الزام لگا کر اسے چھوڑ دیا۔ تو کچھ عرصہ بعد گیانی لال نے اس سے شادی کر لی جبکہ اس کی اپنی پہلی بیوی نے خود بھی اور اپنے بچے کو زہر دے کر زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔ راجہ نورت لال کو اس کے ایک کلائنٹ نے غصہ میں آ کر گولی مار دی۔ اس کی وجہ مجھے معلوم نہ ہو سکی۔

بہت بعد میں رمیش نے مجھے بتلایا کہ۔

"اس میں بھی بھوشن داس کا کمال تھا۔"

اب گیانی لال کو کوئی بھی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں تھا۔ گیانی لال نے اپنی مرضی کے مطابق سب کچھ حاصل کر لیا تھا۔ گیانی لال کو اپنے بھائی کے حصے کی ساری جائیداد ہتھیانے کا موقع مل گیا تو گیانی لال نے مجھے اور رمیش کو اس زمانہ میں جب سونا 40 سے 50 روپے تولہ تھا۔ ہم دونوں کو پندرہ پندرہ ہزار روپے دیئے۔ بعد میں شیوا رام جو اس کا خاص آدمی تھا اسے بیس ہزار روپے زبان بندی اور اس بھیانک منصوبہ میں شمولیت کے لئے بطور انعام دیئے۔ آخر میں راجہ نے بھوشن داس سے کہا۔

"میرا آخری کام یہ ہے کہ تو میری لمبی عمر کے لئے اپنے قابو میں شکتی سے کہہ۔" یہ سن کر بھوشن نے کہا۔

"میں آپ کا یہ کام کر تو دوں لیکن اس میں آپ کی بھلائی نہیں ہے کیونکہ لمبی عمر کے لئے ضروری ہے کہ اس شکتی کو اپنے قابو میں رکھا جائے اور وہ آپ کے لئے ممکن نہیں ہے۔"

لیکن راجہ گیانی لال نہیں مانا وہ بھوشن کے پیچھے پڑ گیا اور بولا۔

"تو میری لمبی عمر کے لئے کچھ کر...... یا پھر اپنے قابو میں شکتی سے میری عمر طویل کرا دے۔"

بالآخر اس بوڑھے بھوشن نے اس کی طویل عمر کرنے کا کوئی نہ کوئی اوپائے کیا......

اب راجہ کلی طور پر جائیداد' باغات کا مالک تھا اس کے ساتھ ساتھ بھائی کی جوان خوبصورت بیوی

شعلہ کا دل بھی اس کے قابو میں تھا۔

رمیش اپنے آبائی شہر پٹنہ چلا گیا جبکہ میں اپنے گھر آ گیا۔

1947ء میں جب پاکستان بنا تو میں پاکستان آ گیا۔ یہاں مجھے میونسپل کمیٹی میں سوپر کی جاب ملی۔ یہاں میری شادی ہوئی اور ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام میں نے للکسن رکھا۔ میری بیٹی کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر مری۔ جو روپیہ مجھے گیانی لال نے دیا تھا وہ سب اکارت گیا۔ مجھے میرے گناہوں کی سزا مل گئی۔

1960ء میں جب میں اپنے آبائی شہر میسور گیا اور جب پرانے بیتے دنوں کی یاد آئی تو میں نے سوچا کہ میں ذرا راجہ گیانی سے ملوں۔ میں جب اس کی حویلی میں پہنچا تو میں نے ہو کا عالم پایا۔ حویلی ویران ہو چکی تھی۔ گیٹ کے باہر موٹا تالا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میں نے حیرانی کے عالم میں یہ عجیب منظر دیکھا۔

کافی دیر تک میں نے حویلی کا جائزہ لیا' اندر سے مجھے خوفناک پراسرار انداز میں شائیں شائیں کی آوازیں محسوس ہو رہی تھیں۔ میرا دل ہولنے لگا۔ میرے نگاہوں کے سامنے وہ کوٹھڑی بھی تھی جہاں میں نے رمیش' شیوا رام اور اس بوڑھے عامل کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے ماضی گھومنے لگا...... ابھی میں ماضی کے دریچوں میں جھانک ہی رہا تھا کہ اچانک میرے کندھے پر کسی نے لرزتا ہوا ہاتھ رکھا۔ میں نے اچانک چونک کر دیکھا۔ تو میرے سامنے بھوشن داس کھڑا تھا۔ اس نے میری جانب حیرت سے دیکھا اور میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

''راجہ گیانی لال کہاں ہیں......؟'' اس پر اس نے کہا۔

''کب کا مر کھپ گیا سالا۔ لالچی' شرابی طویل عمر کا رسیا' خود غرض انسان...... اسے میں نے منع کیا تھا کہ تو نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے لیکن طویل عمر کی تمنا نہ کر لیکن وہ نہ مانا' وہ جتنا عرصہ بھی جیا' بیمار' پریشان ہی رہا۔ وہ آخر میں اتنا پاگل ہو گیا تھا کہ ہر لمحے اپنے گناہوں کی نہ صرف معافی مانگتا تھا بلکہ موت کا دلی طلب گار تھا۔ شعلہ اس سے تنگ آ کر اسے چھوڑ گئی۔ اس نے جانا ہی تھا۔ میں نے اس کے دل میں جتنا راجہ کی چاہت کا پٹرول ڈالا تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ اس کی چاہت' نفرت میں بدل گئی تھی اور راجہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''اور یہ حویلی کس کے پاس ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

''اس نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے گیٹ کے کونے میں لگی تختی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اسے بغور دیکھ اب یہ حویلی میری ہے۔'' میں نے دیدے پھاڑ کر دیکھا...... جہاں جلی حروف میں لکھا تھا۔

''بھوشن داس۔''

بھوشن نے مجھے بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ اس نے مجھے بیٹھنے تک کا نہ پوچھا۔ میں اپنا دل موس کر واپس لوٹا...... لیکن مجھے ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔ وہ یہ کہ۔

''بھوشن داس کی طویل عمر کا راز کیا تھا......؟''

قسط نمبر 6

حویلی کا آسیب

تحریر ...... نور ھادی

شام کو ٹی وی سے یہ خبر نشر بھی ہوگئی کہ الطاف رشید کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتا چلا تھا کہ موت سے قبل الطاف رشید کے جسم نے بے پناہ الیکٹرک شاک برداشت کیے تھے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ ہی کی روشنی میں پولیس کے ترجمان نے بھی کہا تھا کہ اگر اتنے زیادہ الیکٹرک شاک کسی انسان کو دیے جائیں تو وہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے موت کو بھی آسان سمجھ لیتا ہے لہٰذا تشدد کرنے والے اس سے وہ پرچہ لکھوانے میں کامیاب ہوگئے ہوں گے۔

شام کو چائے پر ارباب فارانی، فارحہ اور خسرو اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ انھیں بڑی شدت سے زماں آفندی کا انتظار بھی تھا۔

زماں اس وقت آیا جب وہ تینوں کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ خود زماں بھی کھانا کھا کر آیا تھا اس لیے اس نے ان تینوں کے ساتھ چائے پی۔

فارحہ نے اس سے شکایت شروع کی کہ بھائی ایسے تو نہیں ہوتے جو مہینوں تک بہن کی خبر تک نہ لیں۔

زماں ہنس کر اسے کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ ارباب فارانی بول پڑے۔

تم ان فضول باتوں میں نہ پڑو بیٹے تم تو یہ بتاؤ کہ آج تم نے کیا تحقیقات کیں۔ خسرو نے بتایا تھا کہ تم آج ارجن پور گئے تھے۔

جی ہاں۔ زماں نے کہا۔

آج وہاں جانے کے میرے دو ہی مقصد تھے۔ ایک تو میں اس آسیبی عمارت کو دیکھنا چاہتا تھا اور دوسرے وہاں کے دیہاتیوں سے مل کر قطب شاہ کے بارے میں ان کی رائے جاننا چاہتا تھا۔

پھر۔۔۔؟ فارحہ نے بے چینی سے پوچھا۔

وہاں بیالیس دیہات ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ میں ایک ہی دن میں ایک ایک گاؤں میں جا کر وہاں سبھی سے گفتگو کر لیتا لیکن مجھے جتنے لوگوں سے بات کرنے کا موقع ملا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قطب شاہ ان لوگوں کے لیے واقعی ناپسندیدہ شخصیت ہے۔

گویا اشرف نے مجھے غلط نہیں بتایا تھا۔ فارحہ پھر بول پڑی۔

آپ اس سے تو ملے ہی ہوں گے؟

ملنا تو چاہتا تھا لیکن وہ اپنے گھر پر نہیں تھا۔ اس کے باپ نے بتایا کہ وہ کسی کام سے شہر گیا ہے۔ خسرو بولا۔

وہ تو یہی کہہ کر گیا تھا کہ اپنے گھر جائے گا۔

گھر تو وہ گیا ہوگا۔ فارحہ بولی۔



لیکن جب وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہا ہو تو گھر پر رکنا اس کی حماقت ہی ہوتی۔ وہ اپنے گھر والوں سے شہر کے کسی کام کا بہانہ کر کے گھر سے غائب ہوا ہو گا۔

مجھے آپ سے ایک اجازت لینا ہے۔ زماں نے اچانک ارباب فارانی سے کہا۔

کیسی اجازت؟

میں فارحہ کو اپنے ساتھ اس آسیبی عمارت میں لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے خصوصاً" وہ کمرہ دیکھنا ہے جہاں سے فارحہ نے کسی کے رونے کی آواز سنی تھی۔

ہاں ہاں ضرور لے جاؤ تمہاری وجہ سے مجھے اطمینان ہو گیا کہ فارحہ کسی خطرے میں نہیں پڑ سکتی۔ کب جاؤ گے تم؟

ابھی۔
فارحہ پرجوش ہو گئی لیکن ارباب فارانی نے کہا۔
بیٹے تم آج دن بھر کے تھکے ہوئے ہو۔
اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ زماں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
ہم لوگوں کی زندگی ایسے ہی گزرتی ہے کہ سونے کی تو کیا کھانے پینے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ ایک بار تو میں تین دن اور دو راتیں مسلسل جاگ چکا ہوں۔
اسی محنت نے تمہیں اتنی جلدی اتنی ترقی بھی دی ہے۔ خسرو بولا۔
فارحہ تم تو تیار ہو نا؟ زماں نے پوچھا۔
میں کیوں تیار نہیں ہوں گی زماں بھیا میرا تجسس تو مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو نا خسرو۔
میں بھائی۔ خسرو نے کہا۔
صبح یونیورسٹی کی چھٹی نہیں ہے کہ میں رات کو جاگوں۔ تم اپنی بہنا ہی کو لے جاؤ۔
ٹھیک ہے ہم اکیلے ہی چلے جائیں گے۔
یہاں سے تو تم میرے ساتھ اکیلی ہی چلو گی۔ زماں نے کہا۔
لیکن وہاں پولیس بھی ہو گی۔
تو کیا باقاعدہ ریڈ؟
ہاں۔ زماں نے کہا۔
میں چاہتا تو یہی تھا کہ آج چھپ کر اس عمارت میں داخل ہوا جائے لیکن عمارت کے گرد قطب شاہ نے اپنے آدمیوں کا پہرا لگوا دیا تھا۔

ہاں۔ فارحہ نے کہا۔
قطب شاہ صاحب نے مجھ سے بھی کہا تھا کہ وہ ایسا کریں گے تاکہ کوئی اس عمارت میں جا کر کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔
زماں نے ارباب فارانی سے پوچھا۔
قطب شاہ کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟
بھئی مجھے تو وہ ایک عام سا آدمی لگا۔ اب تم ہی پتا لگا سکو گے کہ وہ اچھا آدمی ہے یا نہیں۔
ان کی ایک عادت تو ایسی ہے جسے برا کہا جا سکتا ہے۔ فارحہ بولی۔
وہ تشدد کر کے خوشی حاصل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ میں نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس میں میرا یہ مشاہدہ نہیں ہے۔
وہ کیا ہے؟ زماں اس کی طرف ہمہ تن گوش ہو گیا۔
خسرو سے تو میں اس موضوع پر بات بھی کر چکی ہوں۔
فارحہ نے کہا اور پھر اس نے زماں کو بھی قطب شاہ اور خرگوشوں کے شکار کی کہانی سنا دی۔ زماں بڑبڑایا۔
ہو سکتا ہے یہ فطرت اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی ہو۔
کیا اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا؟ ارباب فارانی نے چونک کر پوچھا۔
جی ہاں کچھ ایسی باتیں بھی معلوم ہوئی ہیں۔ زماں نے کہا۔ لیکن وہ بوڑھے کے بیان کو ایک پیشہ ورانہ راز سمجھتا تھا اس لیے بات اڑا گیا اور

گھڑی دیکھ کر فارحہ سے بولا۔

ہمیں اب چلنا چاہیے بارہ ساڑھے بارہ بجے تک ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔

چلیے۔ فارحہ نے کہا۔

مجھے کوئی تیاری نہیں کرنا۔

دو منٹ بعد ہی ارباب فارانی اور خسرو نے ان دونوں کو رخصت کیا۔

زماں کی کار جب کوٹھی کے احاطے سے نکل رہی تھی تو فارحہ ہنس کر بولی۔

یہاں میری تاک میں لگے ہوئے لوگ فائر نہ کھول دیں۔

میں اس بات کی طرف سے غافل نہیں رہا ہوں۔ زماں نے مسکرا کر کہا۔

یہاں میرے محکمے کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔

نظر تو کوئی نہیں آ رہا۔

اگر وہ نظر آ جائیں تو انہیں میرے محکمے کے بجائے کسی چانڈو خانے سے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ زماں نے ہنس کر کہا۔

فارحہ بھی ہنس دی۔

اس عمارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ زماں نے پوچھا۔

میں اشرف کے اس خیال سے متفق ہوں کہ بعض جرائم پیشہ افراد کسی ویران عمارت کو اپنی شعبدہ بازیوں سے آسیبی بنا کر لوگوں کو اس سے دور رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور اسے اپنا ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔

اور اشرف کے خیال کے مطابق یہ کام قطب شاہ کا ہے۔

اسے یہی شبہ ہے کہ اس کی منگیتر حسینہ اور اس کے باپ کو اسی عمارت میں قید کیا گیا ہوگا فارحہ نے کہا۔

اگر ہم اشرف کی اس بات پر یقین کر لیں تو میرا خیال ہے کہ قطب شاہ اس قسم کے کاموں کے لیے اپنے ملازمین کو خود احکامات نہیں دیتا ہوگا۔

تو پھر اور کون دے گا؟

قطب شاہ کا ایک پرانا ملازم ہے بھانو ہے اس کا نام۔ فارحہ نے کہا۔

میں نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس میں بھانو کا ذکر بھی تھا۔

بھانو۔ زماں بڑبڑایا۔

اس کا حدود اربع کیا ہے؟

فارحہ نے وہی کچھ دہرا دیا جو قطب شاہ نے بتایا تھا۔

بھانو۔ زماں پھر بڑبڑایا۔

اس نام سے کسی عجیب الخلقت شے کا تاثر ابھرتا ہے۔

یہ کہیے نا کہ بھانو کا تصور ابھرتا ہے۔ فارحہ ہنسی۔

لیکن ایسا ہے نہیں وہ تیس بتیس سال کا ایک صحت مند آدمی ہے۔ اس کا حلیہ ضرور ایسا تھا جو مجھے اچھا نہیں لگا۔ اس کے چہرے کے نقش و نگار بھی عام آدمیوں جیسے نہیں لیکن اس کی آنکھیں میں اب تک نہیں بھولی۔

کیوں۔۔۔۔؟

بڑی موٹی موٹی آنکھیں ہیں اور ایسی جیسے خون میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ میں نے ایسی آنکھیں

تصویروں میں ان قاتلوں اور ڈاکوؤں کی دیکھی ہیں جن کو عدالتوں سے عمر قید یا پھانسی کی سزائیں سنائی گئی ہیں۔

اسے بھی چیک کرنا پڑے گا۔ زماں نے سر ہلایا اور پھر اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ فارحہ بولی۔

پولیس کی گاڑیاں تو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔

اس کا بندوبست کرنے کے بعد ہی میں تمہارے گھر آیا تھا۔ زماں نے جواب دیا۔

گیارہ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے کے درمیان پولیس کی گاڑیاں اس عمارت سے ایک میل کے فاصلے پر رکی ہوئی ہوں گی۔ میرے محکمے کے دو دو آدمی اس عمارت کے قریب موجود ہوں گے لیکن اس طرح کے قطب شاہ کے پہرے داروں کی نظر میں نہ آسکیں۔ ان کے پاس وائرلیس بھی ہے۔ اس کے ذریعے وہ پولیس کو عمارت سے آنے والی آوازوں اور روشنیوں کے جھماکوں کے بارے میں رپورٹ دیتے رہیں گے۔

فارحہ سر ہلا کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئی پھر اس نے کہا۔

میں نے جس کمرے سے رونے کی آوازیں سنی تھیں اس بارے میں آپ کو کسی قسم کا شبہ ہے؟

اگر کوئی اس عمارت کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے تو اس کمرے میں شاید کوئی قیدی ہو جو تمہاری آواز سن کر سہم گیا ہو۔

تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اسی بات کو چھپانے کے لیے مجھے ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

اسکا امکان تو ہے۔

لیکن وہ لوگ یہ بھی جان چکے ہیں کہ میں بچ گئی ہوں لہٰذا ممکن ہے انہوں نے اس قیدی کو وہاں سے ہٹا دیا ہو۔

اس صورت میں بھی وہاں سے کوئی ایسا سراغ مل سکتا ہے جس سے اندازہ ہو جائے کہ وہاں کوئی قید تھا۔

اسی نوعیت کی باتیں کرتے ہوئے سفر کٹ گیا اور زماں کی کار پولیس کاروں کے پاس جا رکی۔

ٹھیک ہے۔ زماں نے پولیس افسر سے کہا۔

ایکشن بہت تیزی سے لینا ہے۔ اگر اس عمارت میں یہ شعبدے کرنے والے موجود ہوں تو ان میں سے کسی کو بھی بچ کر نہیں نکلنا چاہیے۔ عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی ضرورت نہیں۔

میں سب ہدایت دے چکا ہوں جناب۔ پولیس افسر نے کہا۔

بس تو پھر روانگی۔

زماں نے کہا اور اپنی کار کا انجن پھر اسٹارٹ کر دیا۔ اس وقت فارحہ خاصے ہیجان میں مبتلا ہو چکی تھی۔

ایکشن بہت تیزی سے لیا گیا۔ پولیس کی وردیاں دیکھ کر قطب شاہ کے ملازم پہرے دار انہیں روکنے کی ہمت نہیں کر سکے۔ سرعت کے ساتھ عمارت کے گرد محاصرہ قائم ہوا اور سامنے کے دروازے سے پولیس عمارت میں داخل بھی ہوگئی۔ آگے آگے زماں اور ایک پولیس افسر کے ساتھ فارحہ بھی تھی۔

روشنی کے جھماکے کیونکہ اوپری منزل کے کمروں میں ہو رہے تھے جنہیں ان کی کھڑکیوں سے دیکھا جاسکتا تھا اس لیے زماں فارحہ کے ساتھ کچھ پولیس والوں کو لے کر تیزی سے زینے طے کرنے لگا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمارت میں داخل ہونے والی پولیس کی تین چوتھائی نفری عمارت کے نچلے حصے ہی میں پھیل گئی تھی۔ ان سب کے پاس رائفلوں کے ساتھ تیز روشنی کی بڑی ٹارچیں بھی تھیں جن کی روشنی میں فارحہ کو پولیس والوں کے چہروں پر خوف زدگی کے تاثرات دکھائی دیے تھے کیونکہ عمارت کے مختلف حصوں سے مختلف نوعیت کی آوازیں اس وقت بھی سنائی دے رہی تھیں۔ رونے کی آوازیں، سسکیوں کی آوازیں، چیخوں کی آوازیں، گھنگھروؤں کی آوازیں۔

فارحہ اس وقت ہیجان میں تو تھی لیکن اسے خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ اس وقت اکیلی نہیں تھی۔

پولیس اوپری منزل کے چاروں کمروں میں پھیلی گئی۔ زماں اور فارحہ کے ساتھ چار مسلح کانسٹیبل ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ زماں کے ہاتھ میں اس وقت واکی ٹاکی بھی تھا جس پر وہ دوسرے پولیس افسروں سے رابطے میں تھا۔

کمرہ چار ٹارچوں کی روشنی میں صاف نظر آرہا تھا۔

یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ زماں بڑبڑایا۔

فارحہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی اور چاروں کانسٹیبلوں کی سوالیہ نظریں زماں کے چہرے پر تھیں۔

زماں واکی ٹاکی پر دوسرے پولیس افسران سے رپورٹ لینے لگا۔ اوپری منزل پر آنے والی پارٹی کے ان لوگوں کو بھی کوئی دکھائی نہیں دیا تھا جو باقی کمروں میں گئے تھے اور نچلی منزل سے اطلاع ملی تھی کہ اب آوازیں سنائی دینا بھی بند ہو گئی تھیں۔

عمارت میں بالکل سناٹا چھا چکا ہے۔

زماں فارحہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بہت بڑایا لیکن اس کا انداز ایسا نہیں تھا جیسے اس نے یہ بات فارحہ سے کہی ہو۔

روشنی کے جھماکے بھی بند ہو گئے ہیں۔ فارحہ نے دھیرے سے کہا۔

زماں کے چہرے سے غور و فکر کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کی نگاہیں چاروں طرف چکرا رہی تھیں۔ وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر نظر آرہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

اچانک کانسٹیبلوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ فارحہ بھی اچھل پڑی کیونکہ اس وقت اچانک کمرے میں روشنی کا ست تیز جھماکا پھر ہوا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں خیرہ کن بجلی سی کوند گئی تھی۔

اس وقت فارحہ کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔ اس نے زماں کا ایک بازو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔

زماں واکی ٹاکی پر دوسرے پولیس افسران سے پھر باتیں کرنے لگا تھا۔ معلوم ہوا کہ دوسرے کمروں میں بھی روشنی کے جھماکے ہوئے تھے اور

نچلی منزل پر آوازیں پھر سنائی دینے لگی تھیں مگر اب ان میں پہلے جیسا تسلسل نہیں رہا تھا وقفے آ گئے تھے۔

گھبراؤ نہیں فارحہ

زماں نے اپنے بازو پر جما ہوا فارحہ کا ہاتھ تھپکا۔ تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔

میں گھبرا نہیں رہی ہوں زماں بھیا لیکن۔

فارحہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ روشنی کا جھماکا پھر ہوا۔

آئندہ پندرہ منٹ میں یہ بات واضح ہو گئی۔ اس عمارت کے واقعاتی پراسرار معمولات میں بس اتنا فرق آیا تھا کہ روشنی کے جھماکے پہلے جیسے تسلسل سے نہیں ہو رہے تھے اور آوازیں بھی مستقل سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ کبھی کسی طرف سے سسکیاں سنائی دیتیں، کبھی کسی طرف سے رونے یا چیخنے کی آواز آتی اور کبھی کسی طرف سے گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دیتی۔

سولہ کانسٹیبلوں اور دو سب انسپکٹروں کو اوپری منزل کے کمروں میں چھوڑ کر زماں، فارحہ کے ساتھ نیچے آ گیا۔

اب تک ان لوگوں میں سے کسی کو نہ تو کوئی خوف ناک چیز دکھائی دی تھی اور نہ انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچا تھا۔

یہاں کا آسیب یا روحیں خاصی پرامن معلوم ہوتی ہیں۔

زماں دھیرے سے ہنسا۔ شاید وہ اس طرح ماحول کا تناؤ کم کرنا چاہتا تھا لیکن اسے فوری طور پر اپنا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ سبھی کے چہروں پر متفکرانہ سنجیدگی قائم رہی۔

زماں نے تین مختلف جگہوں پر چاک سے نشانات لگائے۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں سے کسی نہ کسی قسم کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

گاڑیوں سے کدال منگوائیں۔ زماں نے ایک پولیس افسر سے کہا۔

پولیس آفیسر اپنی واکی ٹاکی پر کسی کو کدالوں کے لیے ہدایت دینے لگا۔ فارحہ بولی۔

کیا آپ ان دیواروں کو کھدوانا چاہتے ہیں زماں بھیا۔

ہاں۔ زماں نے کہا۔

اگر ان دیواروں میں اسپیکر چھپے ہوئے ہیں تو ان کا پتا اسی طرح لگا جا سکتا ہے۔

آوازیں تو اور جگہوں سے بھی سنائی دے رہی ہیں۔

اگر ان تین جگہوں سے اسپیکر برآمد ہو گئے تو میں ساری عمارت ہی کھدوا ڈالوں گا۔

اسی وقت واکی ٹاکی پر کسی نے زماں کو اطلاع دی کہ قطب شاہ آ گیا ہے اور دروازے کے قریب موجود ہے۔ اسے پولیس نے اندر داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

میں خود باہر آ کر اس سے بات کرتا ہوں۔ زماں نے جواب میں کہا۔

قطب شاہ کو اس کے ملازمین ہی نے پولیس ریڈ کی اطلاع دی ہو گی۔ فارحہ بولی۔

ظاہر ہے۔ زماں نے کہا۔

لیکن یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ آ گیا۔ یہ عمارت اس کی ملکیت ہے اور میں یہاں کھدائی کروانا چاہتا

ہوں۔ اب رسما" اس سے اجازت بھی لے لوں گا۔ تم یہیں رکو میں اس سے مل کر آتا ہوں۔

فارحہ اس کے ساتھ جانا چاہتی تھی لیکن اس خیال سے چپ رہی کہ زماں نے کسی مصلحت سے ہی اس کو اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔

وہ وہاں اکیلی بھی نہیں تھی اور پولیس والے بھی موجود تھے۔

زماں کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ واپس آکر اس نے فارحہ کو بتایا۔

اس نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ پولیس اس کی اجازت کے بغیر اس عمارت میں گھسی۔ وہ بس تشویش کا اظہار کر رہا تھا کہ عمارت کا آسیب پولیس کے لیے کسی نقصان کا سبب نہ بن جائے۔ میں نے اس سے چند جگہوں کی کھدائی کی اجازت بھی لے لی ہے اور اس سے درخواست کی ہے کہ جب تک پولیس آپریشن جاری ہے وہ اس عمارت سے دور ہی رہے بلکہ اپنی حویلی واپس چلا جائے۔

تو کیا وہ؟

ہاں وہ چلا گیا۔

زماں نے فارحہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا پھر اس نے پولیس افسر سے پوچھا۔

کدالیں آگئیں؟

جی ہاں سر۔

جہاں میں نے نشان لگوائے ہیں وہاں کی کھدائی شروع کرا دیں لیکن اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ کدالیں زیادہ زور سے نہ چلائی جائے۔ اگر ان دیواروں میں اسپیکرز لگے ہوئے ہیں تو انہیں ٹوٹنا پھوٹنا نہیں چاہیے۔ اس طرح کھدائی میں دیر تو لگے گی لیکن یہ ضروری ہے۔

بہتر ہے۔

فارحہ نے زماں سے کہا۔

پولیس کی گاڑیوں میں کدالیں بھی لائی گئیں تھیں؟

ہاں۔ زماں نے کہا۔

یہ بات میرے پروگرام میں شامل تھی کہ ان مقامات کی کھدائی کرواؤں گا جہاں سے آوازیں سنائی دیں گی۔

اور---- روشنی کے وہ جھماکے؟

ان کا سبب بھی دیکھنا ہو گا۔ پہلے تم ذرا مجھے اس کمرے تک لے چلو جہاں تمہیں کسی کے رونے کی آواز سنائی دی تھی۔

چلیے۔

فارحہ، زماں کو اس کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ زماں نے واکی ٹاکی پر اوپری منزل کے کسی پولیس افسر سے بات کی۔ پتا چلا کہ وقفے وقفے سے روشنی کے جھماکے جاری تھے۔ اسی طرح نچلی منزل پر وہ آوازیں بھی وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھیں۔ اس پراسرار ماحول میں فارحہ کو پولیس کی تمام سرگرمیاں اور نقل و حرکت بڑی عجیب سی لگ رہی تھی لیکن اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اب پولیس والے پہلے کی طرح زیادہ خوف زدہ نظر نہیں آرہے تھے۔

فارحہ نے زماں کو ایک کمرے کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔

یہ ہے وہ کمرہ۔ وہ بولی۔

زماں نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند نہیں تھا لیکن اس کے کھلنے سے چرچراہٹ کی خاصی تیز آواز ہوئی۔ زماں نے ٹارچ روشن کرتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کے پیچھے فارحہ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

کمرے میں کسی قسم کا سامان نہیں تھا۔ فرش گرد سے اٹا ہوا تھا۔ میلی چھت اور دیواروں پر مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے۔ گرد سے اٹے ہوئے فرش پر صرف ان غیر معمولی قدموں کے نشانات دکھائی دیے جو فارحہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔

سناٹے میں دور کسی گاؤں سے فجر کی اذان کی آواز آئی جس کے ساتھ یہ اس عمارت میں پراسرار آوازوں کا سلسلہ بند ہوگیا اور جھماکے بھی رک گئے۔

جن مقامات پر زماں نے نشانات لگائے تھے وہاں کی کھدائی بھی اس حد تک ہو چکی تھی کہ آرپار بڑے بڑے سوراخ ہوگئے تھے لیکن اسپیکرز یا کسی بھی قسم کی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔

فارحہ نے زماں کے چہرے پر تھکن اور مایوسی کے آثار دیکھے تو بول پڑی۔

اب آپ خاصے تھکے ہوئے نظر آرہے ہیں بھیا۔

نہیں فارحہ۔ زماں بولا۔

وہ دراصل جب میں کوئی کام کرتا ہوں اور میری توقع پوری نہیں ہوتی تو دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں تھک گیا ہوں۔

اب تو یہی ثابت ہوا ہے بھیا کہ یہ عمارت واقعی آسیب زدہ ہے مگر یہ آسیب ہم انسانوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔

اب جبکہ ہم اکیسویں صدی میں قدم رکھنے والے ہیں ایسی باتوں پر یقین کرلینا مضحکہ خیز لگتا ہے۔

میں اس قسم کے معاملوں میں ڈھل مل یقین سی تھی لیکن اب تو ماننا پڑے گا کہ کچھ ایسی ماورائی چیزیں ہیں ضرور جن پر عقل کی گرفت نہیں ہو پاتی۔ ساری دنیا میں ہی کہیں نہ کہیں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کی خبریں بھی شائع ہوئی ہیں اور یہ اعتراف بھی کرنا ہی پڑے گا کہ سائنس کے میدان میں مغرب ہم سے کہیں زیادہ آگے ہے لیکن وہ لوگ بھی ان واقعات کی کوئی سائنسی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

زماں کچھ نہیں بولا۔

اب کیا کرنا ہے سر؟ ایک پولیس افسر نے پوچھا۔

واپسی۔

زماں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی، پھر اس نے فارحہ سے کہا۔

تمہارے یہ سب خیالات درست لیکن قدموں کے وہ عجیب سے نشان میرے ذہن میں نقش بن کر رہ گئے ہیں۔ آسیب کہوں یا روحیں، وہ مادی تو نہیں ہوں گی ناکہ ان کے قدموں کے نشانات بن جائیں اور وہ بھی چند مقامات پر۔

ایک نقش میرے ذہن میں بھی ہے۔

فارحہ نے اس وقت کہا جب وہ زماں کے ساتھ اس کی کار کی طرف بڑھ رہی تھی۔

میرا کیمرہ ان نشانات کی تصویریں کھینچنے میں کیوں ناکام رہا۔

یہ سارا معاملہ مختلف پہلوؤں سے مختلف انداز میں الجھا ہوا ہے۔ تم گھر چل کر اپنا وہ کیمرہ مجھے دے دینا۔

ہاں لے لیجیے گا۔

زماں نے کیمرے کے بارے میں دو تین سوال اور بھی کیے۔ فارحہ جواب دیتے ہوئے اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی۔ پولیس والے بھی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ زماں اپنی کار ان سے پہلے ہی حرکت میں لے آیا۔

بارش کے کچھ آثار دکھائی دے رہے ہیں زماں بھیا۔

ہاں۔ زماں نے کہا۔

اسی لیے میں نے کار کی رفتار اتنی زیادہ بڑھا رکھی ہے ہم بارش کے آغاز سے پہلے ہی شہر یا شہر کے قریب پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔

جب وہ شہر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی لیکن مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے شام کا سماں بندھا ہوا تھا۔

بارش کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ خسرو ابھی بیدار نہیں ہوا تھا لیکن ارباب فارانی گاؤن پہنے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔

آؤ بھائی آؤ۔

وہ انہیں دیکھتے ہی بولے۔

میں تو اتنا پریشان رہا ہوں کہ رات بھر سے نیند نہیں آئی۔

مجھے کچھ اندازہ تھا اس کا۔ زماں نے مسکرا کر کہا۔ پھر فارحہ سے بولا۔

تم مجھے اپنا کیمرہ لا دو۔ مجھے جلد از جلد اپنے دفتر پہنچنا ہے۔

ناشتہ تو کرتے جاؤ بیٹے ممکن ہے اتنی دیر میں بارش بھی رک جائے۔

بادلوں کے تیور بتا رہے ہیں کہ بارش دیر تک ہوگی۔

فارحہ کیمرہ لینے کے لیے اندر جا چکی تھی۔ ارباب فارانی نے پوچھا۔

تمہاری یہ رات کچھ کار آمد بھی رہی؟

اگر اسے کار آمد نہ کہا جا سکے تو بھی میں اسے بے کار تو بہرحال نہیں کہہ سکتا۔

نتیجہ کیا نکلا؟

خاصی باتیں ہیں میں نے بتانا شروع کیں تو مجھے دیر ہو جائے گی۔ فارحہ سے آپ کو سب کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔ کیا خسرو ابھی نہیں جاگا۔

وہ کبھی بھی سحر خیز نہیں رہا۔

فارحہ کیمرہ لے آئی تو زماں نے وہ اس سے لے کر اپنے شانے سے لٹکایا اور رخصت ہو گیا۔

(جاری ہے)



میں نے دیکھا کہ رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے گوشت غائب ہونا شروع ہو گیا ہے اور چند ہی لمحے بعد میرے سامنے ایک ایسا چہرہ تھا جسے دیکھ کر میری چیخ نکل گئی

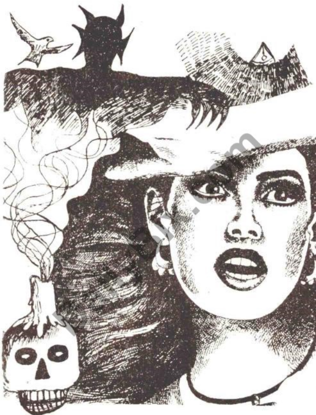
ہاں تم مر چکے ہو......؟

...... مس کرن

کبھی کبھی نہ معلوم کیوں یہ جی چاہتا ہے کہ آدمی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور نکل جائے تنہا بالکل تنہا جہاں کوئی اسے پہچاننے والا بھی نہ ہو۔ آج کچھ میری کیفیت بھی ایسی ہی تھی نہ معلوم کیوں جی بوجھل بوجھل سا تھا۔ ہر چند کہ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی جو میری اُداسی کا سبب ہو۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے۔ میں اِدھر سے نکلا اور یوں ہی بے مقصد ایک بس میں بیٹھ گیا۔ صدر آیا تو مجھے کچھ ہوش آیا میں نے سوچا چلو یہیں اُتر لیا جائے مگر یہاں تو کئی جاننے والوں کے ملنے کا امکان ہے پھر...... میں سوچتا رہا بس ریگل کے اسٹاپ تک پہنچ چکی تھی۔ میں اُترنے لگا بابو جی! ٹکٹ کنڈیکٹر کی آواز سنائی دی۔

ارے ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا یہ کہہ کر میں نے جلدی سے ٹکٹ کے پیسے کنڈیکٹر کے ہاتھ پر رکھے اور تیزی سے اُتر گیا۔ میں دانستہ کیفے ٹیریا والی فٹ پاتھ سے تیز تیز گزر رہا تھا کہ کہیں کوئی واقف کار نہ مل جائے۔ میں کیفے ٹیریا کے برابر والی گلی میں گھس



گیا۔ اور مسجد خضرا کے سامنے سے ہوتا ہوا مینگل روڈ کی طرف نکل گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت یہ علاقہ شور غل سے پاک ہوگا اور اس وقت میں کسی ایسی ہی جگہ کی تلاش میں تھا میں نے اپنی منزل متعین کر لی تھی۔ میں پولو گراؤنڈ کی طرف جانا چاہتا تھا اس وقت وہاں اکا دکا کار گزرنے کے علاوہ قطعی سکون تھا میں اب پریزیڈنٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ چکا تھا اس وقت یہاں سناٹا تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے یہاں پہنچ کر کچھ خوف سا محسوس ہوا میں اس سڑک پر بالکل تنہا تھا۔ میں نہ جانے کیوں اپنے پیروں کی چاپ ہی سے بار بار چونک پڑتا تھا۔ میری کیفیت اس وقت کچھ عجیب سی تھی۔ دل چاہا کہ فوراً گھر لوٹ جاؤں۔ آخر یہ وحشت کیا میں خوامخواہ اتنی رات گئے یہاں تنہا بھٹک رہا ہوں اور وہ بھی بے مقصد میں نے سوچا اور ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ کسی نے اچانک پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں ایک دم اُچھل پڑا پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پہلی نظر میں اسے دیکھ کر مجھے یقین ہی نہ آیا کہ وہ ایلن تھا۔ میرا ایک دیسی عیسائی دوست۔ یہاں یہ کہاں سے آ گیا۔ میں نے سوچا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ بول پڑا۔

''کیوں! پہچانے نہیں؟''

اس کی آواز میں ایک عجیب سوئی سوئی سی کیفیت تھی جیسے وہ نیند میں بول رہا ہو۔ میں نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''میں تمہیں اچھی طرح پہچان گیا ہوں ایلن..... مگر..... مگر میں کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔''

ہاں! ہاں کہو! وہ بولا تم غالباً یہی کہنا چاہتے ہو کہ میں اتنے عرصے کہاں رہا.....؟ کیوں؟ اس نے پوچھا۔

''ہاں بات تو یہی ہے تم شائد آج پورے پانچ سال بعد نظر آئے ہو آخر تھے کہاں.....؟''

یہ ایک لمبی کہانی ہے اور تم تو جانتے ہو کہ میں لمبی باتیں صرف شراب کی میز پر کرتا ہوں۔ کیوں کیا خیال ہے۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

ہوں! تو ابھی تمہاری عادتیں نہیں بدلیں۔ میں نے کہا۔ مگر پیارے میں تو شراب قطعی ترک کر چکا ہوں بہر حال تم اتنے دن بعد ملے ہو تو اس خوشی میں صرف تمہارا ساتھ ضرور دے سکتا ہوں۔ وہ بھی بیٹھنے کی حد تک میں عہد کر چکا ہوں کہ اب کبھی شراب نہیں پیوؤں گا۔

ٹھیک ہے تم نہ پینا۔ تم پہلے بھی کون سی اتنی پیتے تھے آؤ چلیں۔ شائد سرتاج اب تک کھلا ہو۔ اور تم تو وہاں کے مستقل گاہک تھے کسی زمانے میں اگر بند بھی ہوگا تو تمہارے لیے دروازہ کھل ہی جائے گا۔ اس کی ان باتوں نے مجھے میرے ماضی میں دھکیل دیا۔ اور نہ جانے ہم نے کب ٹیکسی کی اور کب ہم دونوں اس میں بیٹھ کر چل دیے۔

ایلن اور میں کسی زمانے میں ہم پیالہ ہم نوالہ تھے اب سے پانچ سال پہلے وہ اچانک غائب ہو گیا تھا کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے وہ جیکب لائن میں رہتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی نے اس کے بوڑھے ماں باپ کو نڈھال کر دیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی تلاش میں اس کے گھر آتا جاتا رہا مگر جب اس کی

طرف سے قطعی نا اُمید ہو گیا تو میں نے صبر کر لیا۔ وہ ایک اچھا اور وفادار دوست تھا۔ مجھ سے اس کا کوئی راز چھپا ہوا نہیں تھا اور وہ بھی میرے ہر راز سے آگاہ تھا۔ اس کے غائب ہونے سے پہلے میرے علم میں تھا ایک لڑکی سے اس کا معاشقہ چل رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ وہ خودکشی کر لیتا یا شہر ہی چھوڑ جاتا۔ مجھے اس کے غائب ہونے کے بعد پہلے پہل یہی گمان ہوا تھا مگر بعد میں خود ہی میں نے اپنے اس خیال کی تردید کر دی تھی اس لیے کہ مجھے وہ اپنے عشق میں اتنا سنجیدہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے جب بھی اس لڑکی کا تذکرہ کیا بس یونہی ہی سا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ اس کے بغیر وہ زندہ...... آج پانچ سال بعد میرے اس خیال کی تائید ہو گئی تھی نہ معلوم مجھے کیوں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے اور وہ واقعی زندہ تھا اس کا ثبوت یہ کہ وہ اس وقت میرے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔

ٹیکسی ایک جھٹکے کے ساتھ رُکی اور میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ اُترو! وہ بولا۔ اور میں بے خیالی میں ٹیکسی سے اُترتے اُترتے بولا بہت جلدی آگئے اس کے بعد میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا ہم دونوں جلدی جلدی سرتاج کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے میں ایک طویل عرصے کے بعد یہاں آیا تھا لیکن چند پرانے بیروں کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر سمجھ گیا کہ مجھے پہچان لیا گیا ہے۔ ہم نے ایک میز کا انتخاب کیا اور بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی بیرا آگیا۔ جی صاحب! کیوں بھئی کیا پیو گے؟ کیرو چلے گی یا جینا۔ جیب میں ذرا پیسے کم ہیں ورنہ اسکاچ چلتی بہر حال بولو۔ اس نے میری بات سن کر کہا۔

''جو چاہے منگالو۔''

بیرا منتظر تھا۔ اس نے پھر مجھ سے پوچھا۔

''ہاں صاحب کیا لاؤں؟''

ایسا کرو کہ ایک بوتل کیرو وہسکی لے آؤ۔ بیرا آرڈر لے کر چلا گیا تو میں نے ایلین کو مخاطب کر کے کہا۔

''ہاں بھئی اب شروع ہو جاؤ۔''

پہلے شراب تو پینے دو۔ اس نے جواب دیا۔ بیرا شراب کی بوتل اور ایک گلاس رکھ گیا۔ میں نے سوچا کمال ہے۔ بیرے کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں شراب پینا ترک کر چکا ہوں ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ میں اتنے عرصے شائد اسی لیے نہیں آسکا کہ شراب ترک کر چکا ہوں۔ میں نے بیرے کو پھر بلایا اور کہا۔

''ایسا کرو کہ میرے لیے ایک سیون اپ لے لاؤ۔''

وہ میری بات سن کر بولا۔

''تو سوڈا واپس لے جاؤں۔''

نہیں...... نہیں سوڈا یہیں رہنے دو سیون اپ لے آؤ۔ میں نے کہا۔

بہتر ہے بیرا واپس چلا گیا اور کچھ دیر بعد ہی جب سیون اپ لے آیا تو میں نے اسے گلاس اور لانے کے لیے کہا۔ جب گلاس بھی آگیا تو میں نے اپنے آگے سیون اپ گلاس میں انڈیل لی اور خود اپنے ہاتھ سے ایلین کے لیے پیگ بنانے لگا۔ پیگ بنا کر میں نے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ لو پیو! میں

بھی تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ مگر میں سیون اپ پیوں گا۔ یہ پورا پیگ تمہیں پینا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ تمہارے لیے زیادہ نہیں کیوں......؟ میں نے ایلن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں نے اپنا گلاس اُٹھایا اور اسے سپ کر کے رکھ دیا اس نے بھی ایک ہلکی سی چسکی لے کر اپنا گلاس میز پر رکھ دیا۔ تمہاری مسلسل خاموشی اب کھلنے لگی ہے اب بولو نہ...... میں نے کہا۔

ہاں میں تمہیں یہی وعدہ کر کے ساتھ لایا ہوں کہ تمہیں اپنی پانچ سالہ غیر موجودگی کے بارے میں بتاؤں۔ ہاں تو سنو! یہ تو تمہارے علم میں ہی تھا کہ اب سے پانچ سال پہلے میرا ایک لڑکی کے ساتھ عشق تھا اور شائد تمہیں یہ بھی یاد ہو کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں مذہب پر یوں بھی اعتقاد نہیں رکھتا اس لیے مجھے اپنا مذہب تبدیل کر دینے میں بھی کوئی تامل نہیں اس لیے اگر میری محبوبہ کے والدین نے یہ شرط لگائی کہ مجھے مسلمان ہونا پڑے گا تو میں ہو جاؤں گا۔ اور پھر میں نے نگہت کے کہنے پر اپنا مذہب تبدیل کر لیا اور اپنی تمام عادتیں ترک کر دیں اس لیے کہ اس کی شادی مجھ جیسے آوارہ منش سے نہ کر دیں۔ لیکن وہ ہر قیمت پر مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی مجھے اس کے عشق کی صداقت کا اندازہ اس وقت ہوا جب اس نے یہ پیشکش کی کہ۔

''ہم دونوں کہیں کسی اور شہر میں جا کر شادی کر لیں اور وہیں رہنے لگیں۔''

مجھے اس سے اتنی اُمید نہیں تھی کہ وہ میرے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے کہ اپنے والدین تک کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گی میرے دل پر اس کی بات نے بہت اثر کیا۔ اور اس اثر کا نتیجہ جلد ہی ظاہر ہو گیا میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسے لے کر کسی اور شہر چلا جاؤں۔ لیکن میری راہ میں اگر زکاوٹ ہے۔ تو میرے بوڑھے ماں باپ جن کے بڑھاپے کا واحد سہارا صرف میں تھا۔ میرے ارادے میں کچھ لغزش پیدا ہوئی مگر جب میں نے ایک لڑکی کی ہمت کا مقابلہ اپنے آپ سے کیا تو مجھے خود اپنے وجود سے شرم سی محسوس ہوئی میں نے سوچا کہ اگر وہ میرے لیے سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہے تو میں کیوں اس بزدلی کا ثبوت دوں۔

اور پھر ایک رات میں اور وہ چپکے سے اس شہر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ میں اسے لے کر لاہور چلا گیا وہاں جا کر سب سے پہلے میں نے ملازمت کی کوشش کی جس میں اتفاق سے بہت جلد کامیاب ہو گیا۔ پھر سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تھا کہ نجمہ سے شادی کر لی۔ اس کا اصل نام نگہت تھا مگر میں نے احتیاط کے طور پر اس کا نام بدل دیا اور اب میں بھی ایلن کی بجائے مختار بن چکا تھا۔

لیکن ابھی ہماری شادی کو مشکل سے تین مہینے ہی گزرے تھے کہ ایک حادثے نے میری زندگی تہہ و بالا کر دی نجمہ ہر روز دفتر جاتے وقت زینے تک مجھے الوداع کہنے آتی تھی۔ میں اب اسے دل و جان سے چاہنے لگا ہم دونوں نے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کا عہد کیا تھا۔ میں نے جیسا کہ تمہیں ابھی بتایا کہ وہ دفتر جاتے وقت ہر روز مجھے زینے تک چھوڑنے آتی تھی۔ تو وہ ایک ایسا ہی بدنصیب دن تھا۔ میں نے جاتے جاتے اسے آواز دی کہ نجمہ میں دفتر جا رہا ہوں۔ وہ

اس وقت کچن میں تھی میری آواز سن کر وہ فوراً کچن سے نکلی ۔ میں زینے تک پہنچ چکا تھا ۔ وہ تیز تیز میری طرف بڑھی اس کا الوداعی سلام ہر روز مجھے دن بھر کام کرنے کے لیے تازہ دم رکھتا تھا ۔ وہ اس وقت نیلی ساڑھی میں بہت حسین لگ رہی تھی ۔ وہ جلدی سے زینے کی طرف بڑھی ۔ اچانک اس کا پیر ساڑھی میں اُلجھ گیا اور وہ اُوندے منہ زینے پر سے لڑھکتی ہوئی نیچے جا گری یہ سب کچھ صرف چند لمحوں میں ہو گیا میں تیزی سے زینہ اُترتا ہوا اس تک پہنچا اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا ۔ میں نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور گلوگیر آواز میں بولا ۔

''یہ کیا ہوا نگہت......؟ یہ...... یہ...... یہ میری آواز بھرا گئی اس کی آنکھیں بند تھیں ۔''

اس نے میری آواز سن کر ایک نظر میری طرف دیکھا مسکرائی اور بہت نحیف سی آواز میں بولی ۔

''میری جان میں دوسری دنیا میں تمہارا انتظار کرونگی ۔''

نہیں...... نہیں نگہت ہم نے تو ساتھ جینے ساتھ مرنے کا عہد کیا تھا مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ ۔

نگہت...... نگہت...... نگ...... نگ...... ن

اس کا سر ایک طرف ڈھلک چکا تھا ۔ وہ مر چکی تھی ۔ نگہت مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی ۔ میرے کانوں میں اس کے آخری الفاظ گونج رہے تھے ۔

میری جان ! میں دوسری دنیا میں تمہارا انتظار کرونگی ۔ انتظار کرونگی ۔ میں چیخا نہیں...... نہیں انتظار کرنا پڑے گا ۔ میں آرہا ہوں پھر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس طرح زینے کی سیڑھیوں پر ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی ۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا ۔ میں مر چکا تھا ۔ ایلن کہے جا رہا تھا ۔

کیا...... ؟ میں اُچھل پڑا ۔ کیا تم مر چکے ہو......؟

ہاں میرے دوست میں مر چکا ہوں آج سے پانچ سال پہلے یہ دیکھو میرے سر سے اب تک خون بہہ رہا ہے ۔ اس نے کہا ۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کے سر سے واقعی خون بہہ رہا تھا جس سے اس کا چہرہ بڑا بھیانک نظر آرہا تھا اور پھر میں نے دیکھا کہ رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے گوشت غائب ہونا شروع ہو گیا ۔ اور چند لمحے ہی میں میرے سامنے ایک ایسا چہرہ تھا جس پر برائے نام بھی گوشت نہیں تھا وہاں صرف ہڈیاں تھیں لیکن کھوپڑی سے اب بھی خون بہہ رہا تھا ۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ اور اس کے ساتھ ہی میری منہ سے چیخ نکل گئی اور میں بے ہوش ہو گیا ۔ جب مجھے ہوش آیا تو میرے چاروں طرف بار کے بیرے کھڑے تھے ۔ انہوں نے غالباً مجھے ہوش میں لانے کے لیے میرے منہ پر پانی کے چھینٹے بھی مارے تھے اس لیے کہ مجھے اپنا چہرہ بھیگا ہوا محسوس ہو رہا تھا میں کچھ دیر حیرت سے ان سب کو دیکھتا رہا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ان میں سے ایک بیرا بولا ۔

''کیا ہوا صاحب ! آپ تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے سے یہاں اکیلے بیٹھے تھے ۔ آپ نے شراب بھی نہیں پی پھر بھی ایک دم چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے آپ کو کیا ہو گیا تھا ۔ صاحب......؟''

پراسرار حویلی

تحریر……واجد نگینوی

نصف شب سے زیادہ گزر چکی ہوگی۔ اس وقت ویسے بھی شاہراہوں کو سنسان ہونا چاہئے تھا۔ وہ بھی سردیوں کی شب جبکہ شاہراہیں سرشام ہی راہگیروں سے محروم ہو جاتی ہیں تو پھر بھلا کسی مائی کے لال میں اتنی سکت کہاں کہ ان ویران شاہراہوں پر لیفٹ رائیٹ کر سکے۔ عام لوگوں کی تو خیر بات اور ہی ہے ان کے محافظ یعنی کہ پہرے دار پولیس مین تک کسی سائبان یا آڑ کی جگہ میں کھڑے ہوکر بیڑی یا سگریٹ پینے کا شغل کرنے لگتے ہیں۔

انڈیا کے صوبے یوپی کے ضلع بجنور کے مشہور شہر نگینہ کے باہر شمال کی سمت کو جانے والی شاہراہ نقوی نگینہ شہر کے لئے ایک حدود کا کام کرتی تھی۔ جس کے ایک طرف آبادی تھی اور دوسری طرف کھیتوں کا پھیلا ہوا ایک لامتناہی سلسلہ نگینہ کے نواب سید زاہد حسین نقوی کے نام سے یہ شاہراہ منسوب تھی اس شاہراہ کا زیادہ تر استعمال لکڑی کے گھٹنے چیر کے تختے بنانے والا سرکاری کارخانہ کرتا تھا۔ جس کے ٹرک جرھاپور کے جنگلات سے لکڑیاں بھر کر لاتے تھے۔ اس کے بعد اس کا فائدہ قرب وجوار کے دیہاتیوں کو تھا جو کہ اپنی بیل گاڑیوں میں گنا' اناج' غلہ یا دیگر اشیاء لاکر نگینہ شہر لاتے۔ اس کے علاوہ شہری بھی اکا دکا نظر آجاتے تھے لیکن خاص بات یہ تھی کہ شاہراہ کا استعمال زیادہ تر دن ہی کو ہوتا تھا البتہ رات کو جنگلی گیدڑ ضرور چہل قدمی کر لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی موڈ میں آکر غضب کی آوازیں نکالتے کہ سوتے ہوئے۔ بچے چونک کر اپنی ماؤں کی چھاتیوں سے چمٹ جاتے اور بڑے نیند میں لاحول ولاقوۃ کہنے لگتے۔

گیدڑوں کی ان سُریلی تانوں کا اثر نہ صرف انسانوں ہی پر ہوتا بلکہ شہر کے آوارہ کتے بھی ان سُریلی تانوں کا جواب دیتے اور اس وقت ان موسیقاروں کو ایباؤٹ ٹرن ہو کر کوئیک مارچ کہنے کے علاوہ اپنے بچاؤ کے لئے کوئی صورت نظر نہ آتی اور تب یہ حقیقت تان سین کے ان پرستاروں پر عیاں ہو جاتی کہ ''جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے۔''

آج صبح سے یہ سڑک خالی خالی تھی جس کی خاص وجہ کارخانے کی چھٹی بھی تھی جو اتوار کو بند ہوتا تھا۔ میونسپل کارپوریشن نے نہ جانے کس مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں تک آبادی تھی بجلی کے کھمبے نصب کرا دیئے تھے۔ سڑک کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے بجلی کے بلب قمقموں کا ایک ایسا ہار معلوم دیتے جن کی ایک لڑی ٹوٹ گئی ہو۔

بجلی کی روشنی میں شاہراہ بڑی پراسرار نظر آرہی تھی۔ حسب معمول آج بھی شاہراہ پر آمد ورفت ہونے لگی کہ اچانک ایک کار کی ہیڈ لائٹس سڑک پر



پھیلنے سے گیدڑوں میں انتشار پیدا ہو گیا اور شاید یہ ان کے لئے پہلا اتفاق تھا کہ اتنی رات بیتنے کے بعد بھی ان کو اس تجربے سے دوچار ہونا پڑا۔

کار کی آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی سڑک کے دائیں اور بائیں بھی کچھ فاصلے تک کھیتوں میں پڑ رہی تھی۔ اندھیرے کے باسیوں نے قریب کی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ ہی میں پناہ لینے میں عافیت

سمجھتی اور چند ہی منٹوں میں کار فراٹے بھرتی ہوئی نکل گئی۔ اب شاید بیچارے گیدڑ جھاڑیوں سے باہر آنے کے لئے سوچ ہی رہے تھے۔

کہ فوراً ہی ایک دوسری کار کی ہیڈ لائٹس کو دیکھ کر ان کو اپنا ارادہ کچھ دیر کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ پھر ایک نہ شد دو شد بلکہ تین گاڑیوں کے گزرنے تک انہیں صبر سے کام لینا پڑا۔ تیسری گاڑی کے گزرنے پر گیدڑوں میں ایک عجیب سراسیمگی کی حالت پیدا ہو گئی اور تینوں گاڑیوں کے گزرنے کے بعد بھاگتے ہوئے گیدڑوں کا رخ نہ جانے کیوں شاہراہ کے بجائے کھیتوں کی طرف ہو گیا تھا۔ گنی کی شہری آبادی سے گزر جانے کے بعد اچانک پہلی کار کا تعاقب کرنے والی دوسری کار کی دائیں جانب کی کھڑکی سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور لگاتار دو تین فائر اگلی کار پر ہوئے۔

باغات میں سے پھڑ پھڑا کر کچھ پرندے شور مچا کر اپنی جگہ سے اڑ گئے ممکن ہے کہ فائر کرنے والے کا ارادہ اگلی کار کے پہیوں کو بے کار کرنا رہا ہو لیکن کاروں کی اس برق رفتاری کی وجہ سے فائر کرنے والے کو بڑی مایوسی رہی اور اس کی اس ناکامیابی کا منہ چڑانے کے لئے پہلی کار میں سے جوابی فائر ہونے لگے اور ایک بار تو بڑی خیریت یہ ہوئی کہ ایک گولی دوسری کار کے بائیں طرف کا ونڈ اسکرین توڑتی ہوئی کار کے بیک میں جا مد ہو گئی۔

اگر تعاقب کرنے والی کار کے ڈرائیور نے اپنی گردن فوراً نیچے کی طرف نہ جھکائی ہوتی تو گولی سے شیشہ ضرور اس کی آنکھوں کو نشانہ بنالیتا۔

ان لگاتار فائروں کی وجہ سے جنگل کے درندوں اور پرندوں نے اپنے شور سے ماحول کو بڑا خطرناک اور ہیبت ناک بنا دیا اور اس شور و غل میں کاروں کے چلنے کی گڑگڑاہٹ دب کر رہ گئی۔ اب تک کے رویئے سے صاف ظاہر تھا کہ کار والوں کو اپنے پیچھے آنے والی تیسری کار سے کوئی خدشہ نہ تھا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی اپنی ہی کار رہی ہو گی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان کا بس ہوتا تو وہ کاروں کو کچھ اور تیز چلاتے۔ کاروں کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا کہ اچانک تعاقب کرنے والوں کے منہ سے ایک بھیانک خوفناک چیخ نکل گئی۔

اگلی کار الٹ گئی تھی۔ کار کے انجن کے زیادہ گرم ہو جانے کی وجہ سے کار میں آگ لگ گئی اور ذرا ہی دیر میں شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اگر تعاقب کرنے والے کی کار نے ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا ہوتا تو ان کا بھی یہی حشر ہوتا۔

تیسری کار تو کچھ فاصلے پر تھی۔ جسے بریک لگانے میں اچھا خاصا موقع ملا۔ دوسری کار والوں نے تھکے ہوئے کھلاڑیوں کی طرح کار کا گیٹ کھولا اور جلتی ہوئی کار کو عجیب انداز سے دیکھتے ہوئے پاس کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ کچھ ہی دیر میں تیسری کار میں بیٹھے ہوئے افراد بھی ان میں شامل ہو گئے۔

اس غیر متوقع حادثے نے ان سب کو دماغی طور پر مفلوج کر دیا۔ ان پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ ان میں سے کچھ بجھے بجھے دل اور نڈھال جسموں سے ٹیلے پر مخمل کی طرح اُگی ہوئی گھاس پر لیٹ گئے اور کچھ بیٹھ کر شعلہ زار کا تماشا دیکھنے لگے۔ لیکن اداسی سب کے چہروں سے عیاں تھی۔ البتہ ٹیلے پر صرف

ایک سڈول جسم کا ایک نوجوان ضرور ایسا کھڑا تھا۔ جس کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

انسپکٹر واجد تبدیل ہو کر جب نگینہ شہر پہنچا تو اجنبی شہر میں سب سے زیادہ پریشانی کا باعث اس کے لئے رہائش کا مسئلہ بن گیا جو کسی طرح دردِ سر سے کم نہ تھا۔ حالانکہ نگینہ شہر کا شمار کسی پہلو سے بھی ملک کے صف اول کے شہروں میں نہیں کہا جا سکتا نہ صنعتی اعتبار سے اور نہ تجارتی اعتبار سے ہی۔

نگینہ شہر کی آبادی صرف پچاس ہزار نفوس ہونے پر بھی یہاں مکانوں کی انتہائی قلت تھی جس کی سب سے اہم وجہ وہ مہاجرین تھے جنہوں نے سرکار ہند سے اپنے معاوضہ کا نقد روپیہ نہ ملنے کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے کسٹوڈین Custodiam محکمے میں آئے ہوئے مکانات کو ہی لینا غنیمت سمجھا اور ادھر ادھر ویرانوں میں کچھ خستہ حالت میں مکانات رہ گئے تھے تو ان بیچارے پناہ گزینوں نے جس کے پاس کسی وجہ سے اپنی چھوڑی ہوئی جائیداد کا مکمل ثبوت Complete Proof نہیں تھا۔ خانہ بدوشی کی حالت میں بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی کے مصداق اسی کو مال غنیمت جانا۔

واجد سی' آئی ڈی انسپکٹر تھا اور ابھی تک کنوارا تھا لے دے کے صرف ایک ضعیف ماں سیدہ کنیز نقوی زوجہ سید زاہد حسین نقوی تھی اور ایک بوڑھی خادمہ زلیخا گھر میں تھیں۔ بڑی ہمشیر سیدہ اقبال فاطمہ قصبہ منڈاور ضلع بجنور یوپی انڈیا کے گنے سوسائٹی کے سپر وائزر اور زمیندار سید ناظر علی ترمذی کے صاحبزادے سید قیصر علی ترمذی کے ڈی اے ملازم کے ہمراہ محلّہ شاہ ولائت سے ملیر کالونی کراچی جا چکی تھی اور بڑی ہمشیرہ سے چھوٹے بھائی سید ساجد حسین نقوی آفیسر کراچی اسٹیل مل بھی پاکستان ہجرت کر چکے تھے۔ جہاں ان کی بیگم شہنشائی عرف بنّو اپنے بچوں شہناز رعنا' شہوار' شانی اور سبطین' حسنین کے ساتھ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی لمبی چوڑی گرہستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انسپکٹر واجد بڑا ذہین اور دلیر واقع ہوا تھا۔ خفیہ پولیس کی ملازمت کا اسے بچپن ہی سے بڑا شوق تھا۔ اس شوق میں کافی حد تک دخل ان جاسوسی کتابوں کو رہا ہے۔ جو امتحان کی راتوں میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں لیکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود بھی مقابلے کے امتحان میں کامیابی نظر نہ آئی تو صرف اپنے شوق کی تسکین کے لئے معمولی انگروٹ ہونے پر ہی اکتفا کیا لیکن جذبے کی لگن اور معاملہ فہم ہونے کے باعث چند سالوں ہی میں ترقی کر کے انسپکٹر کے عہدے تک آ پہنچا۔

والدہ سیدہ کنیز مجتبیٰ دختر اللہ بچائی کے اصرار پر علی منزل' حکیماں غوث پاس روڈ کورنگی نمبر 4 کراچی کی رہائشی ناظمہ بیگم سے شادی کر لی۔

انسپکٹر واجد کی پریشانیوں سے متاثر ہو کر کوتوالی انچارج نے ایک مقامی زمیندار سید قاسم حسین زیدی سے اس کا تعارف کرایا اور زمیندار صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے مکان یعنی حویلی کا بالائی حصہ جو ایک عرصہ سے مقفل تھا انسپکٹر واجد کو وہاں کسی مصلحت کو سوچتے ہوئے دیدیں اور زمیندار سید قاسم حسین زیدی صاحب بھی جلد ہی تیار ہو گئے اور وہ بھی بغیر کسی کرائے کے اس قدر آسانی سے رہائش کا

بندوبست ہو جانے پر انسپکٹر واجد کو تعجب بھی ہوا اور ایک طرح سے خوشی بھی کہ بغیر کرائے کے آرام دہ Comfortable مکان مل گیا۔

مکان کیا تھا اچھا خاصہ قلعہ Fort تھا جس نے کم از کم کئی فرلانگ کے قریب جگہ گھیر رکھی تھی۔ اس کی فصیلوں پر قدیم شاہی قلعوں کی طرح سنگینوں کے لئے سوراخ اور کہیں کہیں توپوں کے دہانے سے بنے ہوئے تھے اور یہ حقیقت بھی تھی کہ یہ سوراخ فصیلوں میں اس خوبصورتی سے بنائے گئے تھے کہ عمارت کی بنیاد سے لے کر دور حد نگاہ تک دشمن کی فوجوں Soldiers of enemy کو گولی Bullet کا نشانہ Victom بڑی اچھی طرح بنایا جا سکتا تھا اور لطف یہ کہ دشمن اندرون خانہ بیٹھے ہوئے انسانوں یا سنگینوں کا جائزہ تک نہیں لے سکتا تھا۔

عمارت سے تاریخی روایات وابستہ تھیں کہتے ہیں کہ 1857ء کی جنگ آزادی War of freedom سے قبل یہ ماڑے خان کا فوجی قلعہ تھا لیکن شکست ہونے پر انگریزوں کے ہاتھ لگا اور انگریزوں نے اس کا کوئی اور مصرف نہ دیکھ کر اس میں سرکاری شفاخانہ کھول دیا۔ جو شہر سے کچھ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے زیادہ کامیابی سے نہ چل سکا اور مجبور ہو کر سرکار نے موجودہ زمیندار کے بزرگوں کو فروخت کر دیا لیکن شفاخانہ قائم ہونے کی وجہ سے یہ عمارت پرانا اسپتال کے نام سے موسوم ہو گئی پرانا اسپتال کی تاریخی روایات نے اتنی شہرت نہ پائی تھی جتنی کہ ان کے واقعات نے جو اسپتال ختم ہونے پر رونما ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں جاگیردار صاحب کے ملازمین اور اس کے بعد میں متفرق حضرات جنہوں نے بھی اس عمارت کے بالائی حصے میں سکونت اختیار کی یا تو صبح کو مردہ حالت میں پائے گئے یا نیم پاگل ہو کر عمارت میں رہائش ترک کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان حالات نے عمارت کو آسیب زدہ قرار دے دیا اور آنے جانے والے راہگیر رات تو رات دن کو بھی پاس سے گزرتے ہوئے جھجکنے لگے تھے۔

پرانا اسپتال کی عمارت کی طرح اس کے عقب میں بنا ہوا مقبرہ بھی نمایاں خصوصیات کا حامل تھا۔ جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس عمارت کے تعمیر ہونے سے پہلے یہاں کسی جلالی پیر کا مزار تھا لوگوں میں اس کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات تھے۔

پرانے اسپتال کی بالائی منزل میں ہونے والے واقعات کے متعلق روائتیں تھیں۔ کچھ آدمیوں کا خیال تھا کہ ان حادثات کی وجہ جلالی پیر جی کی بے ادبی واقع ہوتا ہے اور دوسرے خیالات اس سے متفرق تھے ان کا کہنا تھا کہ پیر جی کا اس میں کوئی قصور نہیں وہ بزرگ بھلا کیوں کسی کو ستانے لگے۔ یہ تو صرف ان غلیظ روحوں کی شرارت ہے۔ جنہوں نے اسپتال میں زیر علاج انسانوں کی موت واقع ہو جانے کی وجہ سے اسپتال کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ کیونکہ ایک عرصے تک بالائی منزل میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لئے یہ غلیظ روحیں مستقل طور پر اس مقام پر رہنے لگیں۔

پرانا اسپتال کے قرب و جوار میں جو دہقانوں کے کھیت تھے۔ وہ پیر جی کو خوش کرنے اور اپنے بیوی بچوں کو جو کہ سختی سے منع کرنے کے باوجود بھی وقت بے وقت وہاں آ نکلتے۔ پیر جی کے عتاب

ے بچانے کے لئے ہر جمعرات کو چراغ جلاتا اور سال کے سال مزار پر چونا سفیدی کرنا نہیں بھولتے تھے۔

ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی کبھی نہ کبھی پیر جی کا عتاب نازل ہوتا ہی رہتا تھا۔ جو اس صورت میں ہوتا کہ ہل چلاتے چلاتے اکا دکا کوئی کسان اچانک پراسرار طور پر بے ہوش ہو جاتا اور ہوش میں آ جانے پر بہکی بہکی باتیں کرتا اور ایسا واقع ہو جانے پر پیر جی کی نیاز کرانی پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر پیر جی کا جلال حادثہ زدہ کسان پر سے کم ہوتا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو بھی پرانا اسپتال میں منتقل ہوتے وقت مختلف کہانیاں مختلف حضرات کی زبان سننی پڑیں۔

اور دبے دبے لفظوں میں اس عمارت میں رہائش نہ کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا لیکن سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کے خیال میں یہ تمام کہانیاں بے بنیاد اور من گھڑت ہونے کے علاوہ توہمات پر مبنی تھیں۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو پہلی ہی ملاقات میں اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ زمیندار سید قاسم حسین زیدی صاحب طبیعت اور مزاج کے ذرا چڑ چڑے واقع ہوئے تھے۔ شاید ان کے اس چڑ چڑے پن میں زمینداری کے خاتمے Abolation of Land کا دخل رہا ہو لیکن دل کے بہت صاف گو واقع ہوئے تھے اور خاص طور پر یہ رویہ بھی زمیندار سید قاسم حسین زیدی صاحب کا ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا جو زمین کی ضبطی سے قبل ان کی رعیت خیال کئے جاتے تھے لیکن اب آئے دن ان کی زمینوں اور بچے کھچے مکانات کو ہتھیاتے رہتے تھے۔

نواب صاحب کی عمر اگرچہ پچاس پچپن سال کے لگ بھگ تھی لیکن ان کا سب سے بڑا لڑکا اسد ابھی صرف دس سال کا تھا اور اس سے تین اور چھوٹے قیصر' انور' اور ببلو تھے۔ شروع میں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کا خیال تھا کہ شاید اس کی وجہ پہلی بیوی سے اولاد نہ ہونے پر دوسری یا تیسری شادی رہی ہو لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب نے شادی تو ایک ہی کی ہے۔ لیکن اولاد جیسی نعمت شادی کے پندرہ سولہ سال گزرنے پر حاصل ہوئی۔

نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کو وہ دن ابھی تک اچھی طرح سے یاد تھا جس دن ان کے یہاں پہلا لڑکا اسد پیدا ہوا اور شائد اتنی زیادہ خوشی ان کو زندگی بھر میں بھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے اس دن کی خوشی میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا تھا۔ بالکل پانی کی طرح اور پھر تو قدرت ان پر اس درجہ مہربان ہوئی کہ ایک کی جگہ چار لڑکوں کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوئیں۔

پرانے اسپتال کا بالائی حصہ دو بڑے کمروں اور تین چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں پر مشتمل تھا جو سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی ضروریات کے لئے کافی تھا۔ ہال کمرے میں دیواروں پر ہرنوں کے سینگ اور شیر کی تصاویر Hunting Picture آویزاں تھیں جن سے اب بھی نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کے جاگیرداری کے وقت کی شان و شوکت اور رعونت ٹپکتی تھی۔ کمرے میں کچھ پرانی الماریاں اور میزیں بھی موجود تھیں۔ میزوں پر میز پوش کی بجائے شیروں Lions کی کھالوں کو جگہ دی گئی

تھی۔

بڑے کمرہ کے ہال کی ان میزوں پر نیم خستہ حالت میں تمام طبلے وغیرہ گرد آلود رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کے فرش پر چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ چاندنی کے کچھ حصے کو قالین Carpet نے چھپا رکھا تھا۔ پہلی ہی نظر میں کمرے کا جائزہ لینے سے یہ اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ کہ یہ کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا اور کیا جاتا رہا ہوگا اور ساز وسوز کی محفلیں یہیں گرم ہوتی ہوں گی۔ اس ہال کمرے میں سب سے خاص بات یہ تھی کہ اس کے وسط میں تین کھڑکیاں تھیں جو صدر دروازے Main gate کے اوپر کھلتی تھیں اور دن کے وقت ہوا اور روشنی کا واحد ذریعہ تھیں۔

یوں تو ہال کمرے میں تین دروازے بھی موجود تھے لیکن سامنے کی چھت پر پتنگ Kite اڑانے یا دوسری شرارتیں کرنے کے خوف سے ان دروازوں کو دن میں بند رکھا جاتا تھا۔

سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ کمرے میں بیٹھا ہوا شخص دور تک کی چیزوں کو صاف طور پر دیکھ سکتا تھا جبکہ اسے خود کو دور تو دور پاس سے بھی بخوبی نہیں دیکھا جا سکتا تھا اور کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے کھلی ہوئی کھڑکیاں تو معلوم دیتی تھیں لیکن اندرونی حصوں میں تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ پڑتا تھا ہال کمرے کے دائیں بائیں دو چھوٹی کوٹھریاں تھیں اور بائیں کوٹھری کی راہداری سے گزرنے پر دوسرا بڑا کمرہ آتا تھا۔ جس میں کھڑکیاں تو نہ تھیں۔

البتہ روشندان اور چار دروازے تھے اور یہ دروازے عمارت کے صحن Lawn کے اوپر ہی ہوئی بالکونی پر کھلتے تھے۔

بالکونی کے اگلے جھکے ہوئے کناروں پر بہت خوبصورتی کے ساتھ بانسوں کی ایک باڑ جالی نما بنائی گئی تھی۔ جس سے بالکونی سے گزرنے یا پھسلنے کا کوئی خدشہ نہیں رہا تھا۔ ہو سکتا ہے نواب سید قاسم حسین صاحب نے اپنے شریر بچوں کے خوف سے یہ احتیاطی تدابیر اختیار کی ہوں۔ اس کمرے کے چاروں دروازے عمارت کے بڑے دالان کے ٹھیک سامنے کھلتے تھے اگر کوئی دروازوں کے پاس کھڑا ہو جائے تو صحن بالکل صاف نظر آتا تھا۔

دوسرے بڑے کمرے سے ملحقہ تیسری چھوٹی کوٹھری تھی۔ اس کے دروازے میں ایک بڑا قفل نصب تھا جو کافی زنگ آلود تھا۔ شائد کہ موجودہ نواب سید قاسم حسین صاحب کے زمانے سے پہلے یہ قفل لگایا گیا تھا اور کوئی خاص ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے اس کے کھولنے کی نوبت پیش نہ آئی تھی۔ البتہ نواب صاحب کا خیال تھا کہ اس کوٹھری میں کچھ باڑے خان کا اور کچھ ان کے بزرگوں کا جنگی اسلحہ ضرور ہوگا۔ اس کوٹھری میں سوائے اس قفل شدہ دروازے کے اور کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ دروازہ پر دھول کی ایک موٹی تہہ جم گئی تھی۔ جس میں مکڑیوں Spiders کے جالوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

- سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے اپنے محکمے کے اردلی کی مدد سے اپنا ہلکا پھلکا سامان اور کچھ رہائشی زیبائشی اشیاء ہال کمرے میں قرینے سے سجائیں اور اسی کو اپنی خواب گاہ بنایا دوسرا متفرق سامان دوسرے بڑے کمرے میں لگوایا۔ غرض یہ کہ دو بڑے کمرے

اور انکے درمیان کی ایک چھوٹی کوٹھری میں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کا کل سامان آ گیا۔ بڑے ہال کے دائیں طرف والی چھوٹی کوٹھری میں نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کی بکھری ہوئی چیزیں یکجا کر دی گئیں اور کوٹھری کی کنڈی لگا دی گئی۔

آج اس نئی حویلی میں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی پہلی شب تھی۔ نیند کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ تھکن کا غلبہ بھی طاری تھا۔ اپنی پرانی عادت کے مطابق سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے جاسوسی ناول Detective Novel اٹھایا اور پڑھتے پڑھتے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اچانک Suddenly کسی کھٹکے کی آواز سے اس کی نیند میں خلل Distubence واقع ہوا۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی اپنے پیشے کی مناسبت سے کافی چوکنا ہو کر سوتا تھا اور کسی ہلکے سے بھی شور یا غیر متوقع بات ہونے پر آنکھ کھل جانے میں اسے مہارت حاصل تھی۔ دوسری بات سب سے اہم یہ تھی کہ اسے اپنے اوپر پورا پورا قابو Control تھا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بغیر کسی کروٹ کے اپنی ادھ کھلی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ چاندنی چاند Moon کی چٹکی ہوئی تھی۔ اور چاند کی مدھم مدھم روشنی Dim Light تینوں کھڑکیوں Windows سے ہو کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔

سب سے پہلے سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی نگاہ اپنی ماہ سیدہ کنیز فخنی پر گئی اور وہاں سے خادمہ زلیخا کو ٹٹولتی ہوئی جو کہ بڑے گہرے گہرے خراٹے لے رہی تھی۔ دائیں کوٹھری تک جا پہنچی۔ سید واجد حسین نقوی سی آئی ڈی انسپکٹر کے تعجب کی انتہا نہ رہی جبکہ انسپکٹر واجد نے دیکھا کہ برابر کی دائیں کوٹھری کی کنڈی گری ہوئی تھی۔ اور اس میں لرزش بھی تھی۔ انسپکٹر واجد کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے دن میں کنڈی لگا دی تھی۔

ابھی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ہلکے ہلکے قدموں کی چاپ Slowly Steping offeet سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بہت محتاط ہو کر CareFull چل رہا ہو۔ اس کے دل میں ایک وہم و شک نے سر ابھارا اور جب واجد کی نظر بے خیالی میں سامنے کے مین دروازوں Main doors پر پڑی جو کہ کھلا ہوا تھا۔ تو واجد کے اس وہم و شک میں پختگی پیدا ہو گئی۔

اور کچھ ہی دیر بعد سنائی دینے والی مدہم آواز میں نقرئی قہقہوں کا اور اضافہ ہو گیا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے ہاتھ بڑھا کر پاس کی چھوٹی میز کے اوپر سے رسٹ واچ Wrist watch اٹھائی۔ تقریباً دو بجے کا عمل ہو گا ہوا میں خنکی پیدا ہو چکی تھی اس گہری خاموشی اور چاندنی نے فضا میں ایک حسین امتزاج پیدا کر دیا تھا اگرچہ ماحول میں ایک بھیانک پن اور ہیبت ناکی چھائی ہوئی تھی لیکن نہ جانے کیوں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد پر تھکن اور سستی سی مسلط تھی۔

اچانک کچھ سوچ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اپنی ٹارچ اٹھائی اور تیزی سے ایک جست میں کوٹھری کے سامنے جا پہنچا۔ اس خوف

سے کہ ماں سیدہ کنیز پنجتنی یا ملازمہ زلیخاں کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ کوٹھڑی کے کواڑوں کو ہلکے سے دھکا دے کر کھول دیا اور ٹارچ کی روشنی میں کوٹھڑی میں پڑی ہوئی بے ترتیب اشیاء کا جائزہ لینا شروع کر دیا Searching the spreading articles وہاں اس قسم کی کوئی بھی علامت نمایاں نہیں تھی جس سے کسی کی موجودگی کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

اچانک کچھ سوچ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی پلٹ پڑا اور ہال کمرے کے زنجیر کھلے ہوئے دروازے سے تیزی سے باہر نکل گیا اب واجد کے اندر سویا ہوا جاسوس بیدار ہو چکا تھا انسپکٹر واجد نے بڑی پھرتی کے ساتھ چھت کا کونا کونا چھان مارا اور حد یہ کہ بالائی منزل کی چھت تک کو دیکھ ڈالا لیکن کہیں کسی قسم کے نشانات یا کسی اور علامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس بھاگ دوڑ میں نیند کا خمار تو کوسوں دور بھاگ چکا تھا۔ لیکن کچھ تھکن اور الجھن کے آثار ضرور چہرے پر نمایاں ہو گئے تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے خود کو اپنے سلوٹیں پڑے ہوئے بستر پر گرا دیا۔ واجد نے سوچا ہو سکتا ہے کہ کسی ضرورت کے تحت ضعیف خادمہ زلیخاں نے کوٹھڑی اور ہال کے دروازے کو کھولا ہو اور پھر کنڈی نہ لگا کر ویسے ہی کواڑ بھیڑ دیئے ہوں اور قدموں نیز نقرئی قہقہوں کی آوازیں سننا محض ایک وہم ہو۔ ہو سکتا ہے بلی کو خواب میں چھیچھڑوں کے مصداق یہ سب کچھ اس کے دماغ کا فتور ہو جو کہ ہر وقت سراغ رسانی میں گرفتار رہتا ہے۔ حالانکہ واجد کا دل اس بات کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہو رہا تھا

لیکن پھر بھی وہ اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دینا چاہ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ اس کے دماغ Mind پر اس حویلی کے بارے سنی سنائی باتوں کا غلبہ ہو گیا ہو اور کسی بلی یا چوہے کے آوارہ گردی کرنے کی وجہ سے اس کی نیند میں خلل واقع ہو گیا ہو اور یہ کرشمہ صرف بلی اور چوہے کا ہی مرہون منت ہو جس کو لاشعوری طور پر اس کے دماغ نے قدموں کی چاپ اور نقرئی قہقہوں کی آواز میں تبدیل کر دیا ہو اور...... اور نہ جانے کب اس کی آنکھیں پھر لگ گئی۔

''آپ سے کوئی صاحب ملنا چاہتے ہیں'' نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کے ملازم عزیز نے سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو اطلاع دی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد ابھی ناشتے Break fast کے لئے تیار ہی ہوا تھا۔ واجد نے کھڑکی کے باہر جھانک کر سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو کھڑے دیکھا۔

''اوپر بھیج دو'' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے پلٹ کر ملازم عزیز کو جواب دیا اور چند منٹوں میں سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے سامنے موجود تھا۔

''ہیلو مسٹر ساجد نقوی'' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے گرم جوشی سے سارجنٹ ساجد کا استقبال کیا۔

اور پہلی ہی ملاقات میں سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو اپنے نئے سی آئی ڈی انسپکٹر صاحب کی اس بے تکلفی کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا۔

کہ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی سوائے ڈیوٹی ٹائم کے نجی اوقات

Personal affairs میں اپنے کسی بھی ماتحت سے آفیسرانہ برتاؤ کرنے کا قائل نہیں اور تھوڑی سی حیل و حجت اور تکلف کے بعد سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو بھی ناشتے میں شامل ہونا پڑا۔ اگرچہ وہ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو لاکھ یقین دلاتا رہا کہ وہ ناشتہ Break fast کر کے چلا ہے۔

''بھئی! ہم لوگوں کی بھی بڑی عجیب زندگی ہے ہر وقت سراغرسانی کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے۔ سونے میں جاگنے میں' غرضیکہ ہر حالت میں ہمارا دماغ جاسوسی کے تانے بانے بنتا رہتا ہے''۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے رات کے واقعہ کو یاد کرتے ہوئے کہا اور پھر قہقہوں کے درمیان انسپکٹر واجد نے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو گزشتہ شب میں کی گئی اپنی اچھل کود کو دہرایا۔

''جی ہاں! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دن میں ہونے والے یا سنے ہوئے واقعہ کو ہمارا ذہن لاشعوری طور پر محفوظ کر لیتا ہے اور خوابی حالت میں دہرا دیتا ہے''۔ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنے ماہر نفسیات ہونے کا مظاہرہ کیا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی بات چیت کے بعد سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''انسپکٹر نواب واجد صاحب! کچھ عرصہ سے نگینہ شہر میں چوری کی وارداتوں کا ایک عجیب سلسلہ شروع ہو گیا ہے''۔

''مسٹر ساجد! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ بھلا چوری کے معاملے میں عجیب کو کیا دخل' دنیا کا کون سا مقام ایسا ہے جہاں چوریاں نہیں ہوتیں اور میرے خیال میں تو ان سلسلوں کے لئے پولیس ہی کافی ہے''

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کی بات کا مزاق اڑانا چاہا۔

''سی آئی ڈی انسپکٹر نواب واجد جی شروع شروع میں تو ہم لوگوں نے بھی اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور سارا معاملہ ہی پولیس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوریاں اکا دکا اتفاقیہ طور پر ہونے والی نہیں ہیں بلکہ کسی منظم طریقے پر کی جارہی ہیں''۔ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنی بات کو مستحکم کرتے ہوئے کہا اور آخرکار سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو بھی دلچسپی لینی ہی پڑی۔ ''آپ لوگوں کو اس سلسلے میں کہاں تک کامیابی ہوئی۔ میرا مطلب ہے کوئی سراغ یا اور کوئی ایسی چیز دستیاب ہوئی ہے جس سے کچھ اور بڑھنے میں آگے مدد مل سکے''۔

''ابھی تک تو کوئی ایسی'' سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے رکتے رکتے پھر کہا'' اصل حقیقت میں بات یہ ہے کہ پچھلے انسپکٹر سید محمد زین عباس نقوی صاحب کی موجودگی تک ہم نے اس معاملہ کی تحقیقات کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا اور اب آپ آ گئے ...''

(جاری ہے)



وہ ایک جن زادی کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا مگر......

چڑیل کا عاشق

تحریر......محمد یعقوب

کیا آپ نے کبھی کسی سے عشق کیا ہے؟

نہیں...... کیا آپ نے کبھی کالی گھٹاؤں سے چاند کو نکلتے دیکھا ہے؟ نہیں...... کیا آپ نے کبھی کسی سے پیار کیا ہے؟ نہیں...... یہ آپ نے نہیں نہیں کی کیا رٹ لگا رکھی ہے اگر زندگی میں آپ نے کوئی کام کیا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ محبوب کس بلا کا نام ہے۔ وہ تو میری زندگی ہے زندگی۔ میں اسے ہمیشہ ڈارلنگ کہہ کر پکارتا ہوں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ سائیں نے اسے فرصت میں بنایا ہوگا اور پھر میں خوش قسمت ہوں کہ وہ پری چہرہ میرا محبوب ہے۔

بس کرو اتنی تعریف آخر وہ بھی تو مٹی کا پتلا ہے اور پھر اس میں کون سی خاص بات ہے جو آپ اس کی شان میں زمین و آسمان کو ایک کیئے جا رہے ہیں۔

میں اس کے خیالوں میں پاگل ہو گیا ہوں اور کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گا۔ آپ کبھی ایک نظر میرے یار کو دیکھ لیں ناں تو بس دل تھام کے رہ جائیں گے اور پھر آپ کو کالی گھٹاؤں سے چاند نکلنے کا منظر دکھائی نہ دے ناں تو مجھے کہنا۔

اچھا اگر یہ بات ہے تو کسی دن تیرے یار کا دیدار کرنا ہی پڑے گا مگر وہ ملے گی کہاں؟ ہم تو گوشہ نشین لوگ ہیں کبھی کبھار گھر سے نکلتے ہیں۔

آپ فکر نہ کریں میں خود ہی اسے کبھی لے آؤں گا۔ وہ مجھ پر جان دیتی ہے جان۔ ہم نے تو ایک ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا رکھی ہیں۔



اچھا یار بس زیادہ باتیں مت کرو دیکھیں گے کالی گھٹاؤں سے بھلا چاند کیسے نکلتا ہے۔

یار مجھے طعنے تو نہ دو آخر میں آپ کا جگری یار ہوں اور پھر وہ بھی ایسا کہ جان جائے مگر یار کی یاری پر حرف نہ آئے۔

یار تو تو برا مان گیا۔

معاف کر دینا۔ میں تو ویسے ہی اتنی ساری بے سود باتیں کہہ گیا۔

اگلے روز مجھے کسی کام کی غرض سے شہر جانے کا اتفاق ہوا تو وہ ایک خوبرو دوشیزہ کے ساتھ بس شاپ پر کھڑا تھا۔ مگر مجھے دیکھ کر قریب چلا آیا اور کہنے لگا۔

یار میں جس ڈارلنگ کی بات کرتا ہوں وہ۔۔۔ وہ یہ ہے۔ اس کا نام نازلی ہے۔

اور ابھی وہ اس کے بارے میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر وہ خود ہی قریب چلی آئی۔ سلام کیا اور کہنے لگی۔

میں نازلی ہوں مجھ پر زمانے والے ناز کرتے ہیں میرے والدنی جنگ میں مارے گئے اور ایک میں بدقسمت تھی جو جان کی بازی نہ ہار پائی اور گردش زمانہ نے آپ کے قدموں میں لا پھینکا۔ ہم لوگ آپ سے کہاں تک محبتیں سمیٹنے میں کامیاب ہوں گے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

میں نے جب اس کی طرف غور سے دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ کوئی عورت ذات نہیں بلکہ کسی اور مخلوق سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس کی آنکھوں میں اس قدر چمک تھی کہ میں تاب نہ لا سکا۔ میں نے اپنے یار سے کہا۔

میں جلدی میں ہوں کبھی گھر پر تفصیلی بات ہوگی اجازت ہے؟

اور پھر میں اپنی منزل کی جانب بڑھ گیا۔

نازلی سے ملاقات ہوئے ابھی دو روز ہی گزرے تھے جب میرے پیر سائیں چلے آئے۔

میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے۔

بیٹا نازلی عورت کے روپ میں بھیس بدلے ہوئے ہے۔ دراصل وہ ایک آدم خور چڑیل ہے اور وہ ہمیشہ اس فکر میں ہوتی ہے کہ کس طرح کسی نوجوان آدم زادے کو اپنی زلفوں کا اسیر بناؤں اور پھر اسے اپنے لیے استعمال کروں اور پھر اس کی زندگی کا چراغ گل کر دوں۔ مگر وہ تمہارے جگری یار کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں کر پائے گی کیونکہ اس نے تمہارے یار سے عشق کیا ہے اب وہ زندگی میں اس کے بغیر زندہ نہ رہ پائے گی۔ اس کا عشق اب شدت اختیار کر گیا ہے۔

پیر سائیں جا چکے تھے۔ جب میری ملاقات اپنے جگری یار عادل سے ہوئی تو میں نے اس کو بتایا کہ عادل جانی پیر سائیں آئے تھے اور انھوں نے بتایا ہے کہ نازلی چڑیل ہے اس کا انسانوں سے کوئی تعلق نہیں مگر وہ تم سے عشق کرتی ہے اور پھر ایک تم ہو جو اس کے جال میں پھنس گئے۔ میں تو چاہوں گا آپ اس سے ملنا چھوڑ دیں کہیں وہ آپ کو قتل ہی

نہ کر ڈالے اور آپ بے موت مار جائیں۔

عادل کہنے لگا۔ میں جانتا ہوں مگر وہ میری زندگی کا حصہ بن چکی ہے کیوں کہ ہم پیار کی وادیوں میں اتنا آگے جا چکے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں اور پھر اگر میں نے اس کے ساتھ بے وفائی کی تو وہ مر جائے گی اور میں اس کی موت نہیں دیکھ سکتا اور رہی بات اس کے چڑیل ہونے کی تو میں کل اس سے دریافت کرلوں گا اس سے کہ وہ اصل میں کیا ہے۔

ابھی کل نہ آنے پائی تھی کہ عادل اپنے کمرے میں تنہا سو رہا تھا جب وہ کمرے میں چلی آئی اور کہنے لگی۔

دیکھو پیر سائیں نے جو بتایا ہے وہ بالکل سچ ہے مگر میں نے تم سے عشق کیا ہے اگر تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گی۔ یہ میرا جرم ہے کہ میں ایک آدم زادے سے عشق کرنے لگی ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کے خاندان کا کبھی نقصان نہیں کروں گی اور آپ کی چاکر بن کر رہوں گی لیکن آپ کو یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہیں کریں گے کہ میں چڑیل ہوں کیونکہ زمانے والے تو محبت کرنے والوں کو ملنے نہیں دیتے اور پھر میں تو...... بس آپ مجھ سے ملتی رہنا۔ اور پھر وہ اچانک غائب ہوگئی اور میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

عادل جو نازلی کے طلسم میں گرفتار ہو چکا تھا اس سے جان چھڑانے کی سوچنے لگا اور پھر اس نے دل سے وعدہ کرلیا کہ وہ یہ شہر چھوڑ جائے گا اور کسی کو کچھ نہیں بتائے گا اور پھر ایک روز وہ آرمی میں بھرتی ہوگیا۔ مگر نازلی تو اس کی ہو کے رہ گئی تھی۔ وہ اس سے کسی بھی صورت میں الگ ہونا نہیں چاہتی تھی۔

آرمی میں بھرتی ہونے کے بعد عادل اپنا شہر چھوڑ گیا اور ملازمت کرنے لگا۔ بھرتی ہونے کے بعد اس کی سوچ بدل گئی اور وہ یہ بھول ہی گیا کہ وہ نازلی سے پیار کرتا تھا۔ مگر ایک نازلی تھی کہ جو ہر وقت اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی کہ کہیں سے اس کی خبر آجائے اور پھر ایک روز عادل کا ایک خط اس کے ہاتھ لگ گیا اور اسے معلوم ہوگیا کہ وہ کس شہر میں ہے۔

وہ ایک تاریک رات تھی جب نازلی وہاں پہنچ گئی۔ عادل خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا جب اس نے اسے جان جگر کہہ کر بلایا تو پورے کمرے میں موجود فوجیوں کی آنکھ کھلی گئی مگر انہیں کوئی عورت ذات دکھائی نہ دی۔ مگر عادل کو وہ دکھائی دے رہی تھی جو اس سے کہہ رہی تھی آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اور خود یہاں چلے آئے۔ آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا میں تو آج تک تیرے خیالوں میں گم ہوں اور پھر آج مجھے سب یہ کہتے ہیں جاؤ آدم زادے سے عشق کرو اسی سے شادی کرو اور اس کے ساتھ زندگی گزارو۔ اگر آپ نے میرے ساتھ یہی کرنا تھا تو مجھے پہلے ہی بتا دیتے جبکہ میں نے تو آپ کو بتا دیا

تھا کہ میں چڑیلوں میں سے ہوں مگر آپ تو بے وفا نکلے۔ میں آج آپ کو کچھ نہیں کہوں گی لیکن یاد رکھنا اگر آپ نے زندگی میں کبھی شادی کرنے کی ٹھان لی تو میں آپ کا خون کر دوں گی کیونکہ یہ میری مجبوری ہے اور پھر بھلا عورت دوسری عورت کو کب برداشت کرتی ہے۔

نازلی جا چکی تھی۔ بیرک میں سپاہیوں کا ایک ہجوم تھا جو عادل سے پوچھ رہا تھا کہ آپ سے باتیں کرنے والی عورت کون تھی۔ مگر ایک وہ تھا کہ بس زبان پر تالے لگائے ہوئے تھا اور پھر اس نے اس مسئلہ کا یہ حل تلاش کیا کہ گھر جایا جائے اور وہاں نازلی سے بات کی جائے اور پھر اگلے روز وہ رخصت لے کر گھر چلا گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو دروازے پر نازلی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عادل نازلی کو دروازے پر پا کر غصے میں آ گیا اور کہنے لگا۔

آپ میرے پیچھے بیرک میں کیوں آئی تھیں؟

یہ میری مجبوری تھی کیونکہ میں نے آپ سے عشق کیا تھا اور میں آپ کی ڈارلنگ تھی مگر جب آپ کو دیکھے اتنا عرصہ گزر گیا تو آپ کا دیدار کرنے چلی آئی بس اس کے بعد میں آپ کے پاس نہیں آؤں گی مگر آپ جہاں بھی جائیں گے مجھے بتا کے جایا کریں گے تاکہ میں آپ کا دیدار کرتی رہا کروں۔ عادل نے وعدہ کر لیا اور پھر کیا ہوا۔

گھر والوں نے اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا مگر وہ شادی سے انکاری تھا کیونکہ اس کی ڈارلنگ کوئی



عورت ذات نہ تھی بلکہ وہ ایک چڑیل کے عشق میں گرفتار ہو چکا تھا جو اسے مر کر بھی چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ اس نے گھر والوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اس کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔

پھر اس کی شادی کے دن مقرر کر دیے گئے۔ جوں جوں اس کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے اس کی جان نکلی جا رہی تھی کیونکہ اس نے نازلی سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ زندگی میں اس کے سوا کسی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔

ابھی اس کی برات جانے کو ایک رات باقی تھی جب نازلی چلی آئی اور انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔ انھوں نے ایک ویران کنویں میں کود کر خودکشی کر لی اور اس طرح ایک چڑیل نے کیا وعدہ پورا کر دکھایا۔ مگر نازلی اور عادل کی خودکشی کر لینا ان کی مجبوری تھی کیونکہ دونوں لوگوں کی نظروں سے چوری محبت کرتے تھے۔

ایک ایسی کتاب جو لائبریری میں موجود تھی
جس میں اس کی زندگی کا ایک اہم راز پوشیدہ تھا

پرانی کتاب

تحریر...... رانا جی

موسم خزاں کی ایک شام تھی۔ دن ڈھلنے ہی والا تھا کہ منحنی سے چہرے اور سفید گل مچھوں والا ایک عمر رسیدہ شخص شہر کی مشہور لائبریری کا جھولنے والا دروازہ دھکیل کر ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اس نے از خود لائبریری کے ملازم کو بتایا کہ جہاں تک اسے یقین ہے وہ وہاں سے کتابیں حاصل کرنے کا مجاز ہے اور دریافت کیا کہ آیا وہ ایک کتاب اپنے نام جاری کروا سکتا ہے۔

بیشک بشرطیکہ وہ ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جنھیں یہ استحقاق دیا گیا۔ اس نے اپنا کارڈ پیش کیا۔ مسٹر جوہن ایلڈریڈ اور متعلقہ رجسٹر سے پڑتال کرنے کے بعد اسے امید افزا جواب مل گیا۔

''ایک بات اور ہے۔'' اس شخص نے کہا۔

''مجھے یہاں آئے کافی دیر ہو گئی ہے مگر مجھے آپ کی اس عمارت کا راستہ معلوم نہ تھا۔ اس کے علاوہ اب تو وقت بھی ختم ہونے والا ہوگا۔ اور پھر میرے لیے سیڑھیاں چڑھنے اترنے کی بھاگ دوڑ بھی مشکل ہے جو کتاب مجھے درکار ہے اس کا حوالہ نمبر میرے پاس ہے کیا یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں جو ذرا فارغ ہو اور مجھے کتاب تلاش کر کے لا دے۔''

''مسٹر گیرٹ۔'' اس نے کہا۔

''کیا آپ ذرا ان صاحب کی مدد کر دیں گے؟''

''بڑی خوشی سے۔'' مسٹر گیرٹ نے جواب دیا۔ کتاب کے نام والی سلپ انھیں دے دی گئی۔



''میرا خیال ہے کہ میں اس کتاب کو بآسانی تلاش کر سکتا ہوں یہ غالباً اس شعبے میں سے ہے جہاں میں نے پچھلے ہی مہینے جانچ پڑتال کی تھی۔ لیکن میں اسے ذرا فہرست میں تو دیکھ لوں تاکہ حوالہ نمبر کی تصدیق ہو جائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس کتاب کا یہی خاص ایڈیشن چاہتے ہیں جناب؟''

''جی ہاں اگر آپ مہربانی کریں تو مجھے یہی ایڈیشن چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔'' مسٹر ایلڈرڈ نے کہا۔

''میں اس زحمت کے لیے آپ کا بے حد شکرگزار ہوں۔''

''کوئی بات نہیں جناب یہ تو میرا فرض ہے۔'' مسٹر گیرٹ نے کہا اور جلدی سے کتاب کا نمبر تلاش کرنا شروع کر دیا۔

''غالباً یہی کتاب ہے۔'' اس نے فہرست کے صفحوں پر اوپر سے نیچے کی طرف انگلی پھرانے کے بعد ایک جگہ رکھتے ہوئے کہا۔

''لمود اِنڈوتھ کا میثاق تھمانیدلیس کی شرح کے ساتھ۔ ایسٹرڈم ۱۷۰۷ء۔ ۳۴، ۳، ۱۱۔ شعبہ عبرانی ہی میں ہے۔ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔''

مسٹر ایلڈرڈ وہیں ڈیوڑھی میں ایک کرسی پر بیٹھے کتاب کے آنے کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ لیکن جب مسٹر گیرٹ کو خالی ہاتھ سیڑھیاں اترتے دیکھا تو انھیں بڑی مایوسی ہوئی۔

''مجھے بے حد افسوس ہے جناب۔'' نوجوان شخص نے کہا۔

''وہ کتاب اس وقت باہر ہے۔''

''اوہو۔'' مسٹر ایلڈرڈ نے کہا۔

''یہ تو برا ہوا آپ کو اچھی طرح یقین ہے کہ کتاب کی تلاش میں کوئی غلطی نہیں ہوئی؟''

'ایسا کوئی امکان تو نہیں جناب لیکن اگر آپ کچھ توقف کریں تو ممکن ہے کہ آپ انہی صاحب سے مل لیں۔ جنھوں نے کتاب لی ہے وہ ضرور تھوڑی دیر میں رخصت ہو جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ میں نے انھیں وہی کتاب الماری میں سے لیتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''واقعی آپ انھیں غالباً پہچانتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ وضع قطع سے کوئی پروفیسر نظر آتے ہیں یا کوئی طالب علم؟''

''پروفیسر تو وہ غالباً نہیں ہیں دراصل میں ان کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت لائبریری کے اس شعبے میں روشنی کچھ زیادہ نہیں ہوتی اور پھر میں نے ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ قدرے پستہ معمر آدمی ہیں۔ انھوں نے لمبا سا چغہ بھی پہن رکھا ہے۔ شاید کوئی پادری ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کر سکیں تو میں یہ معلوم کر آؤں کہ انھیں واقعی اس کتاب کی ضرورت ہے؟''

''نہیں اب رہنے دیں۔'' مسٹر ایلڈرڈ نے کہا۔

''میں اس وقت مزید انتظار نہیں کر سکتا' بس شکریہ۔ مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔ البتہ اگر ہو سکا تو میں کل پھر آ جاؤں گا۔ اتنے میں آپ پتہ چلا سکیں

گے کہ وہ کتاب کس شخص نے لی تھی۔"

"ضرور جناب اور میں وہ کتاب آپ کے لیے الگ ہی رکھ لوں گا بشرطیکہ۔" لیکن مسٹر ایلڈرڈ پوری بات سننے سے پہلے ہی جلدی سے روانہ ہو گئے تھے۔

گیرٹ کے پاس چند لمحے فارغ تھے۔ اس نے سوچا۔

"میں اس شعبے میں واپس جاتا ہوں شاید وہ معمر شخص وہیں مل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ چند دنوں لیے وہ اس کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ میں ہمت کر کے کہہ دوں گا کہ ایک اور صاحب اس کتاب کو کچھ دیر کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" لہٰذا وہ لائبریری کے شعبہ عبرانی کی طرف چل پڑا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو معمر آدمی وہاں نہ تھا اور ۳۴،۳،۱۱ کے نشان والی کتاب الماری میں اپنی جگہ پر پڑی تھی۔

یہ سوچ کر گیرٹ کو قدرے رنج ہوا کہ اس نے اتنی سی بات کے لیے ایک کتاب کے شائق کو مایوس کیا۔ اگر لائبریری کے اصول اس بات کی اجازت دیتے تو وہ اس کتاب کو اسی وقت نیچے ڈیوڑھی میں لے جا کر اپنے پاس رکھ لیتا تاکہ اگلے دن مسٹر ایلڈرڈ کو باسانی مل سکتی۔ تاہم اگلے دن صبح ہی سے وہ منتظر تھا' بلکہ اس نے دربان سے بھی کہہ رکھا تھا کہ مسٹر ایلڈرڈ آئیں تو اسے فوراً بتایا جائے۔ لائبریری کھلنے سے کچھ ہی دیر بعد جبکہ عملے کے علاوہ شاید ہی اور کوئی آدمی عمارت میں موجود تھا' مسٹر ایلڈرڈ آئے تو اتفاق سے وہ اس وقت ڈیوڑھی ہی میں تھا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے۔" اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"عموماً مجھ سے ایسی فاش غلطی نہیں ہوتی لیکن مجھے اس وقت واقعی یہ احساس ہوا تھا کہ اس معمر شخص نے وہی کتاب الماری سے نکالی تھی اور کچھ دیر اسے بغیر کھولے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا جیسا کہ کئی آدمی کسی کتاب کو حوالہ نمبر دے کر منگوانے کی بجائے خود پسند کر کے اپنے نام جاری کروانے کے لیے نکال لیتے ہیں۔ خیر اب میں بھاگ کر اوپر جاتا ہوں اور جلدی سے آپ کے لیے وہ کتاب لے کر آتا ہوں۔"

اس موقع پر کچھ وقفہ حائل ہو گیا۔ مسٹر ایلڈرڈ نے اتنے میں ڈیوڑھی میں چہل قدمی کی' تمام نوٹس پڑھ لیے' اپنی گھڑی پر نظر ڈالی' پھر کرسی پر بیٹھ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور وہ سب کچھ جو ایک بے حد مضطرب آدمی کر سکتا تھا حتیٰ کہ کوئی بیس منٹ اسی طرح گزر گئے۔ آخر اکتا کر انھوں نے آگے بڑھ کر دربان سے دریافت کیا کہ مسٹر گیرٹ لائبریری کے جس شعبے سے کتاب لینے گئے تھے کیا وہ بہت دور ہے۔"

"جی میں بھی یہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کیا بات ہے ویسے وہ بڑے پھرتیلے آدمی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ لائبریرین صاحب نے انھیں کہیں بھیج دیا ہو لیکن اس صورت میں بھی انھیں بتا دینا چاہیے تھا کہ آپ ایک کتاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ اچھا میں فون کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اور اس نے فون پر خود بات کی۔ جونہی اسے جواب ملا اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اس نے دو ایک اضافی سوالات اور کیے جن کا مختصر سا جواب فوراً مل گیا۔ پھر وہ اپنے کاؤنٹر پر آیا اور قدرے ہلکی آواز میں بولا۔

''جناب مجھے یہ سن کر افسوس ہوا ہے کہ بظاہر کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر گیرٹ کی حالت کچھ خراب ہوگئی تھی' لہٰذا لائبریرین صاحب نے انھیں پرلے راستے سے ایک ٹیکسی کے ذریعے گھر بھیج دیا ہے۔ سنا ہے کہ انھیں کوئی صدمہ پہنچا ہے۔''

''کیا واقعی؟ کیا وہ کچھ زخمی ہو گئے ہیں؟''

''نہیں جناب اس حادثے میں تشدد وغیرہ نہیں ہے بلکہ جہاں تک میں سمجھا ہوں انھیں غالباً کوئی دورہ پڑا ہے جسے آپ بیماری سمجھ سکتے ہیں۔ مسٹر گیرٹ زیادہ مضبوط آدمی نہیں ہیں۔ لیکن جہاں تک آپ کی کتاب کا تعلق ہے شاید آپ اسے خود تلاش کر سکیں۔ یہ بڑے رنج کی بات ہے کہ آپ کو دوبارہ اس طرح مایوسی ہوئی۔ اچھا خیر لیکن مجھے افسوس ہے کہ مسٹر گیرٹ جس مکان میں رہتے ہیں وہ سٹیشن سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔''

''اچھا ایک بات اور بتائیں کہ کل میرے چلے جانے کے بعد آپ نے کسی معمر صاحب کو یہاں سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا جو شاید پادری ہیں۔ انھوں نے سیاہ چغہ پہن رکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کچھ دیر یہاں ٹھہرے ہوں گے اور ممکن ہے وہ میرے جاننے والوں میں سے ہوں۔''

''نہیں جناب سیاہ چغے میں ملبوس تو کوئی بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ کے جانے کے بعد دو پروفیسر صاحبان نکلے تھے اور وہ دونوں ہی جوان تھے۔ ایک مسٹر کارٹر تھے جنھوں نے فن موسیقی پر ایک کتاب نکلوائی تھی اور دوسرے پروفیسر نے دو ایک ناول پسند کیے تھے اور پھر وقت ختم ہوتے ہی میں چائے پینے چلا گیا تھا۔ شکریہ جناب۔''

مسٹر ایلڈرڈ نے ایک ٹیکسی لی اور مسٹر گیرٹ کی رہائش گاہ پر پہنچے لیکن پتہ چلا کہ وہ حضرت ابھی کسی ملاقاتی سے ملنے کے قابل نہیں ہوئے۔ اگرچہ پہلے کی نسبت ان کی حالت اب بہتر تھی لیکن گھر کی مالکہ کا خیال تھا کہ انھیں شدید صدمہ پہنچا ہے اور ڈاکٹر نے جو ہدایات دی ہیں ان کے مطابق وہ مسٹر ایلڈرڈ سے اگلے روز ہی مل سکیں گے۔ مسٹر ایلڈرڈ اپنے ہوٹل میں واپس آ گئے لیکن اس شام کو وہ قدرے افسردہ سے رہے۔

اگلے دن گیرٹ سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ صحت مند ہونے کی حالت میں گیرٹ بڑا ہنس مکھ اور ہشاش بشاش نظر آتا تھا لیکن اب وہ آگ کے قریب ایک آرام کرسی پر گویا مضطرب بیٹھا ہوا بڑا زرد رو اور نحیف سا دکھائی دے رہا تھا تاہم مسٹر ایلڈرڈ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جنھیں اس وقت ملنے سے اجتناب کیا جاتا۔

''میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں میری وجہ سے آپ کو جو زحمت ہوئی مجھے اس پر واقعی معذرت کرنی چاہیے تھی لیکن مجھے آپ کا پتہ معلوم نہ تھا۔ اب مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے خود

میرے غریب خانے پر آنے کی تکلیف کی ہے۔ میں اس طرح کبھی بھی آپ کو زحمت نہ ہونے دیتا مگر آپ جانتے ہیں کہ میں اس بارے میں قیاس بھی نہ کر سکتا تھا کہ مجھے اس طرح صدمہ پہنچے گا۔"

"واقعی یہ سب کچھ اچانک ہو گیا لیکن چونکہ مجھے ڈاکٹری سے کچھ شغف ہے لہذا میں اس لحاظ سے کچھ پوچھوں تو برا نہ مانیں آپ کو مفید مشورہ ہی ملے گا۔ کیا کسی اونچائی سے گر گئے تھے؟"

"جی نہیں میں فرش پر ہی گرا تھا۔ قطعاً کسی اونچائی سے نہیں لیکن یہ واقعی ایک صدمہ تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے کسی چیز نے آپ کو ڈرا دیا تھا۔ کیا یہ کوئی ایسی چیز تھی جو آپ کے خیال میں آپ کو نظر آئی تھی؟"

"مجھے ڈر ہے کہ اس معاملے میں خیال کا کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔ میں نے اسے ضرور دیکھا تھا۔ آپ کو یاد ہے جب آپ پہلی بار لائبریری میں آئے تھے؟"

"ہاں بے شک لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس کی تفصیل میں نہ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی یاد سے آپ کو ذہنی طور پر دھچکہ پہنچے گا۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے کرم فرما کے سامنے واقعہ بیان کرنے سے مجھے کچھ تسکین ہوگی ہو سکتا ہے آپ اس کی وضاحت کر سکیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں عبرانی کتابوں والے شعبے میں گیا تھا جہاں آپ کی کتاب......"

"بس مسٹر گیرٹ مجھے اب اجازت دیں۔ میری گھڑی یہ بتا رہی ہے کہ میرے پاس بہت کم وقت رہ گیا ہے اور مجھے ابھی اپنا سامان اکٹھا کرنا ہے اور گاڑی پکڑنی ہے اس ذکر کو اب رہنے ہی دیں ورنہ اس سے آپ کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہے جس کا آپ اندازہ بخوبی نہیں کر سکتے۔ ایک بات البتہ میں آپ سے ضرور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ چونکہ میں بالواسطہ آپ کی اس بیماری کا ذمہ دار ہوں لہذا میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے اس ضمن میں جو دوا دارو کیا ہے اس کا بل مجھے ادا کرنا چاہیے۔"

لیکن یہ پیشکش قبول کرنے سے بالکل واضح طور پر انکار کر دیا گیا۔ مسٹر ایلڈرڈ نے زیادہ اصرار نہ کیا بلکہ جلدی سے چلے گئے۔ تاہم گیرٹ نے تاکید کر کے اس کتاب کا حوالہ نمبر لے لیا تھا تاکہ مسٹر ایلڈرڈ بعد میں آ کر اسے حاصل کر سکیں۔ لیکن مسٹر ایلڈرڈ لائبریری میں پھر نہ آئے۔

گیرٹ سے اس دن ایک اور شخص ملنے آیا جس کا نام جارج ارل تھا وہ بھی اس لائبریری میں ملازم تھا۔ ارل ان آدمیوں میں سے ایک تھا جنھوں نے گیرٹ کو اس شعبے میں بے ہوش پڑا پایا تھا۔ جو وسیع گیلری کے مرکزی راستے کھلتا تھا اور جہاں عبرانی زبان کی کتابیں رکھی تھیں۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ارل کو اپنے دوست کو اس حالت میں دیکھ کر بہت تشویش ہوئی تھی لہذا جونہی لائبریری کا وقت ختم ہوا۔ وہ اپنے ساتھی کی عیادت کے لیے پہنچ گیا تھا۔ دو ایک رسمی باتوں کے

بعد اس نے کہا۔

”مجھے اچھی طرح سے معلوم نہیں کہ تمہاری حالت کیونکر متغیر ہوگئی تھی' لیکن میرا خیال ہے کہ لائبریری کے اس حصے کی فضا میں ضرور کوئی خرابی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ تمہیں وہاں دیکھنے سے کچھ دیر پہلے میں ڈیوس کے ساتھ گیلری سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس سے کہا۔ کیا تم نے کبھی کہیں ایسی سڑی بو محسوس کی ہے جیسی یہاں پھیلی ہوئی ہے؟ یہ ہرگز صحت بخش نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی اس قسم کی بو میں بہت دیر تک رہے (جس سے زیادہ ناگوار بو میں نے کبھی محسوس نہ کی ہوگی) تو یہ اس کے نظام پر بری طرح اثر انداز ہوگی اور کسی وقت بھی اس کا نقصان ظاہر ہو سکتا ہے کیا تم ایسا نہیں سوچتے؟“

گیرٹ نے اپنے سر کو جنبش دی۔

”اس بو کی تاثیر کے متعلق تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن یہ وہاں ہر وقت نہیں ہوتی اگرچہ میں نے گذشتہ دو ایک دنوں میں اسے محسوس کیا ہے۔ یہ کچھ اس طرح کی غیر قدرتی حد تک ناگوار بو ہے۔ جیسے شدید دھول اڑ رہی ہو۔ لیکن ایسی کسی بو نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ وہ تو کوئی ایسی چیز تھی جسے میں نے دیکھا تھا۔ اور میں تمہیں اس کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔ ہوا یوں کہ میں ایک شخص کے لیے شعبہ عبرانی سے ایک کتاب لینے گیا تھا جس نے نیچے مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی۔ اور اسی کتاب کے متعلق مجھے ایک دن پہلے بھی کچھ مغالطہ ہو چکا تھا۔ یعنی جب میں وہاں پہنچا تھا تو میں نے یقیناً ایک شخص کو وہی کتاب الماری سے لیتے ہوئے دیکھا تھا جس نے جبہ پہن رکھا تھا۔ میں نے نیچے آ کر کتاب کی فرمائش کرنے والے سے کہا کہ کتاب اس وقت باہر ہے۔ وہ شخص کہہ کر چلا گیا کہ وہ اگلے دن آ جائے گا۔ میں پھر شعبہ عبرانی میں واپس گیا تا کہ اس پادری سے وہ کتاب اگر مل سکے تو لے لوں۔ لیکن پادری وہاں نہ تھا اور وہ کتاب الماری میں اپنی جگہ پڑی ہوئی تھی۔ کل میں بھی وہی کتاب لانے کے لیے اوپر گیا۔ اس وقت تمہیں یاد ہی ہوگا۔ صبح کے دس بجے تھے اور وہاں اچھی خاصی روشنی تھی کہ جتنی کہ اس وقت ان حصوں میں عموماً ہوا کرتی ہے۔ وہ پادری وہاں پھر موجود تھا اور اسی کتاب کو الماری سے نکال رہا تھا جس کی مجھے ضرورت تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی اور اس کا ہیٹ میز پر پڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سر سے گنجا تھا۔ میں نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے دو ایک لمحے توقف کیا۔ اس کا سر نفرت انگیز حد تک خشک اور گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا اور اس پر بالوں کی دھاریاں مکڑیوں کے جالوں جیسی نظر آ رہی تھیں۔ میں نے قصداً کچھ کھٹکا کیا' کھنکارا اور اپنے پیروں کو جنبش دی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ مجھے دکھائی دیا جسے میں ابھی تک دیکھ نہ سکا تھا۔ میں تمہیں پھر بتاتا ہوں کہ مجھے غلطی نہیں ہوئی۔ اگرچہ میں کسی وجہ سے اس کے چہرے کا نچلا حصہ نہیں دیکھ سکا تاہم میں نے اس کے چہرے کا اوپر کا حصہ دیکھ لیا تھا جو بالکل بے رس تھا اور اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ اور ان پر ابروؤں سے لے کر

گالوں تک، مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے موٹے جالے۔ انھیں دیکھ کر میں واقعی دم بخود رہ گیا اس کے بعد کیا ہوا میں یہ نہیں بتا سکتا۔''

ارل نے اس بارے میں جو وضاحتیں پیش کیں، ہمیں ان سے کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے بہر حال ان باتوں سے گیرٹ اس امر کا قائل نہ ہو سکا کہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ محض وہم تھا۔

گیرٹ کے کام پر واپس جانے سے پہلے ہی لائبریرین نے اسے ایک ہفتے کی چھٹی لینے پر زور دیا تا کہ وہ کچھ آرام کر لے اور کہیں ہوا بدلی بھی کر آئے۔ لہٰذا دو ایک دنوں میں وہ اپنا سفری تھیلا لے کر برسٹو جانے کے لیے اسٹیشن پر کھڑا تھا جہاں وہ اس سے پہلے کبھی نہ گیا تھا۔ اسے ایک ایسے ڈبے کی تلاش تھی جہاں وہ آزادانہ سگریٹ نوشی کر سکے۔ آخر کار اسے گاڑی میں ایک دل پسند ڈبہ مل گیا۔ لیکن جونہی وہ اس کے قریب پہنچا۔ اسے دروازے میں ایک ایسی سمت نظر آئی جو حال ہی پیش آنے والے ناخوشگوار واقعے سے متعلق شخص جیسی تھی۔ اس نے بڑی گھبراہٹ سی محسوس کرتے ہوئے بے اختیارانہ ساتھ والے ڈبے کا دروازہ زور سے کھولا اور تیزی سے اس میں گھس گیا جیسے کہیں موت اس کا پیچھا کر رہی ہو۔

گاڑی چل پڑی اور وہ غالباً بے ہوش ہو گیا ہوگا کیونکہ جب اس کے حواس بجا ہوئے تو کسی سنگھانے والی دوا کی شیشی اس کی ناک سے لگی ہوئی تھی۔ اس کی معالج ایک خوش پوش معمر خاتون تھی جو اپنی بیٹی کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ ڈبے میں ان کے علاوہ اس واقعے کے بعد ان کے درمیان سلسلہ شروع ہونا قدرتی بات تھی۔ بلکہ جیسا کہ ایسے موقعوں پر عموماً ہوتا ہے اس نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کچھ سوالات کا تبادلہ ہونا ضروری تھا۔ پھر اور باتیں شروع ہو گئیں۔ اور سفر ختم ہونے سے پہلے گیرٹ کو نہ صرف ایک معالج کی خدمات حاصل ہوئیں بلکہ ایک خانہ دار خاتون بھی مل گئی۔ کیونکہ مسز ہمپسن کے پاس برسٹو میں کچھ کمرے کرائے کے لیے خالی تھے جو بعد میں دیکھنے پر ہر طرح سے مناسب معلوم ہوئے۔ چونکہ اس موسم میں وہ جگہ زیادہ تر خالی تھی۔ لہٰذا گیرٹ کو ماں بیٹی دونوں سے بات چیت کرنے اور کچھ وقت ان کے پاس گزارنے کا اچھا خاصا موقع مل جاتا تھا۔ ان صحبتوں کو اس نے بڑا خوشگوار پایا۔ اس کے قیام کی تیسری شام تک ان کے باہمی میل جول میں اس حد تک ترقی ہو چکی تھی کہ ماں بیٹی نے اس سے ایک شام اپنے ذاتی کمرے میں گزارنے کی فرمائش کی۔

ان کی باتوں کے دوران پتہ چلا کہ گیرٹ لائبریری میں کام کرتا ہے۔

''خوب لائبریریاں تو بڑی عمدہ جگہیں ہوتی ہیں۔'' مسز ہمپسن نے خوشی سے گہری سانس لے کر ہاتھ گھما کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ کو بتائے دیتی ہوں کہ کتابوں نے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک کتاب نے میرے لیے بڑی تشویش پیدا کر رکھی ہے۔''

"دیکھیے محترمہ میری روزی کا دارومدار کتابوں پر ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ کتابیں آپ کے لیے بری ثابت ہوئیں۔"

"امی شاید مسٹر گیرٹ وہ معاملہ حل کرنے میں ہماری مدد کرسکیں۔" مس سمپسن نے کہا۔

"نہیں بیٹی میں مسٹر گیرٹ کو ایک ایسے مسئلے میں الجھانا نہیں چاہتی جس میں پتہ نہیں وہ عمر بھر الجھے رہیں اور پھر دوسری بات یہ کہ انھیں اپنے نجی معاملات میں زحمت دینا بھی ہمارے لیے کچھ مناسب نہیں ہے۔"

"لیکن مسز سمپسن اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میری خدمات سے آپ کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ وہ معمہ مجھے بتائیں۔ اگر کسی کتاب کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہے تو آپ کو علم ہی ہے کہ میں اس لحاظ سے ہر ممکن حد تک مفید ثابت ہوسکتا ہوں۔"

"ہاں ایسا ممکن ہے لیکن اس معاملے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمیں اس کتاب کا نام تک معلوم نہیں۔"

"اور کیا یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کتاب کس موضوع پر ہے؟"

"یہی تو مشکل ہے کہ موضوع کا پتہ نہیں۔"

"امی ہمارا یہ خیال تو تھا کہ وہ کتاب غالباً انگریزی میں نہیں ہے۔ مگر یہ بھی کوئی مناسب سراغ نہیں ہوسکتا۔"

"خیر مسٹر گیرٹ۔" مسز سمپسن نے آگ پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے متفکرانہ انداز میں کہا۔

"میں آپ کو وہ کہانی سنائے دیتی ہوں آپ مہربانی سے ان باتوں کو اپنے تک ہی محدود رکھیں۔ اچھا تو بات یہ ہے کہ میرے ایک بوڑھے چچا تھے جن کا نام ڈاکٹر رینٹ تھا۔ شاید آپ نے کہیں ان کا ذکر سنا ہو۔ نہ صرف یہ کہ وہ ایک لائق آدمی تھے بلکہ یہ بھی کہ انھوں نے اپنے آپ کو نہ جانے کیوں ایک زمین دوز کمرے میں دفن کرانا پسند کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے کسی گائیڈ بک میں ان کا نام پڑھا تھا۔"

"ضرور انہی کا نام پڑھا ہوگا۔" مسز سمپسن نے کہا۔

"انھوں نے ہدایات چھوڑی تھیں کہ انھیں روزمرہ کے لباس ہی میں اینٹوں کے بنے ہوئے ایک زمین دوز کمرے میں بند کر دیا جائے۔ یہ کمرہ انھوں نے اپنے مکان کے پاس ہی ایک کھیت میں بنوایا تھا۔ دیہاتی لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر رینٹ کو پھر بھی پرانے سیاہ چغے میں ملبوس اس مکان کے قرب و جوار میں دیکھا ہے۔"

"میں ایسی باتوں کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں رکھتی۔" مسز سمپسن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن خیر انھیں مرے ہوئے اب بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ وہ ایک پادری تھے۔ اگرچہ میں واقعی اس بات کا تصور نہیں کرسکتی کہ وہ کیسے پادری بن گئے تھے تاہم انھوں نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں مذہبی فرائض انجام نہ دیے

تھے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا۔ وہ زیادہ تر اپنی ہی جائیداد پر بسر اوقات کرتے تھے۔ ان کی ایک بڑی عمدہ جاگیر ہے جو یہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ان کی کوئی بیوی یا کنبہ وغیرہ نہ تھا۔ البتہ ایک بھتیجی جو کہ میں خود ہوں اور ایک بھتیجا تھا۔ اپنی زندگی میں انھوں نے ہم دونوں میں سے کسی کو بھی کچھ زیادہ نہ چاہا تھا اور نہ کسی اور شخص ہی سے وہ کوئی خاص دلبستگی رکھتے تھے۔

اگر ایسی کوئی بات تھی تو میری نسبت میرے چچیرے بھائی جان کو وہ قدرے پسند کرتے تھے کیونکہ وہ کافی حد تک ان کا ہم مزاج تھا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گی کہ انھیں بڑے چھوڑے حربے استعمال کرنے کی عادت تھی۔ اگر میں شادی نہ کرتی تو ہوسکتا ہے کہ اب مختلف صورت حالات ہوتی۔ لیکن میں نے شادی کر لی جس پر وہ بہت برہم ہوئے۔ خیر وہ ایک جاگیر کے بلاشرکت غیرے مالک تھے اور ان کے پاس بہت دولت تھی۔ یہ بات صاف طور پر واضح تھی کہ ان کی وفات کے بعد میں اور میرا چچیرا بھائی دونوں ہی مساوی طور پر جائیداد کے وارث تھے۔ تقریباً بیس سال پہلے سردیوں کے موسم میں وہ بیمار پڑ گئے اور مجھے ان کی تیمارداری کے لیے بلا بھیجا گیا۔ میرا خاوند ابھی زندہ تھا لیکن چچا میاں کو اس کے آنے کی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ جونہی میں ان کے مکان پر پہنچی میں نے اپنے چچیرے بھائی جان کو وہاں سے ایک کھلی موٹر میں جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ میں اندر چلی گئی اور جہاں تک ممکن تھا میں نے اپنے چچا کی دل گیری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ لیکن جلد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ یہ ان کی آخری بیماری ہوگی۔ یہ بات وہ خود بھی جانتے تھے۔

جس دن وہ فوت ہوئے اس سے ایک دن پہلے انھوں نے مجھے اپنے پاس ہی بٹھائے رکھا۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جسے وہ مجھے بتانے سے ہچکچا رہے تھے اور غالباً وہ کوئی ناخوشگوار معاملہ تھا۔ بظاہر وہ اس بات کو اس وقت تک چھپائے رکھنا چاہتے تھے جب تک کہ وہ کچھ بھی توانائی محسوس کرتے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ مجھے کافی دیر تک وہاں بٹھائے رکھیں گے۔ لیکن آخرکار ان کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''میری......!'' وہ بولے۔

''میری! میں نے جان کے حق میں اپنی وصیت تیار کر دی ہے۔ وہ میری ساری جائیداد کا مالک ہوگا۔'' یہ فیصلہ سن کر واقعی مجھے سخت صدمہ پہنچا تھا کیونکہ ہم...... میرا خاوند اور میں ان دنوں امیر لوگ نہ تھے۔ میرا خاوند اگر قدرے بافراغت زندگی گزار سکتا تو غالباً وہ کچھ دن اور جیتا۔ لیکن میں نے اپنے چچا سے کوئی خاص بات نہ کی۔ میں نے اس وقت محض اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ میرے ذہن میں کوئی اور موزوں بات کہنے کو نہ تھی اور کچھ اس لیے بھی کہ مجھے یقین تھا کہ اگر کچھ کہا بھی گیا تو اس سے فائدہ نہ ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولے۔

''لیکن میری میں جان کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتا' اور میں نے ایک اور وصیت تیار کی ہے جو تمہارے حق میں ہے۔ تم سب کچھ حاصل کر سکتی ہو۔ البتہ تمہیں وہ وصیت تلاش کرنے کی ضرورت رہے گی اور میں خود یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ کہاں ملے گی۔'' اس کے بعد وہ اپنے آپ ہی کچھ ہنستے رہے اور میں مزید کچھ سننے کی منتظر رہی کیونکہ مجھے خیال آیا تھا کہ ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوئی۔

''وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔'' کچھ دیر بعد کہنے لگے۔

''تم انتظار کرو پھر میں تمہیں وہ سب کچھ بتاؤں گا جو میں جون کو بتا چکا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں تم اس کی بنا پر عدالتی چارہ جوئی نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ تم محض اپنی زبان سے کچھ کہنے کے علاوہ اور کوئی گواہی بہم نہ پہنچا سکو گی۔ اور جان ایک ایسا آدمی ہے جو وقت پڑنے پر ہر طرح کا حلف بھی اٹھا سکتا ہے۔ اچھا خیر یہ باتیں تو خود بخود سمجھ میں آ جانے والی ہیں اب سنو میں نے سوچا تھا کہ میں اس وصیت کو عام انداز میں نہیں لکھوں گا لہٰذا میں نے اسے ایک کتاب میں لکھا ہے جو ایک مطبوعہ کتاب ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ اس مکان میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن تمہیں اسے ان کتابوں میں ڈھونڈنے کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی کیونکہ وہ کتاب ان میں شامل نہیں بلکہ دوسری جگہ محفوظ پڑی ہے اور وہ ایسی جگہ ہے جہاں جان کسی بھی دن جا کر اسے تلاش کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے اس جگہ کا علم ہو جائے مگر تمہارے لیے یہ بات دشوار ہوگی یہ ایک اچھی وصیت ہے باقاعدہ دستخط شدہ اور شہادت کے ساتھ لیکن شاید ہی کچھ گواہ بہم پہنچا سکو۔''

''اس پر بھی میں کچھ نہ بولی۔ اگر میں اس وقت ذرا بھی ہل سکتی تو بوڑھے چچا کو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالتی۔ وہ بدستور اپنے آپ ہی ہنستے ہوئے لیٹے رہے اور آخرکار بولے۔

''اچھا تو تمہیں یہ وصیت اچانک حاصل ہو سکتی ہے چونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم دونوں ساری شرائط پر کوشش کا آغاز کرو اور جان کسی حد تک اس قابل ہے کہ اس کتاب کا پتہ چلا سکے۔ لہٰذا میں تمہیں دو ایسی چیزیں بتاتا ہوں جو میں نے اسے نہیں بتائیں۔ وہ وصیت انگریزی میں ہے لیکن تم اسے کبھی دیکھ لو تو بھی اس بات کو جان نہ جاؤ گی۔ یہ تو ہوئی ایک بات اور دوسری یہ کہ جب میں چل بسوں تو تمہیں میری میز کی دراز سے ایک لفافہ ملے گا جس پر تمہارا نام لکھا ہوگا۔ اس لفافہ میں ایک ایسی چیز ہوگی جو تمہارے لیے اس کتاب کی تلاش میں مددگار ثابت ہوگی بشرطیکہ تم ذرا عقل سے کام لو۔''

''چند گھنٹوں کے بعد چچا میاں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اگرچہ میں نے اس کے متعلق جان ایلڈرڈ سے درخواست کی۔''

''جان ایلڈرڈ؟'' قطع کلامی معاف مسز سمپسن میرا خیال ہے کہ میں ایک مسٹر جان ایلڈرڈ کو جانتا ہوں کیسا حلیہ ہے ان کا؟''

''میں نے تو کوئی دس سال سے اسے نہیں

دیکھا اب وہ ایک معمر اور اکہرے بدن کا آدمی ہوگا۔ اور اگر اس نے مونچھیں منڈوا نہیں لیں تو اس کی کافی بڑی مونچھیں ہوں گی جنھیں عام طور پر گل مونچھ کہا جاتا ہے۔"

"اچھا تو پھر یہ وہی صاحب ہیں۔"

"لیکن آپ اس سے کہاں ملتے تھے مسٹر گیرٹ؟"

"میں نہیں جانتا تو میں آپ کو کیا بتاؤں۔" گیرٹ نے قصداً بات کو چھپانے کی غرض سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ان سے کسی عام جگہ پر ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن آپ کی بات تو ابھی ختم نہیں ہوئی۔"

"مجھے اب زیادہ کچھ نہیں کہنا سوائے اس کے کہ ان ایلڈرڈ نے میرے خطوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تبھی سے اسے جاگیر پر اکیلا ہی قابض چلا آ رہا ہے۔ اس اثنا میں ہم ماں بیٹی نے یہاں مکان کے کمروں کو کرائے پر دینے کا دھندا شروع کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ کام بڑا ناخوشگوار ثابت ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔"

"لیکن اس لفافے کے متعلق تو آپ نے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"واقعی میں اسے بھول گئی تھی۔ اسی کا تو سارا معمہ ہے میری میز کے دراز سے وہ کاغذ تو مسٹر گیرٹ کو دینا۔"

یہ ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس پر صرف پانچ ہندسے لکھے ہوئے تھے ان کے درمیان نہ تو کچھ فاصلہ تھا نہ ان میں کوئی اوقاف لگے ہوئے تھے۔

۱۱۲۳۴۔

گیرٹ نے چند لمحے ان ہندسوں کو غور سے دیکھا۔ معاً اس کی آنکھوں میں کچھ حیرانی جھلکی پھر اس نے منہ بناتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیا آپ کے خیال میں مسٹر ایلڈرڈ کو اس کتاب کے بارے میں آپ سے زیادہ معلومات ہیں؟"

"میں بعض اوقات سوچتی ہوں کہ وہ ضرور زیادہ جانتا ہوگا۔" مسز سمپسن نے کہا۔

"اور وہ اس طرح کہ چچا نے وہ وصیت اپنی وفات سے زیادہ دیر پہلے نہ بنائی ہوگی (جیسا کہ میرے خیال میں انھوں نے خود ہی واضح کر دیا تھا) اور اس کے فوراً بعد انھوں نے کچھ کتابیں خود ہی آتے ہوئے پہلے تو وہ ہچکچاتا رہا تھا لیکن پھر اسے یہ یاد ہی نہ رہا کہ وہ مسز سمپسن سے ایلڈرڈ کی رہائش کا پتہ پوچھ لیتا۔ تاہم اس امر کا امکان تھا کہ وہ انھیں خط لکھ کر پوچھ لے گا۔

کم از کم کاغذ پر درج شدہ ہندسوں میں اس کے لیے سراغ موجود تھا۔ اگر وہ کسی ایسے حوالہ نمبر کو ظاہر کرتے تھے جو اس کی لائبریری کی کسی کتاب کا ہو تو اس کا مطلب یہ تھا کہ چند ہی کتابوں کے متعلق چھان بین کرنی پڑے گی۔ ممکن ہے یہ ہندسے اس طرح تقسیم ہوتے ہوں۔ ۳۴، ۳پ، ۱، ۴۱، ۳۳، ۱۱ یا ۳۴، ۳، ۱۱۔ وہ ان سب نمبروں کو تھوڑی ہی دیر میں جانچ سکتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی کتاب موجود نہ ہوئی تو اس کا سراغ لگایا جا سکتا تھا۔

اگرچہ کچھ منٹوں تک اسے اپنے مکان کی مالکہ

اور اپنے ساتھیوں کو اپنی جلد واپسی کی وجہ بتانی پڑیں تاہم وہ جلدی سے اپنے کام پر لگ گیا۔ حوالہ نمبر ۴۴،۱۳،۱۰ کی کتاب اپنی جگہ پر ہی تھی اور اس میں کوئی خارجی تحریر نہ تھی۔ اسی گیلری میں جب وہ شعبہ ۱۱ کی طرف بڑھا تو اسے وہاں کپکپی سی محسوس ہوئی لیکن وہ متعلقہ الماری کی طرف بڑھتا گیا۔

۴،۳۳،۱۱ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد (جو کہ بالکل نئی کتاب تھی) اس نے ان کتابوں کی طرف نظر دوڑائی جو ۴،۱ اپ والے خانوں میں بھری ہوئی تھیں۔ جس خلا کا اسے خدشہ تھا وہ وہاں موجود تھا۔ نمبر ۴۴ غائب تھی۔ لحہ بھر اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں وہ کتاب غلط جگہ تو نہیں رکھ دی گئی۔ لیکن وہ واقعی الماری میں نہ تھی وہ ڈیوڑھی میں جا پہنچا۔

''۴۴،۳،۱ اپ نمبر کی کتاب نکلی ہوئی ہے؟ کیا تمہیں اس نمبر کا کچھ پتہ ہے؟''

''نمبر کا پتہ؟ مگر مسٹر گیرٹ بہتر ہے کہ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ خود کارڈوں میں تلاش کر کے دیکھ لیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ مسٹر ایلڈرڈ پھر تو نہیں آئے؟ وہ عمر رسیدہ صاحب جو اس روز آئے تھے جب میں بیمار پڑا تھا کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو۔''

''میں نے اس دن اسے دیکھا تو تھا لیکن وہ اس کے بعد کبھی نہیں آئے یعنی جب سے نکال دی ہوں گی کتاب۔ لیکن ان کی تمام کتابوں کی بڑی باقاعدگی سے فہرست بنی ہوئی تھی جواب جون کے پاس ہے۔ اور جون نے اس بات کا بڑا خیال رکھا تھا کہ کوئی کتاب کسی بھی طرح مکان سے نکلنے نہ پائے۔ مجھے پتہ چلا کہ وہ ہمیشہ مختلف کتب فروشوں اور لائبریریوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس سے خیال گزرتا ہے کہ اس نے فہرست کی مدد سے ضرور پتہ چلا لیا ہوگا کہ چچا کی کتابوں میں سے کون کون سی کتابیں غائب ہیں۔ اور وہ ضرور ان کے لیے سرگرداں ہوگا۔''

''واقعی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔'' گیرٹ نے کہا اور وہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

اگلے ہی دن گیرٹ کو ایک خط موصول ہوا جس کے بعد اس نے مسز تھمپسن کو بڑے افسوس کے ساتھ بتایا کہ اسے کسی ضروری کام کی وجہ سے برنسٹو کے قیام کو قطع کرتے ہوئے واپس جانا پڑ گیا ہے۔

وہ ان سے رخصت ہوتے وقت قدرے ملول تھا (انھیں بھی کم از کم اس سے جدا ہونے کا افسوس تھا) اس نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ایک بحران جو مسز تھمپسن کے لیے (اور مس تھمپسن کے لیے بھی؟) بڑی اہمیت رکھتا تھا اچانک طور پر سامنے آ چکا تھا۔

ریل گاڑی میں گیرٹ کو بڑا اضطراب اور جوش محسوس ہوتا رہا۔ اس نے اپنے ذہن پر زور دیا کہ کہیں مسٹر ایلڈرڈ کی مطلوبہ کتاب کا حوالہ نمبر ان ہندسوں سے ملتا جلتا تو نہیں ہے جو مسز تھمپسن کے پاس ایک کاغذ کے پرزے پر لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اسے یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ گزشتہ ہفتے کے صدمے نے واقعی اس کے دماغ کو اس حد تک متاثر کیا تھا کہ وہ نہ تو اس کتاب کے حوالہ نمبر یا اس کی نوعیت کے بارے میں کچھ یاد کر سکا اور نہ وہ مقام ہی یاد آیا جہاں وہ اس کتاب کی تلاش میں گیا

تھا۔ البتہ لائبریری کے دوسرے تمام حصے حسب سابق اس کے ذہن میں اچھی طرح محفوظ تھے۔

اور دوسری بات جسے سوچ کر اسے اپنے آپ پر قدرے غصہ بھی آیا تھا یہ تھی کہ آپ نے چھٹی لی ہے میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ البتہ رابرٹس کو شاید معلوم ہو۔ رابرٹس تمھیں ایلڈرڈ کا نام یاد ہے؟''

یعنی وہ صاحب جنھوں نے پارسل کے خرچ کے لیے کچھ رقم بھیجی تھی انھیں وہ کتاب بھیجی جا چکی ہے۔

''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے مسٹر ایلڈرڈ کو کوئی کتاب بھیجی تھی۔ بتاؤ کیا وہ کتاب انھیں بھیج چکے ہو۔''

''دیکھیے مسٹر گیرٹ اگر کوئی بھلا آدمی کسی کتاب کے لیے باضابطہ طور پر فرمائش بھیجے اور سیکرٹری کا حکم ہو کہ کتاب بھیج دی جائے اور پھر فرمائش کے ساتھ پارسل کے لیے اتنی رقم بھی ارسال کر دی گئی ہو تو مسٹر گیرٹ' میں یہ سوال پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ کیا کریں گے؟ آپ اس کی تعمیل کرنے کے پابند ہوں گے یا نہیں' یا محض اس بارے معاملے کو نظر انداز کر دیں گے۔''

''تم نے واقعی ٹھیک کیا ہے ہوگسن۔ تمھیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ کیا تم مجھے وہ پرچی دکھا سکتے ہو جو مسٹر ایلڈرڈ نے بھیجی تھی اور اس کے ساتھ ہی مجھے ان کا پتہ بھی بتا سکو گے؟''

''ضرور مسٹر گیرٹ۔ مجھے لاف زنی کرنے کی عادت نہیں ہے۔ میں جہاں تک ممکن ہوا آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔ کتاب کا کارڈ تو فائل میں ہے۔ جے الڈرڈ ۳۴،۳ اپ۔ کتاب کا نام تلمود یا پتہ نہیں کیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی ناول نہیں ہے اور اس کے ساتھ ہی مسٹر ایلڈرڈ کا رقعہ جس میں انھوں نے اس کتاب کے لیے فرمائش کی تھی۔''

''شکریہ لیکن وہ پتہ؟ اس رقعے میں تو اس کا کوئی ذکر نہیں۔''

''ہاں' واقعی ذرا ٹھہریں مسٹر گیرٹ' وہ بھی مل سکتا ہے۔ فرمائش کے ساتھ ایک رقعے پر وہ پتہ بھی لکھا ہوا تھا جس پتے پر وہ کتاب بھیجی گئی ہے۔ اور اگر میں نے اس معاملے میں کوئی غلطی کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ پتہ ابھی اپنی چھوٹی کاپی میں درج نہیں کیا۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ اسے درج نہ کرنے کی معقول وجہ تھی اب نہ تو میرے پاس وقت ہے اور نہ آپ ہی فارغ ہوں گے کہ اس پتے کی ابھی تلاش کی جا سکے۔ یہ ایک معمولی سی کاپی ہے جس میں' میں وہ سب نام وغیرہ لکھ لیتا ہوں جو مجھے ضروری نظر آئیں۔ لیکن اگر میں اس میں تمام پتے درج نہ کر سکوں تو پھر اس کے رکھنے کا کیا فائدہ؟''

''بہت خوب' واقعی لیکن...... خیر شکریہ۔ وہ پارسل کب روانہ کیا تھا؟''

''آج صبح ساڑھے دس بجے۔''

''بہت خوب اور اس وقت ایک بجا ہے۔''

گیرٹ کچھ سوچتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ وہ پتہ کیسے معلوم کرے؟ مسز ٹمپسن کو تار بھیجا جائے۔ لیکن اس طرح جواب کا انتظار کرنے میں شاید ہی ریل

گاڑی چھوٹ جائے البتہ ایک اور طریقہ تھا۔ مسز سمپسن نے بتایا تھا کہ ایلڈرڈ کی رہائش مرحوم چچا کی جاگیر ہی میں ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو وصول شدہ خطوں کی کتاب میں سے پتہ چل سکتا ہے۔ اب تو کتاب کا نام بھی معلوم ہے لہٰذا اسے جلدی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد خطوں کا رجسٹر اس کے سامنے تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ بوڑھے میاں کی وفات تقریباً بیس سال پہلے ہوئی تھی۔ اس نے ۱۸۷۰ء کے قریب سے اندراجات کو دیکھنا شروع کیا۔ ۱۴ اگست ۱۸۷۵ء کا ایک اندراج مل گیا۔ لکھا تھا تلمود ذنڈو تھہ کا میثاق مع شرح' ایمسٹرڈم ۱۷۰۷ء عطیہ۔ جے۔ رینٹ ڈی۔ ڈی' سکنہ برٹیفیلڈ میز۔

ایک جغرافیائی فرہنگ سے معلوم ہوا کہ برٹیفیلڈ بڑی پٹری پر واقع ایک چھوٹے سٹیشن سے تین میل دور ہے۔ اب دربان سے یہ دریافت کیا گیا کہ جس جگہ وہ پارسل بھیجا گیا تھا اس کا نام برٹیفیلڈ ہی تھا یا کچھ اور۔

''ہاں ہمسٹر گیرٹ کچھ ایسا ہی نام تھا۔ بریڈفیلڈ یا برٹیفیلڈ۔''

یہاں تک تو معاملہ درست تھا۔ اس کے بعد ریلوں کا اوقات نامہ دیکھنا ضروری تھا۔ ایک گاڑی کوئی بیس منٹ بعد چلنے والی تھی اور لگ بھگ دو گھنٹے کا سفر تھا۔ یہی ایک سنہری موقع تھا جسے نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا اور گاڑی پکڑ لی گئی۔

اگر اس سفر میں اسے کامیابی نہ ہوئی تو واپسی پر اسے بڑی مایوسی ہوگی۔ اگر ایلڈرڈ سے ملاقات ہوگئی تو وہ کیا کر سکے گا۔ مثلاً پتہ چلا کہ یہ کتاب نایاب ہے۔ لہٰذا اس کی واپسی ضروری ہے؟ بالکل سفید جھوٹ۔ یا خیال تھا کہ اس کتاب میں کوئی اہم دستاویز رہ گئی ہے۔ ایلڈرڈ اسے جب وہ کتاب دکھائے گا تو اس میں سے اس نے وہ ورق پہلے ہی پھاڑ لیا ہوگا۔ شاید اسے نکالے ہوئے صفحے کا سراغ مل جائے۔ غالباً کتاب کے شروع یا آخر میں سے کوئی سادہ ورق پھٹا ہوگا۔ اور ایلڈرڈ نے اگر یہ کہہ دیا کہ وہ ورق کتاب میں سے پہلے ہی پھٹا ہوا تھا تو کون اسے جھٹلا سکے گا؟ بہرحال یہ تعاقب بظاہر بڑا مایوس کن تھا۔ البتہ ایک موقع ممکن تھا۔ وہ کتاب صبح ساڑھے دس بجے لائبریری سے بھیجی گئی تھی جو غالباً گیارہ بج کر بیس منٹ پر چلنے والی گاڑی سے نہیں گئی ہوگی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حسن اتفاق سے کتاب کے ساتھ ہی منزل مقصود پر پہنچے گا اور وہاں جا کر وہ ایک ایسی کہانی بنا کر پیش کرے گا کہ ایلڈرڈ اسے واپس کرنے پر مائل ہو جائے۔

جب وہ اس سٹیشن کے پلیٹ فارم پر اترا تو شام ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا۔ بہت سے دیہاتی سٹیشنوں کی طرح وہاں قدرتی طور پر خاموشی طاری تھی دو ایک مسافر جو اس کے ساتھ ہی اترے تھے اس نے ان کے چلے جانے تک انتظار کیا اور اس کے بعد سٹیشن ماسٹر سے دریافت کیا کہ مسٹر ایلڈرڈ ان دنوں اسی علاقے میں موجود ہیں۔

''جی ہاں' اور میرا خیال ہے کہ ان کی رہائش یہاں سے بہت قریب ہے وہ شاید ایک پارسل کے بارے میں پوچھنے بھی آئے تھے۔ کیونکہ آج وہ ایک بار آ چکے ہیں؟'' (ایک قلی سے پوچھا گیا)۔

''ہاں جناب وہ آئے تھے۔ انھیں اس بات کا گلہ تھا کہ پارسل دو بجے تک کیوں نہیں آیا۔ خیر اب وہ پارسل آ چکا ہے اور میرے پاس ہے۔ اس کے ساتھ ہی قلی نے ایک چوکور پارسل دکھایا جسے ایک نظر دیکھنے سے گیرٹ کو یقین ہو گیا کہ اس میں وہی چیز ہے جو اس وقت اس کے لیے بے حد اہمیت رکھتی ہے۔

''برٹیفیڈ جناب؟ ہاں...... وہ یہاں سے تین میل ہے۔ اگر ان کے سامنے کے کھیتوں میں سے گزریں تو نصف میل کا فاصلہ کم ہو جائے گا۔ یہ لیجیے مسٹر ایلڈرڈ کی گاڑی چلی آ رہی ہے۔''

گیرٹ نے سٹیشن کے چھوٹے سے آنگن کو عبور کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک چھوٹی سی گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی جس میں دو شخص بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک کو تو اس نے آسانی سے پہچان لیا۔ اگر ایلڈرڈ خود گاڑی پر تھا تو یہ بات قدرے اس کے حق میں تھی' کیونکہ غالب خیال یہی تھا کہ وہ اپنے ملازم کی موجودگی میں پارسل نہ کھولے گا۔ بلکہ پارسل کو لیتے ہی جلد از جلد گھر پہنچے گا اور اگر گیرٹ وہاں اس کے پہنچنے کے چند منٹ بعد نہ جا پہنچا تو سب کچھ ہو چکا ہو گا۔ اسے جلدی کرنی چاہیے۔

واقعی اس نے ایسا ہی کیا۔ کھیتوں میں سے ہوتا ہوا وہ گاڑی سے بہت آگے جا پہنچا جبکہ گاڑی کو نسبتاً کافی زیادہ راستہ طے کرنا تھا اور پھر اسے کچھ دیر سٹیشن پر رکنا بھی تھا۔ اس طرح گیرٹ ابھی آخری کھیت کو عبور کر رہا تھا کہ گاڑی کے پہیوں کی آواز قریب ہی سنائی دی۔ اس نے حتی الامکان بروقت وہاں پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن گاڑی جس رفتار سے چلی آ رہی تھی اس سے اسے مایوسی ہوئی۔ اس رفتار سے تو گاڑی اس سے دس منٹ پہلے ہی مکان پر پہنچے گی اور دس منٹ مسٹر ایلڈرڈ کے منصوبے کی تکمیل کے لیے کافی زیادہ ہوں گے۔

بالکل یہی وقت تھا جب حالات نے پلٹا کھایا۔ شام پرسکون تھی اور آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ گاڑی کے ٹھہرنے کی آواز سے زیادہ اور شاید ہی کوئی آواز اس کے لیے راحت بخش ہو سکتی تھی۔ کچھ بات سنائی دی اور گاڑی پھر چلنے لگی۔ اس نے گہری تشویش سے گاڑی کو اس باڑ کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا جہاں وہ اب کھڑا تھا۔

گاڑی میں ایڈرڈ نہ تھا بلکہ صرف اس کا ملازم ہی تھا۔ اس نے مزید دیکھا کہ ایلڈرڈ پیچھے کچھ فاصلے پر پیدل چلا آ رہا تھا۔ اونچی کٹیلی باڑ کے عقب سے اس نے سڑک کی طرف نگاہیں دوڑا کر دیکھا کہ گٹھیلے بدن کا چاق و چوبند ایلڈرڈ ایک پارسل بغل میں دبائے چلا آ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی جیب میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

جونہی وہ گیرٹ کے قریب سے گزرا، کوئی چیز اس کی جیب میں سے گھاس پر گری لیکن اس کی آہٹ اس قدر مدھم تھی کہ ایلڈرڈ کو اس کا علم نہ ہوا۔ گیرٹ نے دبے پاؤں باڑ کے پیچھے سے نکل کر وہ چیز اٹھالی۔ یہ دیا سلائی کی ڈبیا تھی۔ ایلڈرڈ چلتا رہا اور اس کے بازو تیزی سے حرکت کرتے رہے۔ سڑک کے کنارے اگے ہوئے درختوں کے سائے کی وجہ سے وہ ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

گیرٹ بڑی احتیاط سے اس کا پیچھا کرتا رہا اور اسے جلدی پتہ چل گیا۔ رسی کا ایک ٹکڑا اور پھر وہ کاغذ جس میں کتاب لپٹی ہوئی تھی ایک جھاڑی کے پاس پڑے نظر آئے۔

اب ایلڈرڈ دھیمی چال سے چلنے لگا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کتاب کھول لی ہے اور وہ ان کے ورق الٹ رہا ہے ایک جگہ وہ رک گیا۔ بظاہر شام کی تاریکی بڑھنے سے اسے دقت پیش آ رہی تھی۔ گیرٹ بچتا ہوا ایک دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔ مگر وہ اب بھی چوکسی سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایلڈرڈ نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا اور وہیں سڑک کے کنارے ایک کٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ کر کھلی ہوئی کتاب آنکھوں کے قریب کر کے اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اچانک اس نے وہ کتاب اپنے گھٹنوں پر رکھ لی جواب بھی کھلی ہوئی تھی اور اپنی جیبوں میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے مایوسی ہوئی اور وہ واضح طور پر کچھ برہم بھی ہوا۔

''اسے اس وقت ماچس مل جاتی تو خوشی ہوتی۔'' گیرٹ نے سوچا۔ اس کے بعد ایلڈرڈ نے ایک ورق کو پکڑا اور اسے بڑی احتیاط سے پھاڑنے ہی لگا تھا کہ دو باتیں دیکھنے میں آئیں۔ ایک تو یہ کہ بظاہر کوئی سیاہ چیز سفید ورق پر گری اور پھر جب ایلڈرڈ نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ درخت کے تنے کے عقبی سائے سے کوئی سیاہ صورت نمودار ہوئی اور اس کے دو بازو کوئی سیاہ چیز لیے ہوئے دفعتاً ایلڈرڈ کے چہرے کے سامنے آئے جنھوں نے اس کے سر اور گردن کو ڈھانپ دیا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو ہلے لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ اور پھر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ایلڈرڈ تنہا تھا وہ پیچھے گھاس پر گر چکا تھا اور کتاب لڑھک کر پرے جا پڑی تھی۔

یہ ہولناک منظر دیکھ کر گیرٹ کا غصہ اور شک لمحہ بھر میں کافور ہو گیا۔ اس نے سڑک پر آ کر چلانا شروع کر دیا۔

''مدد..... مدد۔'' یہ دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا کہ قریبی کھیت سے ایک مزدور بھی فوراً وہاں آ پہنچا تھا۔ دونوں نے ایلڈرڈ کو سہارا دینا چاہا لیکن انھوں نے جھک کر دیکھا کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ واقعی مر چکا تھا۔

''بیچارے چل بسے۔'' گیرٹ نے مزدور سے کہا۔ انھوں نے ایلڈرڈ کو پھر لٹا دیا۔

''انھیں کیا ہوا۔ تمھیں کچھ پتہ ہے؟''

''میں کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔'' اس نے

کہا۔

''جب میں نے جاگیردار ایلڈرڈ صاحب کو یہاں بیٹھ کر کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ انھیں کوئی دورہ پڑا ہے۔ چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا ہے۔''

''واقعی۔'' گیرٹ نے کہا۔

''ان کے قریب تو کوئی نہ تھا؟ یعنی کسی شخص نے ان پر حملہ تو نہیں کیا؟''

''ایسا کیونکر ممکن ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو ہم میں سے کسی کو ضرور دکھائی دیتا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ خیر اب ہمیں کچھ بندوبست کرنا چاہیے یعنی کسی ڈاکٹر یا پولیس کو اطلاع دی جائے اور شاید بہتر یہی ہے کہ یہ کتاب بھی پولیس کے سپرد کر دی جائے۔''

صاف ظاہر تھا کہ اس معاملے کی عدالتی تحقیقات ہو اور یہ بھی ضروری تھا کہ گیرٹ کو اپنی شہادت دینے کے لیے برٹیفیلڈ ہی میں قیام کرنا پڑتا۔ طبی رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ اگرچہ متوفی کے چہرے پر اور منہ میں کچھ سیاہ سا غبار پایا گیا تھا تاہم موت گلا گھونٹنے سے واقع نہیں ہوئی بلکہ اس کا باعث کمزور دل کو صدمہ پہنچنا تھا۔ وہ منحوس کتاب بھی پیش کی گئی۔ یہ ایک بڑی عبرانی زبان میں چھپی ہوئی کتاب تھی اور کسی بھی لحاظ سے یہ ممکن نہیں تھا کہ حساس ترین شخص کو بھی اس سے صدمہ پہنچے گا۔

''مسٹر گیرٹ آپ کا کہنا ہے کہ متوفی پر جب حملہ کیا گیا تو وہ اس لمحے اس کتاب میں سے کوئی ورق پھاڑ رہا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ کتاب کے بیرونی سادے ورقوں میں سے کوئی ورق تھا۔''

''ایک ایسا ورق ہے تو سہی جو تھوڑا سا پھٹا ہوا ہے۔ اس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے کیا آپ اسے ذرا ملاحظہ کریں گے۔''

''اس پر تین نام انگریزی میں لکھے ہوئے بھی ہیں اور تاریخ بھی لکھی ہوئی ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں عبرانی تحریر نہیں پڑھ سکتا۔''

''شکریہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں دستخط کیئے گئے تھے۔ یہ ہیں جون رنٹ' والٹر گبن اور جیمز فراسٹ۔ اور تاریخ ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۸۷۵ء کیا یہاں کوئی ان میں سے کسی صاحب کو جانتا ہے؟''

اس موقعے پر حلقے کا پادری بھی موجود تھا جس نے رضاکارانہ طور پر بیان دیا کہ متوفی کے چچا کا نام رنٹ تھا اور وہ کسی کی جاگیر کا وارث تھا۔

کتاب اسے دکھائی گئی تو اس نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

''اس قسم کی عبرانی زبان تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔''

''آپ کو یقین ہے کہ یہ عبرانی زبان ہے؟''

''کیا؟ جی ہاں۔ میرا خیال ہے مگر نہیں جناب آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یعنی آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ واقعی یہ عبرانی زبان نہیں ہے۔ انگریزی ہے اور یہ ایک وصیت ہے۔''

اس کے بعد یہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ

واقعی ڈاکٹر جون رینٹ ہی کی وصیت تھی جس میں ان کی سب جائیداد جس پر جکلن ایلڈرڈ کا قبضہ تھا مسز میری کمپسن کے نام کی گئی تھی۔

اس دستاویز کے انکشاف سے واضح طور پر مسٹر ایلڈرڈ کے صدمے کا جواز پیدا ہو گیا۔ اس مقدمے کی تحقیقات کرنے والے افسر نے جزوی طور پر پھٹے ہوئے ورق کے متعلق رائے دی کہ ایسی قیاس آرائی سے کوئی بھی مفید مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جن کی صداقت بھی بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

''نڈوتھ کا میثاق۔'' نامی کتاب متعلقہ افسر نے مزید تحقیقات کی غرض سے اپنی تحویل میں لے لی۔ مسٹر گیرٹ نے بعد میں اپنے طور اسے اس معاملے کے پس منظر کی وضاحت کے لیے کسی حد تک اس کی تاریخ بتائی اور بعد میں اپنی معلومات اور قیاسات سے آگاہ کیا۔

اگلے دن وہ اپنے کام پر واپس آنے کے لیے چل پڑا اور اسٹیشن کی طرف جاتے ہوئے اسی جگہ کے پاس سے گزرا جہاں مسٹر ایلڈرڈ کو سانحہ پیش آیا تھا۔ وہ اس جگہ کو دوبارہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔ اگرچہ جو کچھ اس نے وہاں دیکھا تھا اس کے تصور سے بھی وہ کانپ اٹھا تھا حالانکہ اب دن کی روشنی تھی۔ اس نے کٹے ہوئے درخت کے اردگرد شک بھری نگاہ سے دیکھا۔ کوئی سیاہ سی چیز اب بھی وہاں پڑی ہوئی تھی جسے دیکھتے ہی وہ لمحہ بھر کے لیے گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ زیادہ قریب ہو کر اس نے دیکھا کہ وہ لکڑیوں کے سیاہ بیز جالوں کا مجموعہ تھا۔ اور جونہی اس نے اپنی چھڑی سے اسے ڈرتے ڈرتے ہلایا بہت سی بڑی بڑی مکڑیاں اس میں سے نکل کر گھاس میں دوڑنے لگیں۔

اور اب ان مدارج کا تصور کرنا مشکل بات نہیں ہے جن میں سے گزر کر ولیم گیرٹ نے لائبریری کے ایک معاون کی حیثیت سے بڑھ کر برٹیفیلڈ جاگیر کے موجودہ مالک کی حیثیت اختیار کی جو ان دنوں اس کی ساس یعنی مسز میری کمپسن کے تصرف میں ہے۔

عورت

- ماں عورت کے روپ میں باعثِ جنت ہے۔
- عورت بیٹی کے روپ میں باعثِ رحمت ہے۔
- عورت بہن کے روپ میں باعثِ عزت ہے۔
- عورت بیوی کے روپ میں باعثِ سکون ہے۔
- عورت آسمانی اور دنیوی آخری تحفہ ہے۔
- عورت باوفا بھی ہے اور بے وفا بھی۔
- عورت نرم دل بھی ہے اور سنگدل بھی۔
- عورت چاردیواری کی زینت ہے نہ کہ بازار کی۔





مقصود احمد قادری

دعا بھی کیا عجیب وغریب لفظ ہے۔ جو زبان سے نکلتے ہی دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور اپنے دامن میں عجز وانکساری' احساس ندامت' ایثار وہمدردی اور عفوودرگزر کے انمول موتی لیے بیٹھا ہے اور ساتھ ساتھ رعونت' تکبر' نخوت' نفس پرستی کا جذبہ اور معاشرتی رقابتیں یکسر نست ونابود ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ انسان کے دل ودماغ میں ایک نئی سوچ' نیا عزم' نیا جذبہ' نئی کلوش اور نیا شعور جنم لیتا ہے۔ گویا سارا جسم دم میں پستیوں سے نکل کر بلندیوں کی سمت پرواز کرنے لگتا ہے اور روحانی لذت سے دل کو طمانیت اور اطمینان کی بے پایاں دولت ہاتھ آتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے خفت وندامت کے لاتعداد موتی جو دعا کے دوران اللہ رب العزت کی عظیم بارگاہ میں عقیدت ومحبت اور عجز وانکساری کے ساتھ پیش کیے تھے۔ وہ تمام کے تمام قبول ہو چکے ہیں۔

سائل کا دعا مانگنے کا انداز فکر جس قدر حلیمانہ' مخلصانہ' انکسارانہ اور نیاز مندانہ ہوگا اسی قدر دعا جلد قبول ہوگی۔ یاد رکھو جب کسی سائل کی آنکھ سے ندامت کے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ نگاہیں بے تابی سے سوئے فلک کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ جسم عذاب الٰہی سے لرزنے لگتا ہے۔ دل تڑپتا ہے۔ لب عجز کہتے ہوئے فریاد کرنے کی خاطر کھلتے ہیں۔ انسان جب جسمانی اور روحانی طور پر دعا کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس کے احساسات' جذبات اور محسوسات دینی ہوتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی دوہی اور تفریق کو اپنے پاؤں تلے روندھتا چلا جاتا ہے۔ پے در پے رحمتوں کے پیغام آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ اس کے ہر لفظ پر آمین کہتے محسوس ہوتے ہیں اور اس کے لب خود بخود پکارنے لگتے ہیں کہ۔

''الٰہی! میری آنکھیں اس قابل نہیں کہ اوپر اٹھ سکیں۔ زبان اس لائق نہیں کہ کچھ اپنے جرموں کی فہرست تیرے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر سکے۔ سارا جسم تو سنگین گناہوں تلے دبا ہوا ہے۔ ایسے عالم میں فقط ایک تیری وسیع تر رحمت کا سہارا ہے۔''

اے پروردگار دو عالم!

آج ہمارے گناہوں سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں کو نہ دیکھ۔ جو معافی کی خاطر تیری عظیم بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہیں۔ ان مقدس' طیب' طاہر اور عظیم ہاتھوں کے صدقے ہماری لاج رکھ لے۔ جو اُمت عاصی کی خاطر شب وروز سرکار دو عالم ﷺ کے

آنسوؤں سے لبریز اٹھا کرتے تھے۔ ان ہاتھوں کے صدقے جو اس وقت بیت اللہ شریف اور مسجد نبویؐ میں دعا کی خاطر اٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے گناہ کبیرہ وصغیرہ بخش دے۔ ان لبوں کے صدقے جو بیت اللہ کو دیکھ دیکھ کر "سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم" کا وظیفہ کر رہے ہیں۔ سرکار مدینہ ﷺ کے مزار اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر ادب واحترام احساس واشتیاق اور محبت وعقیدت کے ساتھ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللّٰہ" کے پیارے پیارے ترانے گا رہے ہیں۔ ہمارے دلوں کو سلام کے نور سے منور کر دے۔

اے اللہ العالمین!

وہ پاکیزہ نگاہیں جو اس وقت بیت اللہ روضہ انور اور مدینہ طیبہ کے نظاروں کے ذوق وشوق کے ساتھ والہانہ انداز میں طواف کر رہی ہیں۔ ان کے صدقے ہماری قبر کی منزلوں کو آسان فرما دے۔ سب جہانوں کے مالک! تیرے خوف سے صالحین کے بیت اللہ میں بہنے والے ندامت کے آنسوؤں اور مسجد نبوی ﷺ میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت میں بہنے والے تشکر کے آنسوؤں کے صدقے ہمارا ظاہر پاک کر دے ہمارا باطن پاک کر دے ہمارے خیالات پاک کر دے ہمارے جذبات پاک کر دے ہمارے احساسات پاک کر دے ہمارا ماحول پاک کر دے ہمارا ماضی پاک کر دے ہمارا مال پاک کر دے اور ہمیں مستقبل میں پاک وصاف رہنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارے لیے ہماری حقیقی منزل تک پہنچنے کے راستے آسان کر دے۔

اے رب العزت!

ان عظیم اور مقدس ذروں کے صدقے جنہوں نے پے در پے سلطان معظم، شفیع مکرم، سرکار کائنات، فخر موجودات، حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کے متعدد بار قدم پاک کے بوسے لیے ہیں۔ ہمیں بھی دیار اقدس کی حاضری کا شرف عطا فرما۔ اے اللہ! بیت اللہ شریف کی عزو حرمت اور روضہ اقدس کے احترام وتقدس کے صدقے ہماری جسمانی، روحانی، ظاہری اور باطنی بیماریوں کو اپنے فضل کرم سے دور فرما۔ حجاز مقدس کی جانب قافلوں کے اٹھتے قدموں کے صدقے ہمارے دلوں میں شریعت مطہرہ کی محبت فرما۔

سب جہانوں کے پالنے والے!

اپنی وسیع رحمت کے صدقے ہمارے مراتب میں رفعت عطا فرما، علم وعمل میں برکت فرما، حسن میں پھولوں کی لطافت فرما، کردار میں عظمت فرما، صالح اعمال میں کثرت فرما، زبان میں صداقت فرما، آنکھوں کو دولت عصمت عطا فرما، زمانے کی امامت فرما، دنیا میں عزت وشوکت فرما، صالحین کی صحبت فرما، طبیعت میں انکساری اور ظرافت فرما، کفار پر نصرت فرما، دلوں میں رقت فرما، سوز میں حلاوت فرما، آخرت میں نجات فرما، ہمارے حال پر رحمت فرما، نیک ارادوں میں استقامت فرما، اپنے اور غیروں کی نظر میں عزت فرما، بزرگوں کی سی عظمت فرما، مراتب میں رفعت فرما، دین کی جانب راغبت فرما، قبروں میں راحت فرما، حج وعمرہ کی سعادت فرما، ترقی کی ہمت فرما، عزم میں استقامت فرما، جذبہ

خدمت میں خلق کی ہمت فرما اور اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرما۔

اے اللہ المین!

ہماری چال میں اعتدال پیدا کردے' کردار میں کمال پیدا کردے' سیرت وصورت میں جمال پیدا کردے' نظروں میں جلال پیدا کردے' دوستوں کے دلوں میں وقار پیدا کردے' سب کی خاطر ہی دلوں میں جذبہ احساس اور ایثار پیدا کردے۔

اے رب قدوس!

اپنی خاص رضا عطا فرما' آزمائش کے وقت پاکیزہ نگاہ عطا فرما' سرکار دو عالم ﷺ کی جود وسخا اور لطف وعطا عطا فرما۔

اے اللہ! ہمیں ایسی توفیق عطا فرما کہ ہم کلام کریں تو فقط تیرے لیے' سوچیں تو تیرے لیے' کام کریں تو تیری رضا کے لیے' اپنوں سے محبت کریں تو تیرے لیے' غیروں سے نفرت کریں تو صرف اور صرف تیرے لیے' چلیں تو تیرے لیے' کبھی جو رکیں تو تیرے لیے' سر اٹھائیں تو تیری ہی بارگاہ میں' سر جھکائیں تو تیرے ہی آگے' اسلام کا پرچار کریں تو تیری ہی ثنا کے لیے' ہاتھ اٹھیں تو فقط دعا کے لیے' ہاتھ بڑھیں تو جود وسخا کے لیے' قدم اٹھیں تو غریبوں کی وفا کے لیے' ہم جئیں تو تیری عطا کے لیے اور مریں تو تیری رضا کے لیے۔

مولا!

اپنے بندوں پہ شب وروز موسلا دھار بارش کی مانند برسنے والی رحمت کے فضل کو وسیع تر کرکے عطا کے فیوض وبرکات کے صدقے ہمارے عظیم اور سنگین گناہوں کو معاف فرما۔ ہماری عجز وانکساری کو دیکھ' بے قراری کو دیکھ اور آہ وزاری کو دیکھ۔ ہمارے گناہوں کے باعث اگر تو ہمیں سزا دے تو ہم واقعی سزا کے مستحق ہیں۔ مگر اگر تو ہمیں معاف کردے تو تیری مہربانی ہوگی کیونکہ تو غفور الرحیم ہے۔ گناہ کرنا انسانی خصلت ہے مگر معاف کرنا تیری پرانی عادت ہے۔ گناہگار بندوں اور معاف کرنے والی وسیع تر ذات کا کیا مقابلہ...... دیکھ ہم تیرے ہی گناہگار بندے ہیں' بدکردار ہیں' سیاہ کار ہیں' آخر تیرے ہی تو بندے تیرے در آئے ہیں سب در چھوڑ کر' سب سے منہ موڑ کر۔ فقط تیری رضا کے لیے' تجھے لاشریک اور رزاق سمجھتے ہوئے۔ عظیم بھیک کی خاطر اپنے دامن بچھا کر بیٹھے ہیں اور تجھے تیرے نیک دوستوں کا واسطہ دیتے ہیں۔ ظالموں' جابروں' فاسقوں اور منکر لوگوں کی بھی شفقت وپیار سے نوازنے والے رب! آج ہمیں بھی اپنی وسیع تر رحمت سے نواز دے۔ ہم تیری بارگاہ سے خالی ہاتھ نہ لوٹیں۔ ہمیں غیر طعنہ دیں گے خدا کے بندے خدا کی عظیم بارگاہ سے ناکام لوٹ آئے ہیں۔ میرے مالک! تیرے جود وسخا کے دامن پر حرف آئے گا۔ ان مقدس لمحات کے صدقے معاف کردے۔ ہم کو' ان کو بھی' جو اس وقت تیرے دربار میں نہیں آسکے کسی مجبوری کے تحت ابھی تک۔

اے ہمارے رب العزت! تیرا دامن رحمت سب کے لیے وسیع ہے' تیار ہے' آمادہ ہے' بے تاب ہے' گناہگاروں کو بخشنے کی خاطر' ہر لمحہ' ہر حال میں ہمیں آمادہ رکھ اپنی رضا کے لیے۔ خوشنودی مصطفےٰ ﷺ

کے لیے۔ اتباع اولیاء کے لیے' غریبوں کے جذبہ وفا کے لیے' بیماروں کی عیادت کی خاطر' اپنی عبادت کی خاطر' قبولیت کے لمحات میں' سحری کے اوقات میں' اکثر لوگ سوئے ہوئے ہیں تو جاگ رہا ہے۔ تیری رحمت جاگ رہی ہے اور ہم فریاد کر رہے ہیں۔ تیرے حضور عنایت عاجزی کے ساتھ' پیار کے ساتھ' احساس کے ساتھ' خلوص کے ساتھ' خفت و ندامت کے ساتھ۔ تو یقیناً سن رہا ہے' غور کے ساتھ' محبت کے ساتھ۔

الٰہی!

آج انتہائی رقت کے ساتھ بہنے والے آنسوؤں کی لاج رکھ لے۔ کل قیامت کے دن اپنوں اور غیروں کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ آج ہمیں ہدایت دے دے۔ آخر ہم پھر بھی تیرے بندے ہیں۔ گناہگار ہیں تو ہمیشہ سے معاف کرتا چلا آ رہا ہے اور معاف کرتا چلا جائے گا۔ ہمیں لغزشوں سے بھی درگزر فرما۔ اس وسیع محبت کے صدقے جو تیرے دل میں اپنے بندوں کے لیے ستر (70) ماؤں سے بھی زیادہ ہے۔

اے پروردگار عالم!

نبی کریم' رؤف الرحیم ﷺ نے طائف کے بازاروں میں کافروں سے پتھر کھا کر ان لوگوں کی ہدایت کے لیے جو عاجزی سے تیری بارگاہ میں دعائیں مانگیں تھیں۔ ان پرسوز اور مخلص دعاؤں کے صدقے میں ہماری بھی دعائیں قبول فرما۔ آپ ﷺ نے مطاف کعبہ میں جو عجز و انکساری کے ساتھ طویل سجدے کیے تھے ان سجدوں کے طفیل ہمارے بھی سجدے قبول فرما۔

ہمارے مالک!

تجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صداقت کا واسطہ ہے۔ حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کا واسطہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حیدر کردار کی شجاعت کا واسطہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ریاضت کا واسطہ ہے۔ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی عبادت اور طہارت کا واسطہ ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صبر و قناعت اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شہادت کے صدقے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے ہاتھوں اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے بکھری ہوئی سہرے کی لڑیوں کا واسطہ دیتا ہوں کہ ہمیں اپنی محبت اور خدمت خلق کا عظیم جذبہ عطا فرما۔ ہماری اولادوں کو نیک کر دے۔ عمر دراز کر دے ان کو دین اور دنیاوی علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے شفیق اور مہربان رب!

مینار کعبہ سے نکلنے والی مدھم مدھم نورانی شعاعوں کے طفیل' بیت اللہ شریف میں چلنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی متبرک ہواؤں کے طفیل' لگاتار برسنے والی رحمت کی گھٹاؤں کے طفیل' غلاف کعبہ سے اٹھنے والی خوشبودار ہواؤں کے طفیل' طواف کعبہ کرنے والے معصوم قدموں کے صدقے' حجر اسود میں منہ ڈالے تڑپتی ہوئی روحوں کے طفیل' مقام ملتزم پکڑ کر بے دریغ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کے صدقے' محراب رحمت تلے سر رکھ کر عاجزی سے کیے جانے والے

بے قرار سجدوں کے طفیل، مقام ابراہیم علیہ السلام پر کھڑے کھڑے قیام میں بے جان انسانوں کے صدقے، مقام زم زم پر نوافل گزارنے والی پیشانیوں کے طفیل اور صفا مروا کی سعی کرنے والوں کی کاوش اور عظیم جذبے کی خاطر ہماری ہر قسم کی نیک تمناؤں کو پورا فرما۔

اے خالق کائنات!

مسجد نبوی ﷺ ۔۔۔ ریاض الجنت، مقام صفہ، مقام تہجد اور منبر شریف کے قریب نوافل گزارنے، تلاوت کرنے اور ذکر واذکار کرنے والوں کے صدقے، سنہری جالی کے سامنے ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کے ساتھ درود وسلام پڑھنے والے کے طفیل سرکار دو عالم ﷺ کی دستار مبارک، آپ ﷺ کی کملی مبارک، زلف مبارک، نعلین مبارک اور گنبد خضریٰ کے صدقے ہمارے ظاہر کو پاک کردے۔ باطن کو پاک کردے، ماحول کو پاک کردے۔ اپنی وسیع تر رحمت کے صدقے، اس مقدس مہینے کی مقدس ساعتوں کے صدقے، حج اکبر کے دنوں میں میدان عرفات میں بہنے والے لاتعداد ندامت وخفت کے آنسوؤں کے صدقے، عرفات کے ذروں پر بیٹھ کر کیے ہوئے عہد وپیمان کے صدقے، ہمیں کماحقہ شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرکے دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

(آمین ثم آمین)

☆ طالب دعا...... مقصود احمد قادری

موبائل نمبر 0300-4775506

ملاپ نہ ہو سکا

تحریر......ارم ناز

یاد ماضی عذاب ہے یا رب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

کبھی کبھی انسان تو اپنی مرضی کرنا تو چاہتا ہے مگر خدا کی مرضی کے آگے اس کی نہ چلتی ہے۔ ایسے میں خدا کی رضا میں راضی اور خوش رہنا ہی سب سے بڑا شکرانہ ہے۔ لیکن ہم انسان ہوتے ہوئے یہ سمجھ نہیں پاتے...... یہ کہانی بھی ایک ایسے ہی کردار کی ہے اور یہ بالکل سچی کہانی ہے۔

مراد اور صائمہ آپس میں کزن تھے۔ صائمہ مراد کے ماموں کی بیٹی تھی۔ دونوں میں کب پیار ہوا اس بات کا تو پتہ نہیں...... لیکن ہاں جب پیار ہوا تو ایسا جیسے برسوں سے بس ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے اور اس بات کی خبران کے بڑوں کو بھی پہنچ گئی۔ گھر والے بڑے زمانے شناس تھے اور اس رشتے کے ہو جانے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔ سو دونوں کی منگنی کر دی گئی۔

صائمہ اور مراد ایک دوسرے کا ساتھ پا کر بہت خوش تھے۔ جیسے کل کائنات مل گئی ہو۔ لیکن صائمہ کی امی اس رشتے پر خوش نہ تھی وہ اپنی نند کے گھرانے میں کوئی نہ کوئی نقص نکالتی ہی رہتی تھی۔ پر اس کا شوہر اور بیٹی پوری طرح سے اس رشتے کے حق میں تھے تو اس کی ایک نہ چلتی تھی۔ خیر جیسے تیسے وقت گزرتا گیا اور آخر چھ (6) ماہ گزر گئے تو مراد نے کسی نہ کسی طرح ملک سے باہر جانے کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر لی اور صائمہ سے اپنے اور اس کے بہترین مستقبل کا کہہ کر اجازت لے لی کہ۔

''ایک سال بعد واپس آ کر شادی کروں گا اور شادی کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ ہی باہر لے جاؤں گا۔''

یہ جدائی دونوں کے لیے ہی بہت تکلیف دے تھی۔ لیکن اچھے مستقبل اور صائمہ کی ماں کی باتوں کے جواب میں یہ کرنا بہت ضروری تھا۔ پھر وعدوں اور سہانے مستقبل کے خوابوں کو آنکھوں سجائے مراد امریکہ چلا گیا۔ مراد اور صائمہ نے اس وعدے اور اعتبار کے ساتھ جدائی کے دن گزارا شروع کر دیئے کہ جلد ہی ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائے گے۔

٭٭٭

مراد کو امریکہ گئے پانچ (5) ماہ ہو گئے تھے اور وہ وہاں کی شہریت حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا اور صائمہ سے باقاعدہ رابطے میں تھا کہ آخر ایک دن صائمہ کی ماں نے چھوٹی سی بات پر اپنی نند سے بہت بڑا جھگڑا مول لے لیا اور بات اتنی بڑھی کہ اس نے اپنی بیٹی اور شوہر کی ایک نہ چلنے دی اور رشتہ ختم کر دیا۔

صائمہ تو جیسے ٹوٹ کر رہ گئی اور مراد کا جو حال تھا



بیان سے باہر تھا۔ ایک تو وہ پردیس میں اپنوں سے دور تھا اور دوسرا اس کی محبت اس سے چھین لی گئی تھی۔ حالات ایسے تھے وہ امریکہ چھوڑ کر بھی نہیں آ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی شہریت کے کاغذات آخری مراحل میں تھے۔ لیکن وہ اس کے باجود اپنے پیار کو چھوڑنے پر راضی نہ تھا اور فوراً واپس آنا چاہتا تھا۔ صائمہ نے اسے تسلی دی کہ۔

''وہ نہ آئے کیونکہ میں اس کا انتظار کرلوں گی اور کبھی کسی اور کی نہیں ہوں گی۔''

مراد کے لیے اس سے بڑی دنیا میں کوئی خبر نہ تھی کہ اس کی محبت اس کے ساتھ ہے۔ خیر دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔ ابھی اس بات کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا کہ صائمہ کی ماں نے ضد کرنا شروع کردی کہ صائمہ کی شادی اپنی بہن کے بیٹے شہزاد سے کرنا چاہتی ہے۔ صائمہ کا والد تو اپنی بیوی سے سخت ناراض تھا وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گیا کہ۔

"جو تمہارے دل میں آئے وہ کرو کیونکہ جب تمہیں اپنی اولاد کی خوشی عزیز نہیں تو تمہیں کوئی کیا سمجھائے۔" لیکن صائمہ نے اس بات پر گھر میں طوفان کھڑا کر دیا کہ۔

"میں اگر شادی کروں گی تو صرف مراد سے ورنہ ساری زندگی شادی نہیں کروں گی۔" خیر اس دن بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن ایک ہفتے بعد پھر یہی بات شروع ہوگئی اور اس بار صائمہ کی امی نے کہا کہ۔

"اگر تو میرے بھانجے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی تو میں خودکشی کرلوں گی کیونکہ میں اپنی بہن کو زبان دے چکی ہوں۔" اور وہ یہ کہہ کر گھر سے باہر نکل گئی۔ شام ہونے تک وہ گھر واپس نہیں آئی۔ اس بات پر صائمہ اور اس کے ابو بہت پریشان ہوئے اور اپنی بہن کو فون کیا۔ مراد کے ماں باپ بھی فوراً آگئے اور پھر سب صائمہ کی والدہ کو ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑے...... آخر کار کافی تلاش کے بعد صائمہ کی امی اپنی بہن کے گھر سے ملی اور وہاں خوب لڑائی ہوئی جس کی وجہ سے مراد کی امی بہت دلبرداشتہ ہوئی اور اپنے بھائی کو اس رشتے کے لیے منا لیا۔ لیکن صائمہ کی امی نے کہا کہ۔

"جب تک صائمہ اس رشتے کے لیے ہاں نہیں کرے گی میں گھر نہیں جاؤں گی۔"

آخر کار مراد کی امی نے ہاتھ جوڑ کر صائمہ کو واسطے دیئے کہ۔

"بیٹی! اپنی امی کی بات مان لو ورنہ وہ کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے اور ساری عمر کے لیے تم اور ہم سب گنہگار بن جائیں اللہ تعالیٰ کے حضور۔" صائمہ اپنی پھوپھو سے بہت پیار کرتی تھی کیونکہ وہ تھی ہی بہت اچھی۔ یوں صائمہ نے ماں کی ضد کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسا منصوبہ بنایا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور شادی کے لیے ہاں کر دی۔

اس بات پر اس کی ماں بہت خوش ہوئی اور فوراً اپنے گھر آ گئی۔ گھر آتے ہی صائمہ کی ماں نے شادی کی تاریخ ایک ماہ کے اندر اندر رکھ دی۔ جب مراد کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ بہت تڑپا...... بہت رویا...... لیکن اس کی والدہ نے اسے صبر کرنے کو کہا۔

٭ ٭ ٭

خیر صائمہ کی شہزاد سے شادی ہوئی اور وہ رخصت ہو کر شہزاد کے گھر آ گئی۔ لیکن جیسے ہی شہزاد رات کو کمرے میں آیا تو صائمہ نے اس کو صاف صاف کہہ دیا کہ۔

"وہ اس کو اپنا شوہر نہیں مانتی وہ مراد سے پیار کرتی ہے میں نے اپنی ماں کی ضد پوری کرنے کے لیے تم سے شادی کی ہے لہٰذا تم کمرے سے باہر چلے جاؤ۔" یہ سن کر شہزاد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہ ایسی نڈر اور بے باک لڑکی جو شادی کی پہلی رات ہی اپنے پیار کی بات کر رہی ہے اور اسے ٹھکرا رہی ہے۔ وہ آپے سے باہر ہو گیا اور صائمہ کو مارنا شروع کر دیا۔ صائمہ نے شور مچایا اور کمرے سے باہر آ گئی کیونکہ شادی والا گھر تھا اور عزیز و اقارب گھر میں موجود تھے۔ یہ بات خود پھیلی......

اگلے دن صائمہ واپس اپنے میکے آ گئی۔ شہزاد نے اس بات کا بہت برا منایا وہ کسی طور پر نہ مانا اور صائمہ کو طلاق دے دی۔ اب صائمہ کی ماں کو اپنی غلطی

کا احساس ہوا کہ یہ اس نے کیا کیا کہ اپنی بیٹی کی خوشی نہ دیکھی اور اپنی ضد اور اَنا میں خود کو سارے خاندان میں تماشا بنالیا۔

خیر صائمہ نے امریکہ میں مراد کو فون کیا اور کہا کہ۔

''جلد واپس آؤ اور مجھے شادی کر کے لے جاؤ کیونکہ اب میں اور تم سے دور نہیں رہ سکتی۔'' صائمہ کی یہ بات سن کر مراد بہت خوش ہوا کہ اس کی محبت اس کی ساتھ ہے اور صائمہ نے اپنے پیار سے وفا کرتے ہوئے آج بھی اسی کی رہنے کے لیے یہ سب کیا۔ مراد نے اپنے گھر فون کیا اور اپنی ماں کو منانا چاہا لیکن وہ اپنی بھابھی کی ضد کی وجہ سے دوبارہ رشتہ لے کر جانے پر راضی نہ ہوئی لیکن دوسرے ہی روز اس کی بھابھی اور بھائی خود ان کے گھر صائمہ کا رشتہ لے کر آ گئے۔ صائمہ کی معمانی اس کی امی کے پیروں میں بیٹھ گئی کہ۔

''مجھے معاف کردو میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' خیر مراد کی امی دل کی بہت اچھی تھی۔ اس نے فوراً اپنی بھابھی کو اٹھایا اور اپنے گلے سے لگالیا۔ یوں صائمہ اور مراد کا رشتہ دوبارہ پکا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی 15 دن کے اندر اندر شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔

صائمہ اور مراد تو بہت ہی خوش تھے۔ خاص طور پر مراد کیونکہ اس کو اپنی کھوئی ہوئی محبت واپس مل رہی تھی۔

خیر خدا خدا کر کے شادی کے دن قریب آئے۔ شادی سے چار دن پہلے جس دن مراد کو واپس آنا تھا۔ اس کی گاڑی کا امریکہ میں ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ شدید زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا تھا۔

صائمہ اور مراد کا ملن شاید خدا کو منظور نہ تھا اور مراد زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا...... جس دن مراد کی تیل مہندی کی رات تھی اسی دن شام کو 6 بجے اس کی میت گھر آئی۔ شادی والے گھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ جوان جہاں اکلوتا بیٹا جنازے کی صورت میں گھر پہنچا تو سارے محلے پر سکتہ طاری ہو گیا...... جب صائمہ کو مراد کی موت کا پتہ چلا تو وہ فوراً سکتے میں چلی گئی۔ اس کو جنازے میں لائے لیکن وہ تو ہوش سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ ہزاروں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ مراد کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

آج اس واقعے کو 30 سال گزر چکے ہیں۔ صائمہ کے والد اور مراد کی والدہ اور والد بھی انتقال کر چکے ہیں۔ لیکن صائمہ اپنی شادی کا جوڑا آج بھی بار بار استری کرتی ہے اور مراد کے آنے انتظار کر رہی ہے۔ ایئرپورٹ جانے کی تیاری میں رہتی ہے اور وہ بوڑھی ہو چکی ہے اور اس کی والدہ بہت ضعیف ہو چکی ہے لیکن ہر روز نہ چاہ کر بھی اپنے جینے کی دعا کرتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس کے بعد اس کی پاگل بیٹی کو کون سنبھالے گا...... آج اپنے کیے پر بہت پچھتاتی ہے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔

آپ لوگ بھی صائمہ کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں اب بھی اپنی مرضی پوری کر دے اور اس کی ماں کو بھی معاف فرمائے۔

عامل پیروں اور نجومیوں کا سنہرا جال

صفدر علی

ہمارے ملک میں تعلیم کی کمی ہے، جس کی وجہ سے جہالت عام ہے۔ بعض جعلساز جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی بعض جاہل لوگ جعلی پیروں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگنے کی بجائے پیروں، عاملوں اور نجومیوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے نقش تعویذ وغیرہ منگواتے ہیں۔

بعض جعلساز عالم، پیر اور نجومی بن کر اخبارات میں اشتہارات شائع کراتے ہیں۔ وہ اشتہارات میں اپنا نام اور ایڈریس نہیں لکھتے بلکہ پوسٹ بکس نمبر لکھتے ہیں۔ وہ فی سبیل اللہ فری تعویذ دینے کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور بعد میں بذریعہ وی پی تعویذ نقش وغیرہ بھیج دیتے ہیں۔ بعض جعلساز بیک وقت ضرورت رشتہ، ضرورت فنکار اور تعویذ محبت کے اشتہارات شائع کرا کر عوام کو لوٹ رہے ہیں۔ چند جعلسازوں کے اشتہارات ملاحظہ فرمائیں۔

1- باکمال نقش کا زندہ کمال فی سبیل اللہ ہر جائز کام کے لیے رجوع کریں۔ ناجائزہ کام لینے والوں کا گناہ ان کے اپنے سر ہوگا۔ یہ نقش ایک باکمل بزرگ کی وصیت کے مطابق فی سبیل اللہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ نقش باموکل ہے۔ نقش کو استعمال کرتے ہی اس کے موکلات چوبیس گھنٹوں میں سنگ دل محبوب کو ہمیشہ کے لیے آپ کا مطیع کر دیتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں دل پسند شادی میں رکاوٹیں دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور پھر اڑتالیس گھنٹوں میں دل پسند شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ اس طرح دیگر مسئلے اور کام کم از کم وقت میں حل ہو جاتے ہیں کیونکہ تمام کام خود نقش کے موکلات کرتے ہیں۔ نقش منگوانے کے لیے خط میں اپنا مقصد نام والدہ کا نام ہمراہ جوابی لفافہ ارسال کریں۔ برائے رابطہ ارشد پوسٹ بکس نمبر 17038 لاہور۔

2- تمام عاملوں تعویذ و نقش کرنے والوں کو چیلنج، ہر مقصد میں کامیابی صرف چند گھنٹوں میں، ہر کام بالکل فی سبیل اللہ (بغیر ہدیہ) کروائیں۔ خواتین و حضرات ہمارے کیے ہوئے عمل سے آپ کا ہر کام دنوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں میں ہوگا۔ ہم ہر کام فی سبیل اللہ (بغیر ہدیہ) کرتے ہیں۔ صرف چوبیس گھنٹوں میں سنگدل سے سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں ہوگا اور آپ کو محبت میں کامیابی ہوگی۔ صرف چھبیس گھنٹوں میں آپ کی پسند کی شادی میں ہر قسم کی رکاوٹیں



دور ہو جائیں گی اور صرف اڑتالیس گھنٹوں میں ہر مشکل اور پریشانی دور ہو جائے گی۔ مثلاً گھریلو جھگڑے' اولاد' کاروبار' بیماری' امتحان وغیرہ خط میں اپنے کوائف اپنی والدہ کا نام اور جوابی لفافہ بھیجیں۔ جوابی لفافہ پر اپنا پتہ صاف صاف لکھیں۔ حافظ شہباز پوسٹ بکس نمبر 10353 فیروز پور روڈ لاہور۔

3- تعویذ محبت' حیران کن باکمال کن برائے تسخیر محبوب و حل مشکلات فی سبیل اللہ۔ خواتین و حضرات روگ عشق میں مبتلا' دنیا سے ٹھکرائے' مالی حالات سے تنگ دکھی انسان جو مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے زندگی کو بوجھ سمجھ بیٹھے

ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ میرے عمل اور تعویذ محبت کی برکت سے حیرت انگیز طور پر صرف دو دن میں محبت میں کامیابی اور سنگدل محبوب غلام ہوتا ہے۔ تین دن میں دلپسند شادی میں تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ سات دن میں ہر قسم کی پریشانیاں الجھنیں ختم اور خواہشیں پوری ہوتی ہیں۔ آپ بھی خط لکھ کر تعویذ فی سبیل اللہ منگوا کر مشکلات سے نجات پائیں اور سکھ کی زندگی بسر کریں۔ خط میں اپنا مقصد نام والد کا نام ہمراہ جوابی لفافہ بھیجیں۔ آستانہ عالیہ مکی مدنی پوسٹ بکس نمبر 99 لاہور جی پی او۔

4- تمام عاملوں سے بدظن اور مایوس ہر کام میں گھر بیٹھے ہی حیرت انگیز کامیابی صرف تین یوم میں پہلے کوئی ہدیہ نہیں۔ مقصد میں مکمل کامیابی کے بعد حسب توفیق ہدیہ ہوگا۔ اگر آپ جگہ جگہ کے تعویذ لے کر مایوس ہو چکے ہیں تو ایک بار مجھ جیسے عاجز کو آزمالیں۔ انشاء اللہ آپ کی ہر مشکل آسان ہوگی۔ مثلاً امتحان میں کامیابی' کاروبار میں برکت' بری عادات سے چھٹکارا' اولاد نہ ہونا' من پسند شادی اور سنگدل سے سنگدل محبوب مطیع ہوگا۔ ہم خود پڑھائی کر کے نقشے تیار کرتے ہیں۔ آپ کو پڑھائی وغیرہ نہیں کرنی پڑے گی۔ خط میں اپنا اپنی والدہ کا نام اور دلی مقصد لکھیں۔ جوابی لفافہ ضروری بھیجیں۔ خط و کتابت صیغہ راز میں رہے گی پوسٹ بکس نمبر 2165 لاہور۔

5- نقش قلندری برائے حل مشکلات فی سبیل اللہ۔ جو لوگ مالی پریشانی' مقصد میں ناکامی اور سنگدل محبوب کی بیوفائی سے مایوس ہو چکے ہوں تو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ میں سید ہوں۔ صدیوں سے مشہور ولی کامل پیرو مرشد خاندان کی لڑی سے ہوں۔ مجھے ورثاء میں نقش قلندری دکھی انسانوں میں تقسیم کرنے کا حکم ہوا ہے جو میرے جدی پشتی بزرگ لوگوں کو خود تقسیم کرتے تھے۔ سبحان اللہ کی برکت سے صرف تین دن میں پتھر دل محبوب مطیع اور محبت میں کامیابی ہوتی ہے۔ پانچ دن میں دل پسند شادی میں ہر قسم کی رکاوٹیں ختم ہوتی ہیں۔ سات دن میں تمام پریشانیاں گھریلو جھگڑے تعویذوں کا اثر دشمن کو زیر کرنا' لاعلاج بیماری' اولاد کا نہ ہونا غرضیکہ ہر مصیبت ختم اور تمنا پوری ہوتی ہے۔ ضرورت مند جوابی لفافہ بھیج کر نقش مفت منگوا کر دعائیں دیں۔ آستانہ عالیہ سیدی مرشدی پوسٹ بکس نمبر 281 جی پی او لاہور۔

فی سبیل اللہ اور بغیر ہدیہ کے نقش تعویذ دینے کے دعویداروں کے کرتوت ملاحظہ فرمائیں وہ اپنے خطوط میں کیا فرماتے ہیں۔ تمام جعلسازوں نے ایک ہی قسم کے خطوط پرنٹ کروا رکھے ہوئے ہیں یہی خطوط ہر امیدوار کو بھیج دیے جاتے ہیں۔

مکرمی و محترمی چوہدری صفدر علی صاحب۔

السلام علیکم! آپ کا خط موصول ہوا بے حد شکریہ۔

آپ کے کام کے بارے میں آگاہی ہوئی۔ آپ کے کام کے لیے حساب کیا گیا ہے اور حساب سے یہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کا کام انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ہو جائے گا۔ یہ بیان کرنا مناسب ہوگا اگر کام ہونے والا ہو تو نقش تیار کیے جاتے ہیں۔

ورنہ معذرت کر لی جاتی ہے۔ ہم عبادت و ریاضت کے بعد نقش تیار کر کے بھیجتے ہیں۔ آپ کو خود پڑھائی وغیرہ نہیں کرنا پڑے گی' جس دن آپ کا ہمراہ خط موصول ہو گا اس کے ٹھیک دو تین دن کے بعد آپ کو نقش بمعہ طریقہ استعمال پہنچ جائے گا۔ آپ اس نقش کو ایک بار ضرور آزمائیں۔ آپ کی مراد انشاء اللہ ضرور پوری ہوگی۔ آپ ساری عمر دعائیں دیں گے۔ اللہ کے حکم سے آپ کا کام آپ کی سوچ سے بھی جلد ہو جائے گا۔ اگر معمولی خرچہ سے آپ کو اپنے دلی مقاصد میں کامیابی ہو سکتی ہے اور آپ کی پریشانیاں اور الجھنیں دور ہو سکتی ہیں تو اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوگی۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ جنگ اخبار میں ایک دن کا اشتہار 17000 روپے میں چھپتا ہے اس کے علاوہ زعفران' اگر بتی' لوبان' مشک اور ڈاک خرچ وغیرہ پر بھی اخراجات آتے ہیں۔ (اخبار میں اشتہار دینا ضروری ہوتا ہے تاکہ آپ لوگوں سے رابطہ ہو سکے) لیکن اس وقت آپ سے صرف اخبار کے اشتہار اور نقش کی تیاری پر ہونے والے اخراجات لیے جا رہے ہیں۔ یہ انتہائی مجبوری ہے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہ سکے۔ نقش فی سبیل اللہ (بغیر ہدیہ) کے دیا جا رہا ہے۔ آپ کے کام پر مبلغ 2550 روپے کے اخراجات آئیں گے۔ آپ اپنے پوسٹ مین کو رقم دے کر نقش وصول کر لیں۔ اگر آپ پوسٹ مین کے آنے کے وقت اپنے پتے پر موجود نہیں رہ سکتے تو وی پی کی رقم کسی عزیز' رشتہ دار یا معرفت والے شخص کو دے دی جائے تاکہ وہ نقش وصول کر کے آپ کو دے دے۔ خدا آپ کو سدا خوش رکھے۔ ہمیشہ خوشیاں آپ کے قدم چومیں اور آپ کی مرادیں اور خواہشات پوری ہوں۔ آمین۔

والسلام' خط و کتاب کا پتہ

پوسٹ بکس نمبر 1240 جی پی او' لاہور۔

ایک دوسرے خط میں مجھ سے 1350 روپے طلب کیے گئے۔ یہ بھی زعفران' اگر بتی' لوبان' مشک صندل جوراو غیرہ پر خرچہ ہوا تھا اس خط میں میرے تمام کام ایک ہی نقش کی وجہ سے ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔ یہ نقش محمد اشرف مرادی معرفت پوسٹ بکس نمبر 2352 سے بھیجا گیا۔

تیسرے خط میں مجھ سے 1450 روپے طلب کیے گئے۔ نقش بذریعہ وی پی بھیجا گیا اور مجھے خوشخبری سنائی گئی کہ میرا کام 48 گھنٹوں میں ہو جائے گا کیونکہ بذریعہ عملیات پڑھائی کرا کر معلوم کر لیا گیا تھا کہ میرا کام ہو جائے گا۔ مجھے بتایا گیا جس وقت نقش ہاتھ میں آئے گا پہلے گھنٹوں میں کام ہونے کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اگلے چوبیس گھنٹوں میں کام ہو چکا ہو گا۔

مجھے لکھا گیا کہ 1540 روپے تو خرچہ وصول کیا جا رہا ہے۔ اس لیے بذریعہ موکلات حاضرات پڑھائی کی گئی۔ عملیات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ آپ کے مسئلے کا حل ہر طرح سے ممکن ہے۔ جس کی تصدیق موکلات سے بھی کرائی گئی ہے۔ آپ کا کام سو فیصد میرے بتائے ہوئے وقت میں ہو گا۔ نقش زبردست طاقت کا حامل اور تیز اثر ہے' جس وقت نقش ہاتھ میں آئے گا مسئلے کے حل میں جو

بھی رکاوٹیں ہیں وہ دور ہونا شروع ہو جائیں گی اور دیکھتے ہی دیکھتے کام ہو جائے گا۔ آپ خود اور دوسرے لوگ حیران رہ جائیں گے کہ یہ کام کیسے ہوگیا۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اخبار میں اشتہار کا خرچہ، نقش ارسال کرنے کا ڈاک خرچ اور خاص کر آپ کے کام کے لیے عملیات کے دوران موکلات کی نیاز آپ کی طرف سے دینا بہت ضروری ہے تاکہ آپ کے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ چنانچہ آپ کے کام کے لیے کل اخراجات 150 روپے جو میں آپ کے کام کے لیے اپنے پاس سے خرچ کر رہا ہوں تاکہ آپ کے کام میں کوئی دیر نہ ہو۔ میری طرف سے آپ کے مسئلے کے حل کے لیے عملیات پر کی گئی محنت عبادت و ریاضت فی سبیل اللہ ہے، جس دن آپ کو میرا خط موصول ہوگا اس کے ٹھیک دو یا تین دن بعد آپ کو نقش بمعہ طریقہ استعمال پہنچ جائے گا۔ آپ ڈاکیے کو مبلغ 150 روپے دے کر نقش وصول کرلیں جونہی آپ نقش وصول کریں گے میرے عمل کا اثر آپ پر فوراً منتقل ہو جائے گا۔

☆ تمام جعلسازوں نے خوشخبری سنائی کہ کام ہو جائے گا۔

☆ تمام جعلسازوں نے بذریعہ وی پی نقش بھجوائے۔

☆ تمام جعلسازوں نے اپنا ایڈریس لکھنے کی بجائے صرف پوسٹ بکس نمبر لکھے۔

☆ تمام جعلسازوں نے اپنے فرضی نام لکھے۔

☆ ایک جعلساز نے لکھا ہے کہ میں جس لڑکی سے محبت کرتا ہوں میری شادی اڑتالیس گھنٹوں میں ہو جائے گی۔ میں نے جعلساز کو لکھا کہ میں آپ کی صاحبزادی سے محبت کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لڑکی اور اس کی والدہ کا نام آپ سے بہتر کون جانتا ہے اس لیے فوری طور پر ایسا نقش روانہ کریں کہ میری شادی آپ کی صاحبزادی سے ہو جائے۔

میں نے یہ بھی لکھا کہ آپ نے جعلسازی کے جرم میں ایک نہ ایک دن جیل جانا ہے اس لیے جیل جانے سے پہلے پہلے صاحبزادی کے ہاتھ پیلے کر جاؤ مگر جعلساز نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔

میں نے پوسٹ ماسٹر جنرل کو لکھا کہ مجھے ان جعلسازوں کے نام اور پتے درکار ہیں جو ضرورت رشتہ، ضرورت فنکار، نقش محبت، ضرورت سیلزمین کے اشتہارات شائع کرا کر عوام کو لوٹ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے چند پوسٹ بکس نمبر بھی لکھے مگر پوسٹ ماسٹر جنرل نے مجھے مذکورہ پوسٹ بکس نمبر حاصل کر کے عوام کو لوٹنے والے جعلسازوں کے نام اور پتے نہ دیے۔

عوام کو چاہیے کہ وہ بھی جعلسازوں کے خطوط پڑھ کر ہرگز خط نہ لکھا کریں۔ وہ یہ سوچیں کہ جو عامل، نجومی یا پیر دنیا جہاں کا ہر کام کروا سکتا ہے وہ اپنے کام کیوں نہیں کرواتا۔ وہ آپ سے دو ڈھائی ہزار روپے کیوں طلب کر رہا ہے۔

حکومت چاہیے کہ وہ تمام عاملوں، نجومیوں اور جعلی پیروں کا محاسبہ کرے۔ تعویذ محبت کے اشتہارات شائع کرانے والے تمام جعلسازوں کے نام اور پتے معلوم کر کے ان کے خلاف قانون کے تحت کارروائی کی جائے۔



خوشخبری







پرانے ڈائجسٹ ورسائل فروخت کرنے والوں کے لیے خوشخبری

ہمارے ہاں پرانے ڈائجسٹ ورسائل اور ہر موضوع پر نئی کتب کی تمام ورائٹی نہایت رعایتی قیمت پر دستیاب ہے

خواتین، خوفناک، عمران جاسوسی، سسپنس، سچی کہانیاں، نئے اُفق، مسٹری، ایڈونچر، کرن، شعاع، پاکیزہ، آنچل، سرگزشت، سچی کہانی، آداب عرض، دوشیزہ، جواب عرض، ریشم، حکایت، چاند، چترالی، فیشن میگ، اسٹار اینڈ اسٹائل، لباس، فیشن، بچوں کا پرستان، بچوں کا باغ، بچوں کی دنیا، آنکھ مچولی، نونہال، جگنو، تعلیم وتربیت، مزیدار لطیفے، مہندی کے دلفریب ڈیزائن، بچوں کی اسلامی کہانیاں، پکوان کے حوالے سے کھانے پکانے کی خوبصورت کتب ورسائل، چھوٹی بڑی ایس ایم ایس اور چھوٹی بڑی شاعری نیز پرانے ڈائجسٹ ورسائل کی خرید وفروخت کے لیے ہمارے پاس تشریف لائیں۔

منصور حسن پرانے رسالوں والے

نزد شاہ عالم مارکیٹ، نیا بازار، ورک مارکیٹ، دکان نمبر 9 لاہور

موبائل نمبر **0333-4765899**

ایسے بھی ہیں مہرباں

دوست محمد

میں اسے کئی دنوں سے یوں ہی آوارہ گھومتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ پاگل نہیں تھا۔ مگر حالات کے پے در پے حملوں نے اسے پاگل بنا دیا تھا--- تار تار لباس الجھے الجھے سفید بال--- آنکھوں میں حسرت و یاس کی پرچھائیاں اسے کسی اور دنیا کا باسی بتا رہی تھی--- مگر اس کی اچھی شکل وصورت اور مضبوط جسم اس بات کی نفی کرتا کہ وہ پاگل نہیں ہے--- وہ اکثر ریلوے اسٹیشن کے مسافر خانہ میں بڑبڑاتا رہتا تھا--- کھانے کے لئے اسے کوئی چیز مل جاتی تو وہ زہر مار کر لیتا تھا ورنہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز اپنی دھن میں بڑبڑاتا رہتا تھا--- میں نے اسے مانگتے ہوئے عام بھکاریوں کی طرح کبھی نہیں دیکھا تھا اور اس کا یہی روپ دیکھ کر میرا جذبہ تجسس بڑھنے لگا تھا--- میں اسے دیکھ کر سوچنے لگ جاتا تھا کہ اس سے پوچھوں وقت کے سنگدل ہاتھوں نے اس سے کیا چھین لیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گیا ہے--- مگر اس سے بات کرنے کی مجھ میں ہمت پیدا نہ ہو سکی ہو سکتا ہے وہ مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دے یا اپنے پاگل پن کی وجہ سے مجھے گالیاں دینے لگ جائے--- کافی دنوں تک میں اس ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا لیکن ایک دن ہمت کر کے اس کے پاس چلا گیا--- یہ لیں بابا جی--- میں نے دس روپے کا نوٹ اس کی مٹھی میں دیتے ہوئے کہا--- مگر یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا کہ باباجی نے بڑی حقارت کے ساتھ نوٹ کو پرے پھینک دیا اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگ گیا تھا--- مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی کیونکہ میرے حساب سے اسے دس روپے کا نوٹ قبول کر لینا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے دس روپے کا نوٹ دھتکار دیا تھا--- دولت کی خاطر لوگ تو طرح طرح کے پاپڑ بیلتے ہیں مگر وہ گھر آئی دولت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا--- اس بوڑھے کو زر و دولت سے نفرت تھی عجیب قسم کے خیالات میرے دل میں انگڑائیاں لے رہے تھے--- میں عجیب مخمصے میں مبتلا تھا مگر وہ بوڑھا ہنوز مجھے گھورے جا رہا تھا--- میرے دل میں ایک ترکیب آئی اور میں نے بات کا رخ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا--- باباجی تمہارا کوئی بیٹا ہے--- بیٹے کا نام سن کر وہ ایک دم پھٹ پڑا تھا--- میرا کوئی بیٹا نہیں ہے--- میرا بیٹا--- اسی دن مر گیا تھا--- جب اس نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا--- میرا کوئی بیٹا نہیں ہے--- میرا بیٹا--- اس پر اچانک پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا--- اور وہ اونچی اونچی آواز میں واویلا مچانے لگ گیا تھا۔ میں خاموشی سے اٹھ کر چلا آیا تھا--- لیکن تمام رات باباجی ہی



میری سوچوں کا مرکز رہا تھا۔ دوسری صبح میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر باباجی کے پاس چلا گیا۔ میں نے ہوٹل والے سے چائے منگوائی اور باباجی کو پیش کی تھوڑی سی پس وپیش کے بعد چائے انہوں نے پی لی اور تشکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے ان کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کا جذبہ جاگ پڑا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ باباجی آپ کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی ہے۔ آپ کس ظلم اور زیادتی کا شکار ہو کر دربدر بھٹک رہے ہیں۔ لوگ آپ کو پاگل سمجھتے ہیں جبکہ آپ پاگل نہیں ہیں۔ کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ؟ دیکھئے میں بھی آپ کے بیٹے سمان ہوں آپ اپنے دکھوں کی گٹھڑی کھول دیجئے اس طرح آپ کے دل کا شائد بوجھ کم ہو جائے گا۔

ہاں بیٹا! تم سچ کہتے ہو کسی سے دل کا حال کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر میں زندگی کے اس بوجھ کو اپنے ساتھ قبر میں لے جا کر کیا کروں

گا۔ میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا مگر میری باتوں کا تمسخر مت اڑانا۔ میں پہلے ہی حالات کے ہاتھوں بہت زیادہ زخم خوردہ ہوں یادوں کا دھواں کرچیاں بن کر مجھے تباہ و برباد کررہا ہے۔ میں نے ایک ایسے گھرانہ میں جنم لیا تھا جہاں ہر طرف پیسہ کی ریل پیل تھی مگر گھر کا سربراہ نہایت جاگیردار اور ڈکٹیٹر قسم کا انسان تھا۔ میرا باپ اپنے پورے گھرانہ پر ڈکٹیٹر کی طرح حکومت کرتا تھا۔ ایسی حکومت جس میں میرے باپ کے سامنے کسی کو بات کی جرات نہ تھی۔۔۔۔ ہم جدی پشتی نواب تھے۔ میرا باپ اپنے آپ کو لکھنوی نواب کہلوانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ اس کے نوابوں جیسے ٹھاٹھ باٹھ ہوا کرتے تھے مگر اس کے برعکس ان کی آمرانہ طبیعت نے گھر کے سارے سکون کو تلپٹ کرکے رکھ دیا تھا۔ امی بے چاری تو سارا سارا دن میرے باپ کے نوابی مہمانوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتی رہتی تھی اور ہم سب بہن بھائی باپ کی سخت طبیعت کی وجہ سے سہمے سہمے رہتے تھے۔ بات بات پر ہمارا باپ ہمیں مارنے لگ جایا کرتا تھا۔ وقت کا پہیہ چلتا رہا۔ ہم سب بہن بھائی جوان ہو گئے مگر پھر بھی کسی نہ کسی بہانہ ہمارا باپ ہمیں ڈانٹتا رہتا تھا۔ حد سے زیادہ سختی اور ڈانٹ ڈپٹ نے مجھے باغی بنا دیا تھا۔ کالج میں ہر ایک کے ساتھ لڑتا رہتا تھا اس لئے لڑکے مجھ سے نفرت کرتے تھے بلکہ مجھے بہت کم منہ لگاتے تھے۔ میں دوسرے لڑکوں کو اکٹھے چلتے پھرتے دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا تھا زندگی کے دن میرے لئے عذاب بنتے جارہے تھے۔ کالج سے واپس آتا تو گھر میں وہی خشک ماحول میرا منتظر ہوتا تھا۔ دن گزرتے رہے باپ کی سختیاں بڑھتی گئیں۔ میرا نہ کوئی دوست تھا نہ ہمدرد اور نہ کوئی محسن تھا اس بھری دنیا میں تنہا تھا اکیلا تھا اس لئے سب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ میری امی کے میرے بارے کیا جذبات تھے میں بالکل نہ جان سکا تھا۔ گھر کے خشک ماحول کی وجہ سے وہ بھی احساس کمتری میں مبتلا رہتی تھیں۔ اول تو انہیں گھر کے کاموں سے فرصت ہی بہت کم ملتی بھی اگر کچھ لمحات انہیں میسر آتے تھے تو وہ تھک ہار کر چارپائی پر لیٹ جاتی تھیں وہ اکثر و بیشتر خاموش رہتی تھیں۔ مجھے سکون کی ضرورت تھی مجھے قرار چاہئے تھا۔ چنانچہ سکون کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے لگا۔ کبھی رسالوں کا سہارا لیتا تھا اور کبھی کبھار دن کے ٹائم گھر والوں سے چھپ چھپ کر فلمیں دیکھتا تھا۔ کہتے ہیں انسان برائی کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے آہستہ آہستہ فلموں کی طرف میری رغبت زیادہ ہو گئی تھی اور میں ہر ہفتہ نئی فلم دیکھنے لگا تھا۔ ایک فلم میں دوسرے کرداروں کے علاوہ طوائف کا کردار بھی تھا۔ میں نے وہ فلم دیکھ کر اندازہ لگایا تھا۔ طوائف مظلوم ہوتی ہے۔ مجبور ہوتی ہے۔ اس پر معاشرہ کے لوگ بہت زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ میں طوائف پر ظلم اور زیادتی دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال ابھرا کہ میں ایسے کسی کردار سے ملوں اور زندگی میں اس کے کچھ کام آؤں۔ اس مقصد کے لئے میں ایک بار طوائفوں کے بازار چلا گیا لیکن میری شرافت نے مجھے کسی طوائف سے بات نہ کرنے دی وجہ یہ تھی کہ میں احساس کمتری کا شکار تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس دن میرا دل بڑا خوش تھا جیسے مجھے قارون کا خزانہ مل گیا تھا اب میں گاہے بگاہے بازار حسن کے چکر لگانے لگ گیا تھا۔ میں بنی سنوری طوائفوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں بہت زیادہ خوش ہوتا تھا۔ ایک دن کسی نے میرے باپ کو بتادیا کہ میں بازار حسن میں گھوم رہا تھا اگلے روز میری شامت آگئی میرے باپ نے مجھ سے کرخت آواز میں پوچھا۔ کل کہاں گئے

تھے۔ میں نے کہا کالج میں۔۔۔۔ بس پھر کیا تھا میرے باپ نے لاتوں اور گھونسوں کی مجھ پر بارش کر دی امی بے چاری سہم کر مجھے مار کھاتے دیکھ رہی تھی مگر وہ میرے باپ کو منع نہیں کر سکتی تھی۔ یہ خبر گھر سے نکل کر محلے اور میرے رشتہ داروں تک جا پہنچی اور پھر میری جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہو گیا۔ میرے باپ نے نہائت عجلت میں میری شادی ایک ان پڑھ لڑکی سے کر دی۔ میں ایک حد تک پڑھا لکھا تھا اور میری دلی تمنا تھی کہ میری شریک حیات پڑھی لکھی اور خوبصورت ہو مگر میری خواہش کو نہ دیکھا گیا بلکہ برادری کی ایک ان پڑھ اور نہایت منہ پھٹ لڑکی سے میری شادی کر دی گئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت زیادہ دکھ ہوا تھا میرے باپ نے میرے پوتر جذبوں کا استحصال کر دیا تھا لیکن میں نے پھر بھی نصیبوں کی ہرزہ سرائی سمجھ کر اسے قبول کر لیا تھا اگرچہ ہماری طبیعتوں میں زمین و آسمان کا فرق حائل تھا مگر وہ حد سے اجڈ تھی حالانکہ میں چاہتا تھا وہ مجھ سے پیار کی باتیں کرے کچھ میری سنے اور کچھ اپنی کہے مجھ سے میری ساری عمر کی محرومیاں چھین لے مجھے ڈھیر سارا پیار کرے مگر وہ ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ میں کوئی بات کہتا تو وہ اونچی اونچی آواز سے چیخنے چلانے لگ جاتی تھی۔ وہ ہر کام میری مرضی کے خلاف کرتی تھی حالانکہ میں چاہتا تھا وہ اچھے اچھے کپڑے پہنے جب میں گھر آؤں تو ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر کر مجھے خوش آمدید کہے مگر وہ ان سب باتوں سے بے نیاز تھی۔ میں ہر وقت اس کی یہ حالت دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ اسی عرصہ میں میرے باپ کا انتقال ہو گیا میرے رشتہ داروں نے اپنی اپنی ہمدردیاں جتانا شروع کر دی تھیں کیونکہ میں اپنے باپ کی ڈھیر ساری جائیداد کا واحد وارث تھا اتنی ساری دولت ملنے کے باوجود مجھے بالکل خوشی نہ ہوئی تھی۔ مجھے تو صرف سکون چاہئے تھا۔ بے لوث محبت چاہئے تھی۔ زخم خوردہ دل کا قرار چاہئے تھا۔ مگر محبت کے چند لمحے میرے نصیب میں نہ تھے مجھے محبت کی ضرورت تھی مگر مجھے محبت کا انمول خزانہ کہیں سے نہیں مل رہا تھا۔ میری جیب میں باپ کی وفات کے بعد پیسے آ گئے تھے اس لئے میں جدھر جاتا تھا ہر کوئی میری راہوں میں آنکھیں بچھاتا تھا۔ میں سکون کی خاطر پھر سے بازار حسن جانے لگا تھا۔ اب مجھے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا۔ مجھے کوئی فکر نہیں تھی مجھے کسی کا ڈر نہیں تھا دن گزرتے جا رہے تھے اور میں گناہوں کی بستی میں بلا ناغہ جا رہا تھا۔ میں خوش تھا کیونکہ میری جیب میں پیسے دیکھ کر حوا کی بیٹی مجھ سے محبت کر رہی تھی۔ پیسے کے عوض وقتی طور پر مجھے کسی کی چاہت مل رہی تھی۔ کوئی مجھ سے محبت کر رہا تھا کوئی مجھے چاہ رہا تھا۔ میں اپنی دنیا میں مگن تھا میرے شب و روز بازار حسن کی نازنینوں کے سایہ تلے گزر رہے تھے کہ خدا نے مجھے بیٹا دیا۔ بیٹے کی پیدائش پر میں نے جی بھر کے خوشیاں منائی تھیں کیونکہ میرے گھر میں پیسہ کی ریل پیل تھی۔۔۔۔ اور پیسہ کے ہوتے ہوئے میں کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔ کئی دنوں تک گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ چلتا رہا۔ مہمان چلے گئے تو کئی دنوں بعد میں بازار حسن کی طرف چلا گیا کئی دنوں کی تشنگی دل میں باقی تھی میں وہاں پہنچا تو زرق برق کپڑوں میں ملبوس جوان اور حسین چہرے میرے منتظر تھے۔ میں جب ان سے ملا تو گویا مجھے سکون مل گیا تھا۔ میری بیوی پہلے بھی کم التفات نظر مجھ پر کرتی تھی اب تو اس کا سارا دھیان بیٹے کی طرف چلا گیا تھا میرے حصہ میں محرومیاں اور تشنہ لبی کی زہر عود آئی تھی۔ میری بیوی نے کبھی میری دل جوئی نہیں کی تھی کبھی میرے درد نہیں جانے تھے۔ میرے

غم بانٹنے کی کبھی کوشش نہ کی تھی۔ وہ میرے دل کی خوشیوں کی قاتلہ تھی۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کی بے رخی مزید بڑھ گئی تھی میں زیادہ تر وقت بازار حسن میں گزارنے لگا تھا۔ بازار حسن کی یوں تو سبھی طوائفوں کو مجھ سے محبت تھی مگر پروین بوبی کو مجھ سے بہت زیادہ محبت تھی وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی میرے دل میں بھی اس کے لئے محبت کے دریا اپنی جولانیوں پر تھے وہ میری آنکھوں کے ذریعے دل میں اتر گئی تھی اس کی من موہنی صورت ہر وقت میری نگاہوں کے سامنے محو رقصاں رہتی تھی اس کی ایک دن کی جدائی میرے لئے بار گراں معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اسے اپنا دکھ سنایا تو وہ تڑپ کر رہ گئی تھی وہ میرے زخموں کا مسیحا بن کر میرا دکھ درد بانٹ رہی تھی۔ مجھے بھی اس کی قربت میں بہت زیادہ سکون ملتا تھا۔ میں اس کی محبتوں کی شدت کو دیکھ کر اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کرتا تھا۔

جب اس نے اپنے دل پر لگے زخموں کا سینہ چاک کر کے دکھایا تو میں لرز کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنی ماں کی خواہشات کی صلیب پر لٹک رہی تھی۔ اسے جسم فروشی کے دھندہ سے نفرت تھی مگر ماں کی سختیاں اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ گناہ کی اس بستی سے نکل کر شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھی مگر اسے کوئی ایسا مہربان نہیں مل رہا تھا جو اسے گناہوں کی بستی سے نکال کر شریفوں کے محلہ میں لے جاتا اور وہ زندگی کے باقی ماندہ دن اس کے آسمان کی چھت کے نیچے گزار دیتی۔ میں نے پروین بوبی سے وعدہ کر لیا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہیں اس گناہ آلود زندگی سے دور لے جاؤں گا۔ مگر میری ایک شرط ہوگی تم زندگی کے ہر مشکل مقام پر میرا ساتھ دو گی۔ اس نے میرے ساتھ وعدہ کر لیا تھا جب اس نے میرا بھرپور ساتھ دینے کا مصمم وعدہ کیا تو میں جذباتی سا ہو گیا تھا کیونکہ زندگی میں پہلی بار مجھے وہ چیز مل رہی تھی جس کی میں نے خواہش کی تھی ورنہ میرے ماضی میں تو ہر قدم پر میری خواہشات کا بت پاش پاش ہوتا رہا تھا۔ خوشی سے خیالات کا سمندر میرے دل کے پاتال میں کروٹیں لینے لگا تھا پروین بوبی میری زندگی میں ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند آ رہی تھی۔ ایک رات میں نے پروین بوبی کی ماں سے بات کی تو پروین کی ماں نے اس کی قیمت بیس ہزار روپے لگائی میں حیران و پریشان ہو کر رہ گیا کیونکہ اس زمانہ میں بیس ہزار کی حیثیت بہت زیادہ تھی۔ میں بیس ہزار کا نام سن کر کچھ دیر کے لئے سوچوں کے سمندر میں ڈوب گیا تھا مگر جب میں نے پروین کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے التجا کی تھی خدا کے لئے مجھے ان گناہوں کی زندگی سے نکال لے جائیں ورنہ میرا یہاں پر دم گھٹ جائے گا اور میں حرام کی موت مر جاؤں گی۔ میں نے پروین بوبی کی ماں سے کچھ دنوں کی مہلت لی تاکہ رقم کا بندوبست کر سکوں۔ یہ میں ہی جانتا تھا کہ میں نے بیس ہزار روپے کس طرح اکھٹے کئے تھے۔ پروین بوبی کی محبت پانے کی خاطر میں نے کیا بیچا تھا اور کیا کھویا تھا مگر دل کی تسکین کی خاطر میں نے سب کچھ کر لیا تھا حسب وعدہ میں بیس ہزار روپے لے کر اپنے محبوب کے در پہ پہنچ گیا تھا اس کی ماں نوٹوں کی چکا چوند چمک دیکھ کر میرے آگے بچھی جا رہی تھی۔ جب میں نے بیس ہزار روپے اس کے حوالے کئے تو وہ میری ممنون نظر آ رہی تھی اس کی ماں نے میرے سر کی بلائیں لی تھیں اور میں تمام رات پروین بوبی کے زرخیز جسم سے اپنے دل کی تشنگی کم کرتا رہا تھا۔ اس کا خوبصورت جسم تمام رات میرے دکھی جذبوں کو تمازت دیتا رہا

تھا۔ پروین بوبی نے بھی اس رات دل کھول کر اپنے پیار کی بارش مجھ سوختہ جان پر کردی تھی۔ اس رات مجھے جتنا سرور ملا تھا میں نے زندگی میں اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ صبح جانے سے پہلے میں نے پروین بوبی کو حوصلہ دیا کہ میں بہت جلد تمہاری رہائش کا بندوبست کر کے لوٹ آؤں گا۔ الوداع ہوتے ہوئے جب میں نے اس کے مرمریں چہرے پر اپنے پیار کی الوداعی مہر ثبت کی تو اس نے وفور جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے اپنے سے لگا لیا تھا حالانکہ میں پوری رات اس کے جسم سے کھیلتا رہا تھا مگر اس لمحہ وارفتگی کے عالم میں مجھے جو کیف ملا تھا اس کی کیفیت بیان کرنے سے میں قاصر ہوں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے محبوب کو الوداع کہہ کر کوٹھے کی سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ تمام راستہ اس کے پیار کی باتیں میرے دل کو تڑپاتی رہی تھیں۔ میں جلد از جلد ایک مکان لے کر پروین کو لے آنا چاہتا تھا۔ میرے دل پر مدتوں کی جو ویرانی چھائی ہوئی تھی میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ میں ایک بے غیرت انسان تھا جو اپنی بیوی کی موجودگی میں طوائف کے دامن میں سکون تلاش کرتا تھا۔ میں نے شروع میں بتا دیا تھا کہ میں اپنی بیوی سے جس پیار اور محبت کا متلاشی تھا اس سے وہ پیار مجھے کبھی بھی حاصل نہیں ہوا تھا میرے دل بے قرار پر اپنے پیار کی بارش کی بجائے وہ مجھے جدائی کے جان لیوا لمحات میں تڑپاتی تھی۔ اس نے کبھی بھی اپنے پیار کا پھاہا میرے دل پر نہیں رکھا تھا۔ میں جوان ہونے کے ناطے تمناؤں کی آگ میں جلتا رہتا تھا مگر نہ جانے اس کا ضمیر کس مٹی سے بنا ہوا تھا وہ دل کے تمام جذبوں سے عاری تھی۔ اسے میری ضرورتوں کا کبھی خیال نہیں رہا تھا۔ میں بچپن سے ہی محرومیوں کا شکار رہا تھا۔ اس لئے میں عارضی سہاروں کی تلاش میں اس بازار میں چلا گیا تھا اور اس بازار کی ایک بازاری عورت نے میرے دل کی تشنہ لبی کو سیراب کر دیا تھا۔ اس کا پیار پا کر میرے دل کے ویرانہ میں بہار آ گئی تھی اور خوشی سے مخمور میری آنکھوں کے سامنے ستارے ناچنے لگے تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے شریفوں کے محلہ میں ایک مکان حاصل کر لیا اور ضروریات زندگی کا تمام سامان اس میں سجا دیا تھا۔ میں دل ہی دل میں آسمان کی رفعتوں میں اڑا جا رہا تھا کہ اب میں اپنے دل کی دھڑکن کو ہمیشہ کے لئے لوگوں کی غلیظ نگاہوں سے بچا کر اپنی اس چھوٹی سی دنیا میں لے آؤں گا۔ پھر میرا محبوب ہو گا۔ اس کی رفاقتیں ہوں گی۔ اس کی قربتیں ہوں گی۔ زندگی کے دن کتنے پر کیف اور حسین بن جائیں گے۔ میں اس لمحہ کا سوچ سوچ کر پاگل ہوتا جا رہا تھا جب کمتی سمتائی چھوئی موئی پروین بوبی میرے اس خوشیوں کے حسین تاج محل میں اپنا پہلا قدم رکھے گی۔ اور پھر وقت کی جیسے رفتار تھم جائے گی۔

میں خوشی کے ان سرشار لمحوں میں کھو کر جب کوٹھے پر پہنچا تو میرا محبوب مجھے نظر نہیں آ رہا تھا جب پروین کی ماں سے میرا سامنا ہوا تو میں نے پروین کے متعلق پوچھا۔ اس نے بڑی بے رخی سے کہا۔ اندر ہے۔ میں اندر کی طرف دیوانہ وار بڑھا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا اور اندر سے شیطانی قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں غصے سے پاگل ہو گیا اور میرے اندر کا خون کھول اٹھا تھا۔ میں نے دروازہ پیٹنا شروع کیا تو اس کی ماں نے ہاتھ روک لیا اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہنے لگی چند منٹ صبر کو۔ پروین فارغ ہونے والی ہے۔ میرے پیار کی یہ قیمت تم نے لگائی ہے۔ میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر تمہیں بیس ہزار روپے دیئے ہیں۔ میں ایکدم چلا اٹھا ہمیں

آنکھیں دکھاتا ہے۔ ذلیل کمینے پروین کی ماں مجھ پر برس پڑی تھی اور میں ہونقوں کی طرح اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو میری راہ میں اپنی آنکھیں بچھایا کرتی تھی۔ اس لمحے دروازہ کھلا پروین نیم عریاں لباس میں باہر آئی۔ تو میں نے اس سے پوچھا پروین یہ کیا ڈرامہ ہے۔ تم تو میرے پیار میں پاگل تھی اور میں تمہاری چاہت میں دیوانہ تھا۔ اس نے عجیب سا منہ بناتے ہوئے کہا۔۔۔ اوہ۔۔۔ کون پاگل اور کون دیوانہ۔۔۔ اے مسٹر۔۔۔ یہ طوائفوں کا کوٹھا ہے۔ یہاں ہر چیز وقت اور حالات کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ میرے بھی خیالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ میری منزل یہی کوٹھا ہے۔ شریف لوگوں سے مجھے ازلی نفرت ہے پھر بھلا میں شریفوں کے محلّہ میں جا کر کیا کروں گی۔ میں نے کہا پروین تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔ میں نے تمہاری ماں کو تمہاری قیمت بیس ہزار ادا کر دی ہے۔ آؤ چلیں اس گناہوں کی بستی سے بہت دور میں نے شریفوں کے محلّہ میں تمہارے رہنے کے لئے مکان بھی لے لیا ہے اس نے بڑی نفرت کے ساتھ میرے چہرہ پر تھوک دیا تھا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ان کے پالتو غنڈوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ زخموں سے چور چور جب میں سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ کچھ زخم میرے جسم پر لگے تھے اور کچھ میری روح کو تڑپا گئے تھے۔ میں خاندانی شریف تھا اس لئے خاموش ہو گیا تھا۔ طوائف زادی کا تمام منصوبہ میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے بیس ہزار کی خاطر میرے ساتھ جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ میں نے اس سنگدل اور ہرجائی عورت پر اعتبار کرتے ہوئے دل کے تمام جذبے نچھاور کر دیئے تھے۔ مگر اس کی تمناؤں کا مرکز صرف پیسہ تھا۔ اس نے میرے اعتبار کی دھجیاں اڑا دی تھیں حالانکہ میں اس کے نام اپنی آدھی جائیداد کرنے کا سوچ رہا تھا۔ مگر ان پست لوگوں کی ذہنیت کا بہت جلد بھانڈا پھوٹ گیا تھا پروین بولی اور اس کی ماں عورت کے نام پر ایک دھبہ تھیں۔ وہ ناگن ڈائن اور چڑیل تھیں انہوں نے پیسہ کے ساتھ ساتھ میرے دل کا سکون بھی لوٹ لیا تھا۔ اس دن کی تذلیل کے بعد میں نے پھر کبھی اس بازار کا رخ نہیں کیا تھا۔ خوبصورت چہروں کے پیچھے وہاں کے باسی بڑے سفاک اور ستمگر تھے۔ نہ جانے مجھ جیسے کتنے سادہ دل لوگ ان کے ہاتھوں برباد ہو گئے ہوں گے۔ وہاں کی رہنے والیوں نے اپنی پلکوں کی ابرو سے کتنے لوگوں کو لوٹ لیا ہو گا۔ محبت کا فرضی ڈرامہ رچا کر کتنے ہی شریف لوگوں کو ڈس لیا ہو گا۔ ان کی زہریلی مسکراہٹوں سے کتنے دلوں کا سکون غارت ہوا ہو گا۔ میں جتنا ان لوگوں کے متعلق سوچتا میرا دماغ پاگل ہونے لگتا تھا۔ اس دن کی چوٹ کھانے کے بعد میں نے پھر کبھی اس بازار کا رخ نہیں کیا تھا۔ میں کئی دنوں تک پروین کے ناروا سلوک پر تڑپتا اور سسکتا رہا تھا۔ زندگی کے دن چند اور گزر گئے اب میں گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ جب ذرا میری طبیعت سنبھلی تو میں نے اپنی تمام تر توجہ اپنی بیوی روفی پر دینا شروع کر دی تھی۔ میں ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ مگر میری بیوی کے رویہ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ میرے دل پر سینکڑوں زخم لگے تھے جن کے درد کی شدت نے میری روح کو چھلنی کر دیا تھا۔ میں چاہتا تھا میری شریک سفر میرے درد کا مسیحا بن کر میرے غم بانٹ لے مگر وہ اپنی دنیا میں غرق تھی۔ گھر کے کام کاج میں الجھی رہتی تھی۔ میں رات کے کسی ٹائم اسے بلاتا تو وہ کہنے لگتی۔ شرم کریں بیٹا جوان ہو رہا ہے۔ اس کی ایسی دل جلی باتیں سن کر میں غصہ سے پاگل ہو جاتا

تھا۔ مگر بیٹے کی موجودگی میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کئی بار سوچا۔ بیوی کو طلاق دے دوں۔ مگر پھر اپنی نرم جوئی کی وجہ سے خاموش ہو جاتا تھا۔ میرے دل کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔ دل و دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں مگر میں زندہ تھا صرف بیٹے کی خوشیوں کی خاطر ورنہ میرے دل کی خوشیوں کا چوار تو ڈوب گیا تھا۔ وقت کا پنڈولم جوں جوں آگے کی طرف بڑھ رہا تھا میرا بیٹا بھی جوانی کی طرف بھاگے جا رہا تھا۔ اسی دوران میری بیوی ایک موذی مرض یرقان میں مبتلا ہو گئی۔ اس کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی میں نے اس کے علاج معالجہ پر بھرپور توجہ دی مگر ایک رات بڑی خاموشی کے ساتھ اس نے دم توڑ دیا۔ بیوی کے مرنے کے بعد میرا گھر خالی ہو کر رہ گیا تھا میری کوئی رشتہ دار عورت ہمارے گھر آنے پر رضا مند نہ تھی اس لئے ہم دونوں باپ بیٹا ہوٹل سے کھانا کھانے لگے۔ بیوی کی اچانک موت نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ جیسی تھی گھر کو اس نے سنبھال رکھا تھا۔ ایک دن میں نے بیٹے سے پوچھا۔ میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں تاکہ گھر کے اندھیروں میں کچھ روشنی ہو سکے میرا بیٹا کہنے لگا۔

ابا جی جیسے آپ کی مرضی۔ بیٹے کی نیم رضامندی جان کر مجھے کچھ سکون ملا میں نے اپنے رشتہ داروں میں لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دی۔ اب ہر شام میں کسی نہ کسی رشتہ دار کے گھر چلا جاتا تھا اور اس گھر میں لڑکیوں کے سراپا کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ فاخرہ میرے تایا زاد کی بیٹی تھی۔ بڑی خوبصورت اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ ہر بات بڑی سلیقہ سے کرتی تھی۔ اس لئے فاخرہ بیٹی مجھے پسند آگئی تھی۔ یوں تو میرا فاروق بیٹا بھی بڑا ہینڈسم اور سمارٹ تھا مگر فاخرہ فاروق سے زیادہ خوبصورت تھی۔ میں فاخرہ کو پسند کر کے خوشی خوشی گھر آیا اور بیٹے سے کہا۔ میں نے تمہارے لئے دلہن کا انتخاب کر لیا ہے۔ کسی دن تم فاخرہ کو جا کر دیکھ لینا میرا بیٹا کمال فرمانبرداری سے کہنے لگا تھا۔

ابا جی۔ آپ کی پسند میری پسند ہے یہ تو فاخرہ ہے اگر آپ کسی بدصورت لڑکی کا انتخاب کر لیتے تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ میں بیٹے کے جذبات سن کر خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔ میرا بیٹا میرے جذبوں کا پالن کر رہا تھا۔

میں جب فاخرہ کے گھر بیٹے کا رشتہ لے کر گیا تو انہوں نے انکار کر دیا مگر ان کے انکار کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی حالانکہ گھر میں میرے سوا کوئی نہیں تھا میری زندگی کا کیا بھروسہ تھا کب میری زندگی کا چراغ بجھ جاتا۔ میں نے جب تایا زاد بھائی پر دوسرے رشتہ داروں کے ذریعہ دباؤ ڈالا تو ان کی پہلی شرط یہ تھی کہ میری جتنی جائیداد ہے اس کی مالک ہماری بیٹی ہوگی۔ میں نے ان سے کہا میرے مرنے کے بعد تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے فاخرہ اور فاروق ہی وارث ہوں گے۔ لیکن ان کی ضد تھی فاروق کی بجائے تمام جائیداد ہماری بیٹی کے نام منتقل کر دیں تو ہم رشتہ دینے کے لئے تیار ہیں ورنہ ہماری طرف سے انکار سمجھیں۔

میں اس نئی افتاد میں مبتلا ہو کر کئی دنوں تک پریشانی کی گرداب میں الجھا رہا تھا میری سوچ کا ہر پہلو ان کا ایسا رویہ دیکھ کر لہولہان ہو گیا تھا۔ کئی روز تک دل اداس رہا طبیعت پریشان رہی لڑکی کے نام جائیداد کر دینا میرے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ پروین بوبی کو بیس ہزار دے کر مجھے رسوائیوں کی دھول کے علاوہ کچھ نہیں ملا تھا۔ اس کی ساری محبتیں سراب بن کر رہ گئی تھیں وہ بھی میرے ساتھ پیار کا ناٹک پیسہ حاصل کرنے کی خاطر رچاتی رہی تھی۔

جب اس کا مطلب نکل گیا تھا وہ وفا کی دیوی سے سنگدل طوائف بن گئی تھی۔ ماضی کا تمام سراپا میری نگاہوں کے سامنے تھا میں اب کوئی ایسا کھیل نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس سے میرے دل کو اذیت کے خون خوار لمحوں سے دست و گریبان ہونا پڑے۔ میں کئی دنوں تک اسی نہج پر سوچتا مگر میرے سامنے ہاں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ ہاں کا لفظ ہی میرے لئے خوشیوں کا راستہ تھا میں نے بیٹے کے بہتر مستقبل کے لئے جائیداد والی شرط مان لی تھی۔ قانونی کاروائی مکمل ہونے کے بعد میں بیٹے کو ایک سادہ سی تقریب میں بیاہ لایا۔ میرا بیٹا فاخرہ کو پا کر بہت زیادہ خوش تھا اس کی نس نس سے خوشیوں کی پھوار برس رہی تھی۔ بیٹے کو خوش پا کر میری درماندہ زندگی میں بھی سکون کے لمحے آ گئے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی میں بہت انڈر سٹینڈنگ تھی دراصل وہ دونوں پڑھے لکھے تھے۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا میں جس محبت کے پیچھے تمام عمر بھاگتا رہا تھا میرے بیٹے کو پہلی رات حاصل ہو گئی تھی یہ تو اپنے اپنے نصیبوں کی بات تھی۔ شادی کے کچھ دن بعد وہ دونوں کراچی چلے گئے تھے وہاں رفاخرہ کی خالہ جان رہتی تھی۔ یہ دو ہفتے مجھ پر بہت بار گراں گزرے تھے دراصل بڑی مدت کے بعد مجھ سوختہ جان کے گھر نقرئی قہقہوں کی بازگشت سنائی دی تھی۔ ان دونوں کے واپس آنے سے زندگی کا کارواں خوشی کی لے پر دوبارہ جھوم اٹھا تھا۔ وقت پر لگائے اڑتا رہا۔۔۔ میرے بیٹے کے آنگن میں ایک پھول کھلا پوتے کی پیدائش پر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں نے اس کا نام انتظار علی رکھا تھا۔ کیونکہ مجھے بہو کے وجود سے ایسے کھلونے کا پہلے دن سے انتظار تھا۔ انتظار علی بھی مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا تھا۔ وہ رات کو اپنی امی کے بجائے میرے ساتھ سوتا تھا۔ دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے میری بہو میرے اعتماد پر پوری اتر رہی تھی۔ کئی ماہ اور سال بیت گئے میں پہلے سے کچھ زیادہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ میرے بیٹے کے گھر ایک اور کلی کا اضافہ ہو گیا۔ لیکن اب بہو کے رویہ میں تبدیلی آتی جا رہی تھی مگر میں خاموش تھا کیونکہ میں عمر کی اس دہلیز تک پہنچ گیا تھا جہاں پر انسان کا خود اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی خوشیاں عزیز تھیں اس لئے میں رضا بہ رغبت بہو کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتا رہا لیکن میری خاموشی کا وہ غلط مطلب اخذ کرتی رہی اور ایک دن یہ کہہ کر اس نے میرے جذبوں پر آگ گرا دی کہ اس گھر میں اگر یہ بوڑھا رہا تو میں نہیں رہوں گی۔ اسے دمہ کا مرض لاحق ہے۔ یہ بوڑھا ساری ساری رات کھانستا رہتا ہے نہ خود سوتا ہے نہ کسی دوسرے کو سونے دیتا ہے۔ اگر میں میکے جاتی ہوں تو میری نگرانی کرتا ہے۔ بہو کے الفاظ تھے کہ سنسناتے ہوئے تیز لفظوں کی تپش سے میرا تمام جسم جھلس گیا تھا۔ اس نے بے بنیاد قسم کے الزامات لگا کر میری ذات پر کیچڑ اچھالا تھا۔ میرے بیٹے نے دوسرے دن مجھے ایک سرونٹ کوارٹر میں شفٹ کر دیا۔ وہی بیٹا جس کی خوشیوں کی خاطر میں نے اپنی تمام جائیداد اس کی بیوی کے نام کر دی تھی اور وہ حوا کی بیٹی جس کو میں نے ذرہ سے آفتاب بنا دیا تھا اپنی پوری برادری کی لڑکیوں کو ٹھکرا کر اپنے گھر کی زینت بنایا تھا کیونکہ اس کے ساتھ میرا خون کا رشتہ تھا مگر اس کم ظرف نے میری تمام باتوں اور ہمدردیوں کو پس پشت ڈال کر مجھے دریا میں بہتے تنکے کی طرح دربدر کر دیا تھا۔ میں نے دوسرے دن اپنی اس جنم بھومی کو خیرباد کہہ دیا۔ میرے بیٹے نے میری پرواہ نہ کی تھی شائد وہ بھی میرے بڑھاپے سے تنگ آ چکا تھا۔ اس دن سے لے

کر آج دن تک میں دربدر بھٹک رہا ہوں کبھی کسی شہر اور کبھی کسی گاؤں میری کوئی منزل ہے نہ ہی کوئی ٹھکانہ ہے۔ کھانے کو مل جاتا ہے تو کھا لیتا ہوں ورنہ صبرو شکر کا کلمہ پڑھ کر سو جاتا ہوں۔ بابا اپنی داستان الم سنا کر خاموش ہو گیا تھا۔ مگر میری سوچیں سماج کے ایسے بھی ہیں مہربان انسانوں کی طرف دوڑنے لگ گئی تھیں۔ جن کی مہربانیوں نے اپنے محسن کو دربدر کا بھکاری بنا دیا تھا۔ بیٹا اتنا کھٹور دل ہو سکتا ہے اس کا باپ فقیروں جیسی زندگی کے شب و روز بسر کرے۔ میں جتنا اس المیہ کے متعلق سوچنے لگتا میرا دل خون کے آنسو رونے لگتا تھا۔ آج کا انسان ماڈرن اور پڑھا لکھا تو بن گیا ہے مگر وہ خونی رشتوں کا تقدس اور اس کی پہچان بھول چکا ہے۔ نفسانفسی کے اس عالم میں خلوص اور محبت ناپید ہو گئی ہے۔ نفرتوں کی منہ زور آندھی نے محبت اور اخوت کے سب چراغ بجھا دیئے ہیں۔ میں اس بیٹے کے لئے کیا سزا تجویز کروں جو اپنی رنگین دنیا کی چکا چوند ہنگاموں میں کھو کر اپنے بوڑھے باپ کو بھول گیا ہے۔ شائد قارئین ہی میرے اس معمے کا حل تلاش کر سکیں؟



دل نہ توڑنا انکار مت کرنا

تحریر...... محمد ظفر

یہ واقعہ جو میں آپ سب بہن بھائیوں کو سنانے لگا ہوں میرے بہت ہی قریب پیش آیا بلکہ یوں سمجھیں کہ چار سال پرانا ہے۔ مگر مجھے حقیقت اب معلوم ہوئی ہے کیونکہ میں اس ماسی کو اکثر کوئی نہ کوئی چیز دینے جاتا ہوں۔ وہ بھی مجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہے۔ مگر میں اکثر سنتا تھا کہ اس کے چار جوان بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں جو کہ اب اس دنیا میں نہیں تھے۔ مجھے بہت دکھ تھا کہ ماسی بیچاری اکیلی کس طرح ہوئی۔ سات جوان بچے یکے بعد دیگرے کس طرح مر گئے۔ ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا۔ ماسی نے آج تک جو بات ہر ایک سے چھپائی تھی مجھے بتادی اور یوں گویا ہوئی۔ بیٹے یہ جو تنہائی مجھے ملی ہے مجھے تو اس سے بھی زیادہ سزا ملنی چاہیے' کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ بیٹے یہ چار سال پرانی بات ہے اسی محلے میں فاروق صاحب رہتے تھے بہت شریف لوگ تھے ان کے دو بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی بڑا بیٹا بنک میں آفیسر تھا چھوٹا بیٹا بی۔ اے کرنے کے بعد کپڑے کی دکان چلا رہا تھا۔ خوشحال گھرانہ تھا ہم لوگوں کا بھی کافی آنا جانا تھا وہ لوگ بہت اچھے ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔ خیر میری بڑی بیٹی سمیرا کو ان کے چھوٹے بیٹے نے کہیں دیکھ لیا اس نے ماں سے بات کی۔

اس کے ماں باپ مان گئے پھر اس کی ماں نے میرے آگے جھولی پھیلائی کہ میں سمیرا کو بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا کہ میں ان کے ابو سے بات کروں گی۔ بیٹی کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگی ماں تو ہاں کردے۔ اس میں میری بھی خوشی ہے مگر میں نے کہا کہ تجھے پتہ ہے کہ ہم لوگ غیر ذات برادری میں رشتے نہیں کرتے وہ بے چاری تو چپ ہوگئی میں نے اس کے ابو کو بتائے بغیر انکار کردیا۔



بیٹی کی اداس آنکھیں بھی مجھے متاثر نہ کر سکیں۔ میں یہ بھول گئی کہ ہم اپنے بچوں کے والدین ہیں خدا نہیں ہیں۔ خدا تو بس ایک ہے یہ ذاتیں۔ یہ برادریاں' یہ رسمیں تو ہم لوگوں نے اس لئے بنائی ہیں کہ یہ قیامت کی نشانیاں ہیں ورنہ سب برابر ہیں۔ حضرت آدمؑ کی نسل میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کلام پاک اذان دے کر اسے مسلمان کرتے ہیں پھر یہ ذاتیں کیا اہمیت رکھتی ہیں دوسرے روز اس لڑکے کی ماں پھر آئی میں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اپنی ناک خاندان میں نہیں کٹوانی۔ اس نے بہت منتیں کیں مگر میرا یہی جواب تھا کہ ہم باہر رشتے نہیں کرتے پھر کافی دن گذر گئے میری بیٹی بھی کھوئی کھوئی سی رہنے لگی۔ مگر میرا دل پتھر ہی رہا۔ پھر اس لڑکے کے ماں اور باپ دونوں آئے کہ ہماری سب کی خوشی ہے ہم آپ لوگوں کو کبھی بھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ آپ ایک مرتبہ ہاں تو کریں مگر میں نے انکار کر دیا مجھے تو بس خاندان اور لوگوں کی فکر تھی کہ کیا کہیں گے۔ پھر اللہ جانے کیا ہوا کہ اس لڑکے کی ماں مقدس کتاب قرآن پاک لے آئی میں اور میری بیٹیاں گھر میں موجود تھیں اس اللہ کی بندی نے قرآن پاک میری جھولی میں ڈال دیا کہ اس مقدس کتاب قرآن پاک کے واسطے اپنی بیٹی مجھے دے دو۔ اور ویسے بھی میرے بیٹے میں کوئی خرابی نہیں ہے اگر کوئی خرابی ہوتی تو میں کبھی بھی نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب میری جھولی میں پڑی تھی۔ اس پاک کتاب کے واسطے تو ہمارے پیغمبروں نے اپنی جانوں کے نذرانے دے دیے اپنی اولادیں قربان کر دیں۔ اپنا سب کچھ لٹا دیا اور پھر یہاں تو ایک بیٹی کا سوال تھا اور اس چیز کا سوال تھا کہ جو نہ کسی نے گھر میں رکھنی ہے جو ہوتی ہی پرایا دھن ہے' امانت ہوتی ہے جس کو ایک نہ ایک دن بابل کی دہلیز کو چھوڑنا ہوتا ہے۔ آخر میں نے بھی تو بیٹی کسی نہ کسی کو دینی ہی تھی کیونکہ یہ بیٹیاں کوئی بھی تو آج تک گھر نہیں رکھ سکا اور نہ ہی رکھ سکتا ہے۔ مگر میں نے پھر بھی قرآن پاک اٹھایا۔ چوما سینے سے لگایا اور اسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ بہن مجھے معاف کر دینا ہم لوگ مجبور ہیں اگر رشتہ دیں تو لوگ باتیں کریں گے طرح طرح کی باتیں بنائیں گے وہ تو قرآن پاک لے کر خاموشی سے چلی گئی مگر میری بیٹی تڑپتی ہوئی آئی اور کہنے لگی ماں یہ تو نے کیا کیا اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب کو واپس کر دیا۔

کیا میں قرآن پاک سے زیادہ اہمیت رکھتی ہوں ماں تو نے اچھا نہیں کیا اگر تو مسلمان ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرتی۔ میں نے کہا بیٹی میں نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے ویسے بھی کونسا کسی کو اس بات کا علم ہے بیٹی کہنے لگی ماں اللہ تعالیٰ کو جو بات معلوم ہے وہ سمجھو کہ تمام عرش والوں کو معلوم ہے پھر کہنے لگی ماں اگر میں مرجاؤں تو بھی تو برداشت کر ہی لے گی۔ اگر تم اب بھی ہاں کر دو تو کوئی باتیں نہیں بنائے گا۔ مگر میں اپنا کام کرنے لگی اور اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ تین دن خیریت سے گذر گئے وہ لوگ دوبارہ نہیں آئے۔ چوتھی رات کو اچانک میرے شوہر کے پیٹ میں درد ہوا اور صبح ہی اس نے دم توڑ دیا۔ میں تو لٹ گئی کہ یہ کیا ہو گیا ہے ایک بات تو میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ میں نے قرآن پاک والی بات اپنے شوہر اور بیٹے سے کی تھی مگر دونوں نے یہی کہا تھا کہ ہم غیر ذات میں رشتہ نہیں کریں گے۔ شوہر کی موت کا زخم ابھی تازہ تھا کہ میرا چھوٹا بیٹا بخار میں تین دن مبتلا رہنے کے بعد چل بسا جوان بیٹے کی موت نے مجھے ہلا کر

رکھ دیا پھر چھوٹی بیٹی چل بسی۔ میں حیران و پریشان تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے میں فاروق صاحب کے گھر گئی تو وہ لوگ کہیں اور جا چکے تھے۔

چوتھے روز بڑا بیٹا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا کہ ماں میرے پیٹ میں آگ سی جل رہی ہے ڈاکٹر کو بلایا۔ دوائیں دیں مگر وہ بھی چل بسا۔ میری دنیا اندھیر ہو گئی۔ دل میں سوچا کہ قرآن پاک پڑھ کر پانی پر دم کر کے دوسرے بچوں کو پلاؤں مگر میں جب بھی قرآن پاک اٹھاؤں آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جائے یا پڑھا ہی نہ جائے پھر دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے میں نے بہت رو رو کر دعائیں کیں مگر تین ہفتوں میں بقایا بچے بھی فوت ہو گئے جوان سات بچوں کی موت نے مجھے کتنے دنوں تک بے ہوش رکھا بلکہ ہوش سے بیگانہ رکھا۔ ہوش میں آتی تو بچوں کی معصوم صورتیں ویسے ہی نظر آتیں۔ کہ ماں تو نے یہ کیا کیا ہے ہمارا کیا قصور تھا۔ میں بے اختیار رونے لگتی۔ محلے والے کھانا دے جاتے۔

جس خاندان کی خاطر میں نے رشتے سے جواب دیا کہ خاندان والے باتیں بنائیں گے انہوں نے آکر پوچھا بھی نہیں کہ تم کس حال میں ہو۔ کس حال میں زندہ ہو۔ اب میں بہت پچھتا رہی ہوں۔ کیونکہ اگر میں اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیتی تو میرے سب بچے میرے پاس اور خوش و خرم رہتے۔ میں بھی خوش رہتی۔

مگر قصور میرا تھا میں نے بیٹی کو قرآن پاک سے زیادہ اہم جانا قرآن پاک سے زیادہ اہمیت بیٹی کو دی۔ اور ان لوگوں کا دل بھی توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا دل توڑ دیا واقعی دل توڑنا بہت بڑا گناہ ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے سے سزا تو ضرور ملتی ہے چاہے جلد ملے یا دیر سے۔ ہوا یہ کہ مجھے سزا جلد مل گئی۔ اب مجھے اپنی بیٹی کی بات یاد آ رہی ہے کہ اگر ماں میں مر جاؤں تو بھی آپ برداشت کریں گی ناں۔ واقعی یہ بات ٹھیک ہی نکلی۔ کہ میں ایک بیٹی کے بدلے بھرا ہوا گھر لٹا بیٹھی اگر میں قرآن پاک کی اہمیت کو سمجھتی تو کبھی بھی انکار نہ کرتی۔ میں نے واقعی اچھا نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے افسوس ہے کہ ہم پڑھ تو لیتے ہیں۔ تلاوت تو کر لیتے ہیں مگر اس پاک کتاب قرآن پاک کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں میں تمام لوگوں سے التجا کرتی ہوں کہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن پاک کا مسئلہ ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام پر یا خدا کے واسطے اچھا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن پاک پر سب کچھ قربان کر دینا میری طرح کبھی انکار مت کرنا ورنہ میری طرح پچھتاؤ گے اور میری طرح سب کچھ نہ لٹا بیٹھنا میری طرح قرآن پاک کو خالی مت لوٹانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت بھی خراب۔

ہم مسلمان ہیں ہمیں تو قرآن پاک کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے پیاری کتاب کی تو غیر مسلم بھی عزت کرتے ہیں' احترام کرتے ہیں۔ پھر ہم تو مسلمان ہیں پس اس مقدس کتاب کی عزت کرو ورنہ میرے جیسا انجام ہو گا خدا کا خوف کرو اس مقدس کتاب قرآن پاک کی اہمیت کو سمجھو۔ ماسی نے روتے ہوئے اپنی کہانی ختم کی۔ آپ سب سے التجا ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے شوہر اور بچوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ (آمین ثم آمین)

چترلیکھا

لتادیوی

چترلیکھا نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی لیکن ماں باپ' بھائی بہن پر بوجھ بننے کے بجائے ضلع تھانہ کے انگور اسپتال میں بطور نرس نوکری کر لی۔ وہاں کی انچارج ڈاکٹر کلپنا پھارے کو چترلیکھا پر بڑا ترس آیا تھا چنانچہ وہ اس پر بڑی مہربان رہتی تھیں۔

دونوں ایک دوسرے کی راز دار سہیلی بن گئیں اور ڈاکٹر کلپنا پھارے کی وجہ سے ہی چترلیکھا پچھلے دس سال سے ایک ہی اسپتال سے وابستہ تھی۔

چترلیکھا کا چودہ سالہ لڑکا سینٹ اگنیل ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ تعلیم دلوانا چاہتی تھی تاکہ وہ دنیا میں کچھ کر سکے۔ چترلیکھا کی ایک بہن سریکھا اور ایک بھائی سریندر بنگے تھا۔ سریندر بنگے اپنی بہنوں کو بہت چاہتا تھا اور خاص کر چترلیکھا کو۔

یہ بات 84ء کی ہے۔ انگور اسپتال میں آر ایم او کے عہدے پر ڈاکٹر محمد علی بسی کر کا تقرر ہوا۔ ڈاکٹر بسی فطرتاً" بے حد شرمیلے اور کم گو انسان تھے۔ وہ کسی سے زیادہ ہنستے بولتے نہیں تھے لیکن وہ ایک وجیہہ اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ صنف نازک کے لئے ان میں ایک خاص کشش تھی۔

لہٰذا چترلیکھا بھی جانے انجانے طور پر ان کی طرف مائل ہوتی چلی گئی پھر ڈاکٹر بسی کرنے بھی چترلیکھا میں دلچسپی لینا شروع کر دی اس طرح دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔ پھر وہ اتنے قرب آگئے کہ ان کے درمیان مذہب ذات پات' خاندان کنبے کی کوئی رکاوٹ ہی نہیں رہی۔

ان دونوں کی ازحد قربتوں کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ڈاکٹر بسی کرنے بھی اپنی بیوی کو طلاق دے رکھی تھی۔ چنانچہ دونوں کی نجی زندگی یکساں تھی چترلیکھا نے شوہر کو چھوڑ رکھا تھا تو ڈاکٹر بسی کرنے بیوی کو۔

چترلیکھا طلاق کے بعد سے ہی اپنے مائیکے میں رہنے لگی تھی۔ باپ انتقال سے پہلے ہی اپنا مکان اپنی بیوی کے نام کر گیا تھا۔ چترلیکھا نے گھر والوں کی اور خاص کر ماں کی خوب خدمت کی۔ ساری کمائی لا کر ماں کو دے دیتی۔ ماں اس سے کافی خوش تھی جب اس کی آخری گھڑی آئی تو وہ اپنا گھر زمین بیٹی چترلیکھا کو دے گئی۔

اس طرح چترلیکھا مکان مالک بن گئی۔ چونکہ وہ شروع سے ماں باپ کی لاڈلی تھی اس لئے اس کی نجی زندگی میں مداخلت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ اور جب وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی اور خود مختار بن گئی تو بھلا اسے کون ٹوکتا۔

یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر بسی کر سے اس کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہنے لگے۔ جب کہ ڈاکٹر بسی کر مسلمان تھے اور چترلیکھا ہندو۔ چترلیکھا بسی کر کے ساتھ خوش تھی۔ اس کے گھر والوں کو اس کی خوشی کے علاوہ اور کیا چاہئے



تھا۔

اس طرح وقت گزرتا رہا۔ اب ڈاکٹر بسی کر، چتر لیکھا کے ہی گھر میں بالائی منزل پر رہنے لگے۔ نچلے حصے میں چتر لیکھا کا بھائی سریندر اپنی فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ کئی سال گزر گئے چتر لیکھا اور ڈاکٹر بسی کرنے شادی نہیں کی لیکن وہ آپس میں ازدواجی زندگی ہی گزار رہے تھے۔

4 جولائی 90ء کی صبح چتر لیکھا حسب معمول تیار ہو کر ڈاکٹر بسی کر کے ساتھ کلینک کھولنے نکلی دونوں بے حد خوش تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چتر لیکھا واپس آگئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو بتایا کہ اس کے پیٹ میں شدید درد ہے جو برداشت سے باہر تھا۔

وہ بالائی منزل پر جانے کے لئے زینہ بھی طے نہیں کر پائی اور نچلے حصے میں ہی اپنے بھائی کی لیٹرین میں چلی گئی۔ اس کی کراہیں باہر بھی سنی جا رہی تھیں۔ سریندر اور اس کی بیوی منیشا باہر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور چتر لیکھا کے لیٹرین سے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔

18 جولائی 90ء کو دوپہر کے ڈھائی بجے سر بھارشی کانت اوپکر اپنے بھائی سریندر کے ساتھ نوپاڑہ پولیس اسٹیشن پہنچی اور اپنی بتیس سالہ بہن چتر لیکھا کے لاپتہ ہونے کی اطلاع سینئر پولیس انسپکٹر اشوک پندھارے کو دی۔ مسٹر پندھارے نے فی الفور گمشدگی کے اس سلسلے میں کارروائی شروع کردی۔

انہوں نے سب انسپکٹر منک پوار، اسسٹنٹ سب انسپکٹر ٹھومرے اور ہیڈ کانسٹیبل ایم آر ساونت کو ممبئی کے مختلف حصوں میں بھیج دیا۔ سریکھا نے اپنی بہن کے حالات زندگی کے بارے میں پوری تفصیل سے پولیس کو بتایا۔ سریندر بہن کی گمشدگی سے بے حد نڈھال ہو رہا تھا اور پولیس والے اسے دلاسہ دے رہے تھے۔

انسپکٹر پندھارے نے پوچھا۔

چودہ جولائی کو صبح کیا گھر میں کسی سے چتر لیکھا کی نوک جھونک ہوئی تھی؟

سریندر گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔

نہیں صاحب وہ تو روز کی طرح خوش و خرم ڈاکٹر بسی کر کے ہمراہ گھر سے نکلی تھی۔ لیکن شاید راستے میں چتر لیکھا کے پیٹ میں درد ہوا اور وہ واپس گھر آ گئی۔ پھر جب اس کی حالت سنبھلی اور گھر سے گئی تو پھر واپس نہیں آئی۔

آج کچھ ہی دیر پہلے اس نے فون پر اپنی انچارج ڈاکٹر پٹھارے کو فون پر مطلع کیا کہ اس نے کسی عبداللہ نام کے آدمی سے شادی کرلی ہے اور اب وہ کام پر نہیں آسکے گی۔

ڈاکٹر پٹھارے کو اس فون پر یقین نہیں ہوا اور انہوں نے خود آکر کے اس بارے میں بتایا۔

یہ کہہ کر سریندر سسکنے لگا۔ اس کی بہن سریکھا بھی آنسو بہا رہی تھی۔

بہرحال چتر لیکھا کے ملنے کے جہاں بھی امکان تھے نوپاڑہ پولیس نے انسپکٹر پندھارے کی قیادت اور ہدایت کے تحت اچھی طرح چھان بین کرلی لیکن چتر لیکھا کا کہیں سراغ نہیں ملا۔

دو دن اور گزر گئے۔ بیس جولائی کو چتر لیکھا کے پڑوسی کو ایک شخص نے اس کے مکان کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

یہ چتر لیکھا نے بھیجی ہے میں جنا سے آیا ہوں۔ چتر لیکھا نے کہلایا ہے کہ اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ وہ جہاں بھی ہے خوش ہے۔

یہ کہہ کر وہ اجنبی چلا گیا۔ اور چابی لینے والا اس

سے کچھ پوچھ بھی نہ سکا۔ اس واقعہ کی اطلاع بھی انسپکٹر پندھارے کو دی گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ چترلیکھا بمنا میں ہے۔

اس پر سریندر نے کہا۔

جی ہاں سر ڈاکٹر بسی کر کی ڈسپنسری بھی بمنا میں ہے۔

اس انکشاف پر انسپکٹر پندھارے نے ایک طویل سانس لی۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔

انہوں نے سریندر سے کہا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے خاص ہدایات کے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل ساونت کو بمنا روانہ کیا۔ ساونت کو ڈاکٹر بسی کر کی سرگرمیوں اور حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کی ہدایت بھی دی گئی تھی۔

بتیس دن بعد ساونت نے انسپکٹر پندھارے کو جو رپورٹ بھیجی اس سے ڈاکٹر بسی کر پر ہونے والے شک و شبہ کو کوئی تقویت نہیں ملی۔ ڈاکٹر بسی کر ہمیشہ کی طرح اپنی پریکٹس میں مصروف تھے اور ان کا آنا جانا کہیں بھی نہیں تھا۔ تاہم ڈاکٹر بسی کر کی نگرانی جاری رہی۔

اچانک انسپکٹر پندھارے کے ذہن میں ایک خیال کوندا کہ جب ڈاکٹر بسی کر کھلے عام چترلیکھا کے ساتھ رہ رہے تھے تو انہیں چوری چھپے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ چترلیکھا کسی اور کو چاہتی ہو اور معاملہ رقابت کا بنتا چلا گیا ہو۔

اس دوران انکور اسپتال سے ڈاکٹر کلپنا پٹھارے کا روز ہی فون آتا رہا۔ پولیس چترلیکھا کی تلاش میں مصروف تھی مگر اتنے عرصے میں بھی اسے کوئی کامیابی نہیں ملی تھی۔

پچیس جولائی کو صبح اچھی خاصی بارش ہوئی تھی۔ صبح چھ بجے بھی پھواریں پڑ رہی تھیں اور آسمان کالی گھٹاؤں سے پٹا ہوا تھا۔ جب ضلع تھانہ کے تحت پولیس اسٹیشن رہالے کے سینئر پولیس انسپکٹر میش اجنکیا کی جیپ کیچڑ سے ہوتی ہوئی پوری رفتار سے شیماٹا گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔

اس وقت انسپکٹر اجنکیا اپنے تحت آنے والے پولیس حلقوں کا گشت کر کے جیسے ہی اپنے کیبن میں بیٹھے کہ شیماٹا گاؤں کے پولیس مخبر سکھارام پاٹل نے آ کر اطلاع دی کہ گاؤں کے پاس بہنے والے نالے میں ایک میلا کی ننگی لاش پڑی ہے۔

یہ سن کر انسپکٹر اجنکیا چونک پڑے۔ کیونکہ وہ تو ان علاقوں کا دورہ کر کے آئے تھے۔

لاش کی شناخت ہوئی ہے یا نہیں؟

انہوں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پاٹل سے پوچھا۔

جناب کیا صرف دھڑ سے شناخت ہو سکتی ہے؟

پاٹل کے اس جواب پر انسپکٹر اجنکیا سنجیدہ ہو گئے۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔؟

اس لاش کا نہ سر ہے نہ ہاتھ نہ پیر۔

پاٹل نے بتایا اور انسپکٹر اجنکیا کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ انہوں نے "آنا" فانا" میں اپنے ساتھ پولیس کا عملہ لیا اور موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب پولیس وہاں پہنچی تو اس وقت تک علاقے میں لاش کی خبر سے سنسنی پھیل چکی تھی۔ لوگ وہاں جمع تھے لیکن پولیس کی جیپ دیکھتے ہی بھیڑ چھٹنے لگی۔ انسپکٹر اجنکیا نے لاش کو دیکھا اور پھر جائے واردات کا معائنہ کیا اور اس کی اطلاع وائرلیس کے ذریعہ پولیس

ہیڈ کوارٹرز کو دے دی۔

ابھی وہ لوگوں سے پوچھ تاچھ کر ہی رہے تھے کہ پولیس ڈپٹی کمشنر الھاس جوشی اور اسسٹنٹ پولیس کمشنر سریش اہیرے لیڈی پولیس انسپکٹر پاٹھک کراڑے وغیرہ بھی آپہنچے۔

لوگوں نے پولیس افسران کو بتایا کہ یہ لاش نالے میں بہہ کر آئی ہے۔ اس پر پولیس افسران نے آپس میں تبادلہ خیال کیا کہ اگر ایسا ہے تو اس لاش کا تعلق ترے تھانے سے ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ عورت بھی ممبئی کی ہے لیکن پولیس کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔

اسی دوران ترے پولیس اسٹیشن کے سینئر انسپکٹر بھی اطلاع ملتے ہی موقعہ پر پہنچ گئے۔

صبح کے تقریباً" دس بج چکے تھے۔ سبھی پولیس اسٹیشنوں کو وائرلیس کے ذریعہ اس پراسرار لاش کی اطلاع بھیج دی گئی تھی۔

ادھر ڈاکٹر بسی کر پر نظر رکھنے والے نوپاڑہ تھانہ کے ہیڈ کانسٹیبل ساونت وائرلیس سیٹ پر ہی تھے اور اس وقت بارش بھی ہلکی ہلکی ہو رہی تھی کہ وائرلیس سیٹ نے ربالے پولیس اسٹیشن کو مانگنا شروع کر دیا۔

ساونت نے اپنی توجہ وائرلیس پیغام کی طرف مبذول کر دی۔ اس پیغام کے مطابق ربالے پولیس اسٹیشن کے تحت جنا کے حلقے میں ایک 32 اور 35 سال کی عورت کی لاش ملی ہے صرف دھڑ ہے۔ باقی اعضا غائب ہیں۔ لاش ترے تھانے کے حلقہ میں برآمد ہوئی ہے۔ پیغام میں کہا گیا کہ اپنے علاقے کے گمشدہ لوگوں کے خاندان والوں سے رابطہ قائم کیا جائے۔

یہ پیغام سن کر ساونت نے انسپکٹر پندھارے کو پوری بات بتائی۔ اسی وقت چترلیکھا کے بھائی سریندر سنگھے کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس کے بعد چترلیکھا کے سبھی ملنے جلنے والوں کو تھانے بلا لیا گیا۔

لاش کی شناخت کرنے کے لئے چترلیکھا کے بھائی سریندر سنگھے' اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو ربالے پولیس اسٹیشن لایا گیا۔

پولیس نے لاش کو دکھایا۔ لیکن لاش کی پہچان نہیں ہوئی کیونکہ ایک تو لاش پانی میں رہنے کی وجہ سے کافی پھول چکی تھی دوسرے لاش کم از کم ایک ہفتہ پہلے کی تھی۔ جس سے وہ کافی خستہ ہو چکی تھی۔ عورتوں کو لاش کے پاس نہیں جانے دیا گیا۔

پھر متوفیہ کی ساڑھی بلاؤز وغیرہ بھی سریندر اور ڈاکٹر بسی کر کو دکھایا گیا لیکن دونوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا کیونکہ کپڑوں میں اتنا زیادہ خون لگا تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔

پولیس نے اس معاملے میں عورتوں کی مدد لینا مناسب سمجھا کیونکہ عورتیں کپڑے وغیرہ پر زیادہ دھیان رکھتی ہیں۔ اس طرح پولیس نے چترلیکھا کی چھوٹی بہن ودیا اور پدما کو ساڑھی دکھائی تو دونوں دھاڑیں مار کر رو پڑیں۔

یہی ہیں میری بہن کے کپڑے۔

پھر چیخ و پکار مچنی شروع ہو گئی۔ تھانہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ سریندر سنگھے تو پچھاڑیں کھا رہا تھا۔ ڈاکٹر بسی کر بھی ایک کونے میں کھڑے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اس وقت وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے۔

ربالے تھانہ اور نوپاڑہ تھانہ کے ساتھ ساتھ ضلع تھانہ پولیس ہیڈ کوارٹر کے کئی اعلیٰ افسران موجود تھے۔ لاش کا تعلق تین پولیس اسٹیشنوں سے تھا مگر چونکہ متوفیہ کا تعلق نوپاڑہ سے تھا اور لاش ربالے پولیس اسٹیشن سے ملی تھی۔ اس کی وجہ سے اس کی تفتیش دونوں پولیس اسٹیشنوں کو سونپی گئی۔

پولیس کے سامنے کئی باتیں واضح ہو چکی تھیں۔ اور لاش کی شناخت ہو جانے کے بعد تو پولیس نے راحت کی سانس لی تھی۔

اب مرحلہ تھا ملزموں تک پہنچنے کا۔ پولیس کی نظر میں ڈاکٹر بسی کر اس پوری کہانی کا مرکزی کردار لگے۔ کیونکہ چترلیکھا سے ان کے ناجائز تعلقات تھے دونوں ساتھ رہتے تھے۔ پھر چترلیکھا کا کسی اور سے شادی کر لینا" جیسا کہ فون پر اطلاع ملی تھی کافی اہمیت رکھتا تھا۔ پولیس نے سوچا کہ ممکن ہے ڈاکٹر بسی کر اپنی محبوبہ کی اس بے وفائی کو برداشت نہ کر سکے ہوں اور چترلیکھا کا صفایا کر دیا۔ چترا چودہ جولائی کو لاپتہ ہوئی تھی اور آخری بار ڈاکٹر بسی کر کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔

پولیس نے معاملے کے دیگر پہلوؤں پر بھی غور کیا۔ مثلاً" ڈاکٹر بسی کر اور چترلیکھا دونوں ہی طلاق شدہ تھے تو کہیں اس قتل میں چترلیکھا کے سابق سسرال والوں کا تو ہاتھ نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ چترلیکھا کا سابق شوہر گوپی ناتھ واکل نے اسے ٹھکانے لگا دیا ہو۔

دوسری طرف اعلیٰ پولیس افسران نے یہ بھی سوچا کہ کہیں ڈاکٹر بسی کر کے سسرال والوں نے یہ ارتکاب جرم کیا ہو کیونکہ ڈاکٹر بسی کر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی ممکن ہے چترلیکھا کی وجہ سے ہی اسے طلاق دی گئی ہو جس کا انتقام ان لوگوں نے چترلیکھا سے لیا۔

اس طرح پولیس کی دو ٹیمیں بنائی گئیں ایک کو ڈاکٹر بسی کر کی سسرال کی طرف روانہ کیا گیا اور دوسری ٹیم کو چترلیکھا کی سسرال بھیجا گیا۔

انسپکٹر ا جنکیا ڈاکٹر بسی کر اور سریندر سنگھ سے پوچھ تاچھ کر رہے تھے تو دوسری طرف نوپاڑہ کے سینئر انسپکٹر بندھارے نے چترلیکھا کے پڑوسیوں سے پوچھ تاچھ شروع کر دی اس طرح دونوں ذہین پولیس افسروں کی کوششوں کا نتیجہ سامنے آگیا وہ جب قاتل کی تلاش میں تھے تب بھولی بھالی صورت والا وہ شخص شروع دن سے ہی ان لوگوں کے ہی ساتھ ساتھ تھا لیکن وہ کتنا چالاک اور کتنا بڑا اداکار تھا کہ پولیس کو اتنے دن میں اس پر ذرا بھی شک نہیں ہوا لیکن اس تک پہنچنے کے لئے پولیس کو بڑی محنت کرنی پڑی اور ڈرامے رچانے پڑے۔

اس نے جرم کا ارتکاب اس خوبصورتی سے کیا تھا کہ کوئی بے قصور پھانسی کے پھندے تک پہنچ سکتا تھا لیکن پولیس نے اصلی ملزم کو قانون کے شکنجے میں لے کر عدالت کے دروازے تک پہنچا دیا۔

پوچھ تاچھ کے دوران انسپکٹر جنکیا کے دماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ انہوں نے چترلیکھا کے بھائی سریندر سنگھ کو غور سے دیکھا اور معنی خیز انداز میں پوچھا۔

اشوک پوار تو تمہارا گہرا دوست ہے وہ اب تک کیوں نہیں آیا جب کہ سارے لوگ آگئے۔ تمہاری بہن کی لاش ملنے پر بھی وہ نہیں آیا۔

اس سوال پر سریندر چونکا پھر سنبھل کر جواب دیتے ہوئے اشوک پوار کا پتہ بتا دیا۔

تھوڑی دیر میں پولیس والے اشوک پوار کو تھانے لے آئے۔ انسپکٹر اجنکیا نے اس کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

تم نے چترلیکھا کا قتل کیوں کیا تھا؟

اس اچانک سوال پر اشوک گڑبڑا گیا اسے علم بھی نہیں تھا کہ ایسے خطرناک سوال کئے جائیں گے۔ اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میں کیوں کرنے لگا کسی کا قتل صاحب۔

توکیا یہ قتل سریندر ہنگے نے کیا ہے؟

انسپکٹر نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اس طرح کئی سوال کیے گئے لیکن پولیس کو تسلی بخش جواب نہیں ملا۔

پھر انسپکٹر ا جنکیا نے ایک اسکیم تیار کی۔ انہوں نے سریندر کو الگ کمرے میں رکھا اور اشوک کو الگ کمرے میں۔ اب تک پولیس نے کسی کے ساتھ ذرا بھی سختی نہیں کی تھی۔ اور انسپکٹر ا جنکیا نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ اذیت دیئے بغیر ہی جرم قبول کرائیں گے۔

انہوں نے ایک پولیس افسر کو سمجھایا کہ وہ دس پندرہ منٹ کے بعد آکر کہے کہ اشوک ٹوٹ گیا اور اس نے گناہ قبول کرلیا ہے۔ یہ بات سریندر ہنگے کے سامنے کہی جائے چنانچہ پولیس افسر نے ویسا ہی کہا۔

انسپکٹر ا جنکیا سریندر کے پاس تھے۔ وہ نرمی سے باتیں کر رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ کمرے میں ایک پولیس افسر نے آکر گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔

سر اشوک نے سب کچھ بتا دیا اور اس نے اقبال جرم کر لیا ہے۔

یہ جملہ سریندر کے لئے دھماکہ ثابت ہوا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ کانپنے لگا۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن پولیس اپنی چال میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اسی طرح اشوک پوار کے کمرے میں کہا گیا جہاں ایک پولیس افسر نے یہ کہا کہ سریندر ٹوٹ گیا اور اس نے اقبال جرم کر لیا اس فقرے نے بھی ایک دھماکے کا کام کیا۔ اس طرح اشوک اور سریندر نے واقعی اقبال جرم کر لیا اور پوری روداد پولیس کے سامنے بیان کر دی۔

چتر لیکھا چھ بہنیں تھیں اور ایک بھائی سریندر ہنگے۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ ماں باپ کی آنکھ کا تارہ تھا۔ وہ بچپن سے ہی ضدی اور اوباش قسم کا تھا۔ اس کا باپ شورام ہنگے فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد حیدر آباد میں ریلوے ڈرائیور کے عہدے پر تھا۔

اس ملازمت کے دوران ہی شورام نے ضلع تھانہ کے پانچ پاکھڑائی محلے میں دیواشی سوسائٹی میں اپنے خاندان کے لئے ایک مکان خرید لیا تھا۔ ماں باپ کے زیادہ لاڈ و پیار کی وجہ سے سریندر غلط سوسائٹی میں پڑ گیا۔ اس کے بگڑنے کا صدمہ ہی شورام کی موت کا سبب تھا۔

پھر چتر لیکھا کی طلاق نے بھی شورام کو بالکل توڑ دیا لیکن چتر لیکھا نے جس ثابت قدمی کا ثبوت دیا اس سے بوڑھے ماں باپ کو کافی سہارا ملا۔ اس نے نرس کی نوکری کر کے پورے گھر کو سنبھال لیا۔ یہی وجہ تھی کہ ماں نے مرتے وقت دیواشی سوسائٹی والا مکان چتر لیکھا کے نام کرا دیا تھا۔

اشوک پوار سریندر کا گہرا دوست تھا اور جرائم پیشہ ذہنیت کا تھا۔ وہ اکثر سریندر کے ساتھ ہی رہتا تھا اور اشوک کے کردار کی وجہ سے ہی پولیس کو سریندر پر شک ہوا جو بعد میں یقین میں بدل گیا۔

چودہ جولائی کی صبح چتر لیکھا ڈاکٹر بسی کر کے ساتھ حسب معمول تیار ہو کر ڈیوٹی کے لئے نکلی لیکن ساڑھے آٹھ بجے گھر واپس آگئی کیونکہ اس کے پیٹ میں شدید درد تھا۔

وہ بالائی منزل پر جا کر سریندر کے باتھ روم میں چلی گئی اور سریندر اسے ختم کرنے کی پلاننگ بہت پہلے سے کئے ہوئے تھا لیکن ڈاکٹر بسی کر کی وجہ سے اسے موقع نہیں ملتا تھا لیکن چودہ جولائی کی صبح اسے وہ موقع مل گیا۔

جب چتر لیکھا باتھ روم سے باہر نکلی تو سریندر نے ایک تیز دھار ہتھیار سے اس کے سر پر زوردار وار کیا۔ چتر لیکھا ایک زوردار چیخ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ چتر لیکھا کی چیخ پڑوسن نے سن لی تھی وہ دوڑی ہوئی آئی مگر سریندر کی بیوی مینشا نے اسے برآمدے میں روک لیا اور بہانہ بنا کر واپس کر دیا۔

اب میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تھا لاش کا۔

سریندر نے اپنی سگی بہن چتر لیکھا کو قتل کرنے کی روداد سناتے ہوئے پولیس سے کہا۔

میں نے اپنے ایک واقف کار سے دوسرے دن صبح کار مانگنے کا پلان کیا۔ پوری لاش نکالی نہیں جا سکتی تھی اس لئے میرے دوست اشوک نے اس کا سر ہاتھ پیر کاٹ کر الگ کر دیئے۔ میرے باتھ روم کا پائپ ٹوٹا ہوا ہے۔ اس لئے ہم نے لیٹرین میں لاش کے ٹکڑے کئے کیونکہ باتھ روم سے خون باہر چلا جاتا۔

ہم نے لاش کے ٹکڑوں کو نل کے نیچے رکھ دیا تا کہ خون پانی میں بہہ کر چلا جائے۔ تقریباً چار گھنٹے میں ہم نے پورا انتظام کر لیا۔ اس کے بعد پورے گھر کو دھویا تاکہ کہیں خون کا دھبہ نہ رہ جائے۔

لاش کو دو بوریوں میں بھر کر کار کے ذریعہ میں اشوک کے ساتھ سورج نکلنے سے پہلے ہی نکل پڑا اور شیمانا گاؤں کی پہاڑی کے پیچھے لاش کو پھینک دیا۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ لاش نو دن بعد یہاں آ کر ملے گی۔

آخر تم نے اپنی بہن کو اس بے دردی سے کیوں مار ڈالا؟

پولیس افسر کے اس سوال پر سریندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر بسی کر کے ساتھ اس کے تعلقات گھر سے باہر تھے اس وقت تک ہم نے کچھ نہیں کہا مگر جب

قاتل

کو جب قتل کرنے میں مزہ آتا تھا، سزائے موت کا حکم سنایا گیا، سزائے موت دینے سے پہلے اس سے پوچھا گیا: "تمہاری کوئی آخری خواہش ہے؟"

قاتل نے افسوس کا اظہار کیا، بولا: "ایک آخری خواہش میں رکھتا ضرور ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی بھی اسے پورا نہیں کر سکتا۔"

اس سے اصرار کے ساتھ پوچھا گیا: "تم اپنی آخری خواہش بیان تو کرو، ممکن ہے پوری کر دی جائے۔"

قاتل نے جواب دیا: "میں چند دنوں کے لیے حکومت کرنا چاہتا ہوں۔"

جلاد نے ہنس کر کہا: "تمہاری آخری خواہش خلافِ توقع نہیں ہے کیونکہ تمام بھیڑیوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ چرواہے بنا دیے جاتے۔"

ماں کی موت کے بعد ڈاکٹر بسی کر میرے ہی گھر میں آ کر رہنے لگے تو مجھے غصہ آیا۔ میری دو جوان کنواری بہنیں ہیں۔ ان پر کیا اثر پڑتا اور ایسے گھر کی لڑکی سے شادی کون کرتا۔

ڈاکٹر بسی کر اور چتر لیکھا کھلے عام بغیر شادی بیاہ کے میاں بیوی کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ بھی میرے سر پر۔ میں نے سوچا اس میں ڈاکٹر کا کیا قصور ہے اگر اپنا ہی سکہ کھوٹا ہے تو دوسرے کو کیوں قصوروار ٹھہرایا جائے۔

مگر پولیس کا کہنا ہے کہ یہ سب محض باتیں ہیں۔ سریندر نے چتر لیکھا کا قتل اس حسد سے کیا کہ چتر لیکھا اس جائیداد کی مالک بن گئی تھی جس کا اصلی حقدار سریندر تھا۔

چتر لیکھا کی موجودگی میں سریندر کو اپنا مستقبل خطرے میں لگا اور انجام کار اس نے بہن کو راستے سے ہٹانے کی پلاننگ کی۔ اگر ڈاکٹر بسی کر کی وجہ سے اس نے قتل کیا تو نرس چتر لیکھا سے ڈاکٹر کے تعلقات دس سال پرانے تھے اس عرصہ میں سریندر نے کبھی ڈاکٹر بسی کر یا چتر لیکھا سے اس بارے میں کچھ پوچھا تک نہیں۔

لالچی سسر کے ہاتھوں قتل ہونے والے
ایک شخص کی کہانی جو بے موت مارا گیا

تاریک خوشیاں

تحریر...... اسرار خاں

شمانہ کی پرورش اس کی نانی نے کی وہ دس سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا' جواں سال ماں نے بیوگی کی زندگی گزارنے کی بجائے محمد حسین سے نکاح کر لیا' محمد حسین قریبی گاؤں گروہ میں رہتا تھا' کفیل کے انتقال کے بعد نانی بوا نے یہ سوچ کر شمانہ کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا کہ کہیں ان کی کمسن نواسی سوتیلے باپ کی لاپرواہی کی بھینٹ نہ چڑھ جائے' ویسے بھی حسینی بیگم کو بائیں ہاتھ سے محروم ہونے کی وجہ سے ایک سہارے کی ضرورت تھی۔

شمانہ کے نانا ناظم اور اس کے والد کفیل احمد خاں دونوں ہی ضلع بلند شہر کے قصبہ سیانہ کے محلہ قاضی خیل میں بسکٹ بنانے کی بیکری چلاتے تھے' آمدنی معقول تھی دونوں گھروں کا خرچ باآسانی چل جاتا تھا' ناظم خاں نے اپنی بیٹی کا نکاح کفیل احمد سے کر کے انہیں اپنے ہی قریب میں ایک مکان بنا کر دے دیا تھا۔ کفیل کے انتقال کے بعد اکیلے ناظم خاں سے بیکری کا کام نہیں سنبھل رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے رمضان کو بھی اپنے ساتھ بیکری ہی پر رکھ لیا اور اپنے نئے داماد محمد حسین کو بھی ساتھ کر لیا۔ لیکن ناظم خاں کے نصیب میں تاریکیاں مقدر ہو چکی تھیں' اچانک ان کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اور کافی علاج کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔

شمانہ نے جیسے ہی جوانی کے آنگن میں قدم رکھا تو اس کی شادی ضلع غازی آباد کی تحصیل ہاپوڑ کے محلہ پتھر والا کنواں کے رہنے والے اسماعیل خاں کے صاحب زادے جاوید خاں سے کر دی گئی۔

22 سالہ جاوید خاں ایک خوبرو نوجوان تھا' لیکن باپ کی رحلت کے بعد وہ معاشی بحران کا شکار ہو گیا تھا' گھر کا سارا بوجھ اس کے دوش ناتواں پر ہی آپڑا تھا' چھ بہنوں اور دو بھائیوں کے علاوہ ایک بیوہ ماں پر مشتمل اہل خانہ کے نان و نفقہ کا انتظام وہ محض ایک برتن پالش کے کارخانے سے کسی طرح کر رہا تھا' تین بہنوں کی شادی تو اسماعیل خاں اپنی زندگی میں ہی کر گئے تھے۔

10 جون کو جب شمانہ سرخ جوڑے میں ملبوس جاوید خاں کے حجلہ عروسی میں پہنچی تو جاوید خاں کو ایسا لگا جیسے اس کے خوابوں کی تعبیر اسے مل گئی ہو' شمانہ حسین ہونے کے ساتھ ایک سلیقہ مند اور سگھڑ لڑکی تھی۔ اور پھر جلد ہی شمانہ کی گود بھی بھر گئی۔ بچی کو دیکھ کر سبھی کے چہروں پر مسرت تھی۔ بڑے جوش سے عقیقہ کی تقریب منائی گئی' اس کے بعد جاوید خاں شمانہ کو لے کر اس کے مائیکہ پہنچا' تاکہ وہ کچھ دن وہاں بھی رہ سکے۔

شام کے وقت محفل جمی تھی' سسرال والے



بڑے شیریں لہجہ میں جاوید کو گھر داماد بننے کی دعوت دے رہے تھے بیٹا جب تک تم دو تھے تو ہم خاموش تھے، لیکن اب ماشاء اللہ ایک بچی کے باپ بن گئے ہو، تمہیں اس کے مستقبل کے بارے میں ابھی سے سوچنا چاہئے۔ اب بھی اگر بھائی بہنوں کے کنبہ کے ساتھ رہو گے تو کماتے کماتے مرجاؤ گے اور اولاد کے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہ بچا سکو گے۔

یہ سن کر جاوید خاں کے خون کی گردش تیز ہو گئی، وہ پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے بولا۔

''آپ لوگ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' سسر سے کہا۔

''جاوید تم اپنے گھر والوں سے الگ ہو جاؤ ہم تمہیں دہلی، علی گڑھ یا اگر تم پسند کرو تو یہیں سیانہ میں اپنے پیسہ سے کاروبار کرا دیں گے، لیکن اس کے لئے ہماری ایک شرط ہے کہ تم اپنے گھر والوں سے کوئی ربط و ضبط نہیں رکھو گے۔''

جاوید کا ضمیر چیخ اٹھا تو کیا باپ کے انتقال کے بعد میں اپنی اس ماں کو تنہا چھوڑ دوں جس نے اپنا خون جگر پلا کر مجھے جوان کیا‘ ان بہنوں کے حقوق سے دستبردار ہو جاؤں جن سے میرا خون کا رشتہ ہے‘ میں اتنا بے غیرت بن جاؤں کہ اپنے عزیز از جاں بھائیوں کو سر راہ کاسہ گدائی لئے بھٹکتا چھوڑ دوں۔

شبانہ جس کے لبوں پر اب تک مہر سکوت لگی تھی‘ اچانک بول اٹھی۔

”میں اپنی مہربان ماں اور بہنوں سے بڑھ کر قربان جانے والی نندوں سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی‘ ان کے ساتھ رہ کر مجھے ساری تکلیفیں منظور ہیں۔ بہتر یہی ہے کوئی بھی ہمارے خانگی مسائل میں دخل اندازی نہ کرے‘ اللہ کا شکر ہے ہم اپنے گھر میں بہت خوش ہیں۔“

”خاموش! باپ کے سامنے زبان درازی کرتے تجھے شرم نہیں آتی‘ کیا تیری آنکھوں کا بھی پانی مر گیا۔ اور آج جاوید میاں نے بھی منہ زوری کر کے اور ہمارے فیصلہ کو رد کر کے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ اسے بدتمیزی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا‘ اور ایک بات کان کھول کر سن لو شبانہ‘ اب تم اس وقت تک جاوید کے ساتھ نہیں جاؤگی جب تک وہ ہمارے حکم کے آگے گھٹنے نہ ٹیک دے‘ اور جاؤ اب اپنی نانی کے گھر جا کر سو جاؤ لیکن جاوید کو اپنے کمرے کی بجائے آنگن میں پڑے چھپر کے نیچے سلانا“ محمد حسین نے اپنی پاٹ دار آواز سے شبانہ کو مرعوب کرتے ہوئے کہا ---- جاوید نے محمد حسین کے آخری جملے سن لئے تھے‘ اس نے غصہ سے بے قابو ہوتے ہوئے سسر سے کہا۔

”رات تو فٹ پاتھ پر بھی بسر ہو جاتی ہے آپ چھپر کی بھی زحمت نہ فرمائیں۔“

شبانہ بڑی مشکل سے منا کر جاوید کو نانی بوا کے گھر لے گئی‘ اس نے جاوید سے اپنے ہی ساتھ کمرے میں سونے کی التجا کی لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ وہ چھپر کے نیچے ہی سونے پر بضد تھا‘ وفادار بیوی کو یہ کب گوارہ تھا کہ شوہر سردی کے موسم میں خستہ چھپر کے نیچے تنہا سوئے۔ اس نے بھی اپنا بستر وہیں لگایا‘ رات گئے تک دونوں باتیں کرتے کرتے سو گئے‘ صبح کو جاوید نے شبانہ سے کہا کہ تمہارے والد جھگڑے پر آمادہ ہیں اس لئے میں تمہیں پندرہ دن بعد آ کر لے جاؤں گا‘ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

شبانہ اپنے والدین سے سخت نالاں تھی‘ اس نے اپنے اس سوتیلے باپ سے کوئی واسطہ نہ رکھا جو اس کے گھر میں بے غیرتی کی دیوار اٹھانا چاہتا تھا‘ 15 دن گزر گئے لیکن جاوید خاں نہیں آیا‘ شبانہ بے چین تھی‘ لیکن وہ آتا بھی کیسے شبانہ کے باپ نے جاوید خاں کو اپنی بیکری کے کاریگروں سے خوب پٹوایا تھا‘ اس کے سینہ پر اینٹ سے ضربیں لگائی تھیں جب جاوید بے دم ہو گیا تو اسے سڑک پر ڈلوا دیا۔

بڑی مشکل سے بے چارہ کسی طرح ہاپوڑ جا پہنچا۔ پوشیدہ زخم اتنے جان لیوا تھے کہ جاوید کا دماغی توازن برقرار نہ رہ سکا‘ گھر والوں نے اس سے واقعہ کی تفصیل معلوم کرنا چاہی لیکن وہ نقاہت سے اس قدر بے دم تھا کہ کچھ نہ بتا سکا‘ اس کے پھوپا نیاز احمد‘ بہنوئی محمود اور سعود خاں اسے ہاپوڑ کے اسپتال لے گئے۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ سر اور سینہ پر شدید ضربیں لگائی گئی ہیں۔ جگہ جگہ اندر ہی اندر خون جم گیا ہے جس کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی ہے‘ اچھا ہوا کہ بروقت انہیں طبی امداد مل گئی ورنہ کیس قابو سے باہر ہو جاتا۔

ماں نے جاوید کو سمجھایا‘ بیٹا کسی کے چہرے پر تو کچھ

لکھا ہوتا نہیں' میں نے تو شبانہ کو یتیم سمجھا تھا اور اس کی عادت واطوار مجھے پسند تھے' لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا' کوئی وحشی اس کا باپ بن کر میرے جگرپارے کو ظلم کا نشانہ بنائے گا۔ بیٹا تم سسر کی بات مان لو' میں خوشی سے تمہیں الگ ہونے کی اجازت دے رہی ہوں۔ مجھے تو بس تمہاری جان عزیز ہے' میں نہیں چاہتی کہ تم کسی سازش کا شکار ہو کر اپنی جان گنوا بیٹھو' تم ہی سوچو تمہاری ننھی بچی کا کیا ہو گا۔

جاوید کی حالت جیسے ہی کچھ اور بہتر ہوئی وہ ہاپوڑ کے لئے روانہ ہو گیا' تین فروری کی شام چھ بجے وہ اپنی سسرال پہنچا تو سب سے پہلے اس کی ملاقات اپنی ساس سے ہوئی۔ وہ کچھ مزاحیہ مزاج کی تھیں۔ جاوید نے جاتے ہی سوال کیا' ''شبانہ کہاں ہے میں اسے لے جانے آیا ہوں۔''

جاوید نے ساس کے چہرے کا جائزہ لیا' لیکن اس کے چہرے پر تصنع کا شائبہ تک نہ تھا' تو اس نے کہا مجھ پر کیا کیا مظالم ڈھائے گئے' کیا یہ بھی نہیں معلوم' یہ سن کر ساس متفکر ہو گئی' کیا ہوا مجھے تو ذرا بھی خبر نہیں۔

جاوید نے محمد حسین کے اشارے پر بیکری والوں کے مظالم کی داستان سنائی تو اس کی ساس زار و قطار رونے لگی۔ آخر وہ اس کی بیٹی کا شوہر تھا' دل کا غبار جب کچھ حد تک آنکھوں کے راستہ بہہ کر کم ہو گیا تو اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''بیٹا میں تو تمہارا برا کبھی نہ چاہوں گی' جس دن شبانہ کے ابا نے تمہیں علیحدگی پر مجبور کرنا چاہا تھا' میں اس دن ان کے ساتھ شریک ضرور تھی لیکن صرف ان کی دھمکیوں کے ڈر سے' ورنہ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تم اپنی ماں اور بہن کو بے سہارا چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ تم خوشی سے شبانہ کو ساتھ لے جاؤ' وہ کب سے تمہارے لئے چشم براہ ہے' اسے کیا معلوم کہ اس کے سرتاج پر کیا کیا مظالم ڈھائے گئے' شبانہ اپنی نانی بوا کے یہاں ہے تم وہیں چلے جاؤ۔'' جیسے ہی شبانہ کو خبر لگی کہ جاوید آیا ہے تو وہ دوڑتی ہوئی آئی اور آ کر اپنے جاوید سے لپٹ گئی' جیسے کئی صدیوں بعد وہ اپنے ساجن سے ملی ہو۔

جاوید کی آمد سے شبانہ کے بدن میں بجلیاں سی بھر گئی تھیں۔ وہ گھر بھر میں بھاگی بھاگی پھر رہی تھی۔ اسے یوں مست و سرشار' تیاری میں مصروف دیکھ کر اس کی نانی بوا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے بٹی' ایسی بھی کیا جلدی ہے کہ آج ہی جاؤ گی' چھوٹی بچی ساتھ ہے' موسم سرد ہے کل چلی جانا بٹی۔'' پھر وہ جاوید کو سمجھانے لگیں۔

''بیٹا تم محمد حسین سے خفا ہو میں جانتی ہوں' اس نے تم سے انتہائی غلط قسم کا مطالبہ کیا' مجھے تم پر اور تمہاری ثابت قدمی پر فخر ہے' لیکن بیٹے شبانہ مجھے اپنی بچی کی طرح عزیز ہے' میں نے اسے بچپن سے پالا ہے میرا بھی کچھ حق ہے' میری تو یہی رائے ہے کہ تم لوگ کل چلے جانا۔''

جاوید کو نانی کے حکم کے سامنے سرخم کرنا پڑا' لیکن اس نے محمد حسین کے ظلم کے بارے میں نا ہی نانی کو بتایا اور نہ شبانہ ہی کو' رات کو وہ دونوں چھپر کے ہی نیچے بستر لگا کر سو گئے' رات کافی گزر چکی تھی' ایک چارپائی پر شبانہ اپنی بچی کے ساتھ لحاف ڈھانپے محو خواب تھی اور ایک چارپائی پر جاوید سویا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے جھٹکے سے اسکا لحاف کھینچا' اس سے پہلے کہ جاوید کچھ سمجھ پاتا' ایک چاقو اندھیرے میں چمکا اور اس کے پیٹ میں اترتا چلا گیا' وار نہایت نپا تلا تھا۔

جاوید کی چیخ نکل گئی اس کا پیٹ کافی کٹ گیا تھا' آنتیں باہر کو آ رہی تھیں۔ اس نے ہمت سے کام لے کر حملہ آور کو پہچاننا چاہا تو دوسرا وار اس کی گردن پر ہوا' وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا' لیکن پھر بھی ہمت کر کے اس نے شبانہ کے بستر کی طرف دیکھا تو وہ بھی بچی کے ساتھ لہو میں ڈوبی پڑی تھی' ایک طرف گہرے زخم دوسری طرف بیٹی اور بیوی کی لاشیں۔ وہ کراہ کر بے ہوش ہو گیا' حملہ آور فرار ہو گئے۔

نانی بوا اور نانا الگ کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔ انہیں اس خونریزی کی بھنک بھی نہ لگی صبح کو چار بجے حسب عادت جب نانی بوا کی آنکھ کھلی تو انہوں نے شبانہ کو آوازیں لگانی شروع کیں' جواب نہ پا کر وہ سمجھیں کہ آج رات دیر سے سوئی ہو گی اس لئے بے خبر سو رہی ہے' انہوں نے خاموشی اختیار کر لی لیکن پھر جب کافی دیر تک وہ نہ اٹھی تو نانی بوا شبانہ کو اٹھانے کے لئے اس کے پاس آ دھمکیں' لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی۔

وہ فوراً باہر بھاگیں تو شدت غم سے گر پڑیں۔ نانی کی چیخ سن کر ڈبل روئی کارخانے کے ملازمین اور شبانہ کے ماموں رمضان خاں بھی دوڑتے ہوئے آئے تو دیکھا نانی بوا زمین پر پڑی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا ہو گیا تو نانی نے چھپر کی طرف اشارہ کر دیا' رمضان خاں اور ملازمین جب چھپر کے نیچے پہنچے تو وہ حیران رہ گئے' پورے پلنگ پر خون پھیلا ہوا تھا' جاوید خاں زمین پر پڑا ہوا تھا' شبانہ آدھی پلنگ اور آدھی زمین پر پڑی تھی' بچی شبانہ کے بازو پر مردہ پڑی تھی۔

رمضان خاں نے ہوش و حواس پر قابو پاتے ہوئے تینوں کی نبضیں دیکھیں۔ جاوید کی نبض بڑی سست رفتاری سے چل رہی تھی۔ لیکن شبانہ اور اس کی بچی اب اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے محمد حسین کو بلوایا وہ گھر پر ہی تھا' آ کر اس نے دیکھا' لیکن اس کے چہرے پر سفاکی کے علاوہ کچھ نہ تھا اس نے کہا۔

"مرجانے دو حرام زادے کو' اسی نے سب کو مارا ہے۔" رمضان خاں نے غضبناک ہو کر محمد حسین کو ڈانٹا' ایک شخص موت سے لڑ رہا ہے اور تم اس پر الزام لگا رہے ہو' اس نے کاریگر کو بھیج کر ڈبل روٹی بھرنے والا ٹیمپو منگوایا اور اس میں جاوید کو ڈال کر سرکاری ہسپتال لے گیا' لیکن ڈاکٹر نے فرسٹ ایڈ دے کر کہا کہ یہ پولیس کیس ہے۔ آپ لوگ رپورٹ درج کرائیے میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔

رپورٹ لکھانے محمد حسین نے بڑی تیزی دکھائی اور اپنی ساس حسین بیگم کو ساتھ لے جا کر اپنے منصوبہ کے مطابق رپورٹ درج کرا دی' حسین بیگم سیدھی سادی عمر دراز عورت تھی۔ محمد حسین نے اس کی طرف سے رپورٹ اس طرح لکھائی۔

میری نواسی شبانہ کی شادی جاوید خاں بن محمد اسماعیل ساکن محلہ پتھر والا کنواں قصبہ ہاپوڑ کے ساتھ ہوئی۔ دو فروری کو جاوید اپنی بیوی کو لینے میرے گھر آیا' کیونکہ شبانہ میرے پاس ہی رہتی تھی' بیماری اور کچھ گھریلو کام کاج کی وجہ سے میں نے جاوید سے کہا کہ پندرہ دن بعد لے جانا۔ اس پر وہ گالی گلوچ کر کے چلا گیا' پھر تین فروری کو شام کو دوبارہ آیا اور کھانا کھانے کے بعد میری نواسی اور جاوید کمرے کی بجائے چھپر میں سو گئے میں کمرے میں سوتی تھی۔ پانچ بجے جب میری آنکھ کھلی تو میں باہر آئی تو دیکھا جاوید اپنے ہاتھمیں استرو لئے میری نواسی اور اس کی بچی پر حملہ کر رہا ہے میں نے شور مچایا تو نیچے کارخانے کے ملازم کلیم خاں --- اور میرا داماد محمد حسین ولد فضلو خاں وغیرہ آ

گئے۔

انھوں نے جب جاوید کے سر پر خون سوار دیکھا تو اسے پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن اس نے موقع دیئے بغیر خودکشی کے ارادے سے اپنے پیٹ اور گلے پر استرہ سے وار کرنے شروع کر دیئے جاوید زندہ ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔ چھپر کے نیچے میری نواسی اور اس کی بچی کی لاش پڑی ہے فوراً" معاملہ کی چھان بین اور کاروائی کی جائے۔ حسین بیگم زوجہ ناظم خاں۔

محرر نے مقدمہ جرم نمبر 27 زیر دفعہ 309-302 کے تحت درج کر لیا اور تفتیش کا کام ایس آئی نے اپنے ذمہ لے لیا اور فوراً" جائے واردات پر جا پہنچے' پھر ہسپتال جا کر جاوید کا بیان قلمبند کرنا چاہا لیکن ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ بول نہیں سکتا' کیونکہ اس کا پیٹ اور گلا بری طرح کٹا ہوا ہے۔

محمد حسین نے ایک چال اور چلی وہ ایک سادہ کاغذ لے کر جاوید کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اس پر دستخط کر دو' ہم اس پر بیان لکھ دیں گے کہ تم نے شمانہ اور بچی کو قتل نہیں کیا' ہم تمہیں بچالیں گے۔

جاوید نے رمضان خاں کے اشارے پر منع کر دیا' اس نے اشارے سے کہا کہ وہ انگوٹھا لگا سکتا ہے' محمد حسین نے اس کا انگوٹھا کاغذ پر لگوا لیا۔

جاوید کی والدہ کو جب اس دل سوز حادثہ کی خبر ملی تو وہ بھی روتی بلکتی آ پہنچی اور جاوید کو میڈیکل کالج کے ایمرجنسی وارڈ میں بھرتی کروایا جاوید کی والدہ کو ان کے وکیل نے مشورہ دیا کہ وہ بھی اپنی رپورٹ درج کرا دیں' جاوید خاں کی والدہ نے رپورٹ تیار کر کے کوتوالی سیانہ جا کر رپورٹ درج کرانی چاہی لیکن وہاں کے کوتوال نے اس معاملے میں ٹال مٹول سے کام لیا اور رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا۔

رپورٹ کا مضمون اس طرح تھا۔

میرا لڑکا جاوید خاں تین فروری کو اپنی بیوی کو لینے سیانہ اپنی سسرال گیا تھا' چار فروری کو مجھے خبر ملی کہ جاوید۔ اس کی بیوی اور بچی کو کسی نے قتل کر دیا ہے' میں فوراً" سیانہ پہنچی وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ میری بہو اور بچی مر چکے ہیں اور میرا بیٹا جاوید بری طرح زخمی حالت میں ہسپتال میں موت و حیات کے درمیان ہچکولے کھا رہا ہے۔

میرے بیٹے کا سسر محمد حسین سوتیلا ہے وہ جاوید کی بیوی شمانہ کی جائیداد ہڑپنے کے لئے بہت دنوں سے انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا' اس نے ایک مرتبہ گھریلو بات پر ناراض ہو کر میرے بیٹے پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ میری بہو اور پوتی کا قاتل محمد حسین ہی ہے' میری قانون سے استدعا ہے کہ اس وحشیانہ خونریزی کی تفتیش کر کے قاتل کو بے نقاب کیا جائے اور اسے عبرتناک سزا دی جائے۔ اختری بیگم زوجہ اسماعیل خاں مرحوم۔

سیانہ کا کوتوال نگر پالیکا چیئرمین مسٹر بدر خاں کے دباؤ میں تھا' اس لئے اس نے جاوید کی ماں کی رپورٹ درج نہیں کی' مجبور ہو کر ایک ٹیلیگرام کے ذریعہ مذکورہ مضمون کی رپورٹ ایس پی بلند شہر کی خدمت میں بھیجی گئی۔

اسی دوران شمانہ اور اس کی بچی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی آ گئی' جس سے محمد حسین کا یہ جھوٹ سامنے آ گیا کہ جاوید صبح پانچ بجے شمانہ پر حملہ کر رہا تھا کیونکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق شمانہ کے معدہ میں پایا جانے والا کھانا نیم ہضم تھا اور کچھ کھانے پر ابھی عمل ہضم شروع بھی نہ ہوا تھا جس سے ثابت ہو گیا کہ قتل کی واردات ایک بجے سے دو بجے کے درمیان واقع ہوئی۔ قاتل نے جاوید کو اس لئے زخمی

کیا تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ اس نے خود اپنی بیوی اور بچی کو قتل کر کے خود بھی خودکشی کی کوشش کی تھی۔ سیانہ میں یہ افواہ گرم تھی کہ جاوید نے اپنی بیوی و بچی کو قتل کیا ہے۔

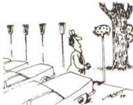
جاوید خاں کا پیٹ سات انچ لمبا تھا اور گردن بھی دو انچ کٹ گئی تھی' لیکن ڈاکٹروں کی جہد مسلسل اور پوری توجہ سے اس کی زندگی بچالی گئی مگر بولنے کی اجازت مکمل ایک ماہ کی زبان بندی کے بعد ہی ملی تو پھر جاوید کا بیان قلم بند کیا گیا۔

"میں تین فروری کو اپنی بیوی شبانہ کو لینے سسرال گیا تھا' مجھ سے میرے سسر نے اگلے دن لے جانے کو کہا میں نے ان کی بات مان لی اور پھر میں اپنی اہلیہ کے ساتھ اس کی نانی کے یہاں آنگن میں پڑے چھپر کے نیچے سوگیا۔ رات تقریباً" تین بجے میں چیخیں سن کر اٹھا تو دیکھا میرا سسر محمد حسین اور دو اجنبی شخص میری بیوی اور بچی پر چاقو سے حملے کر رہے ہیں' میں برداشت نہ کر سکا اور اسے بچانے کے لئے جیسے ہی اٹھا تو محمد حسین نے میرے پیٹ پر حملہ کیا۔

میری آنتیں باہر نکل آئیں میں نے اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں ان لوگوں کو پہچاننے کی کوشش کی' اتنے ہی میں دوسرا حملہ میری گردن پر کیا گیا میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تو یہ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

میڈیکل کالج سے ڈسچارج ہونے کے بعد بے گناہ جاوید کو ایک ماہ تک بلند شہر کی جیل میں رہنا پڑا' پھر ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

سوتیلے باپ محمد حسین نے شبانہ اور اس کی معصوم بچی کو قتل کیوں کیا' یہ گتھی بھی سلجھ گئی ہے۔ بات یہ تھی کہ حسین بیگم کو شبانہ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ دو سال کی عمر سے وہ انہیں کے سایہ تلے پروان چڑھی



تھی۔ حسین بیگم اپنی ساری جائیداد شبانہ کے نام کرنا چاہتی تھیں۔ وہ گھر میں بارہا اس کا اعلان بھی کر چکی تھیں' اور اب کچھ دنوں سے مستقل بیمار رہنے کی وجہ سے وصیت بھی کرانے والی تھیں' شبانہ محمد حسین کی حقیقی بیٹی نہیں تھی لیکن شبانہ کی ماں اب اس کے نکاح میں تھی۔ محمد حسین کی دو لڑکیاں اس کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں اور اب وہ جوان ہو چکی تھیں۔ محمد حسین شبانہ کو راستہ سے ہٹا کر نانی کی جائیداد اپنی بیٹیوں کے نام کرانا چاہتا تھا اسی لالچ کے لئے اس نے یہ خونی کھیل کھیلا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

شبانہ کی جوان موت ایسا جانکاہ حادثہ تھی کہ اس کی نانی برداشت نہ کر سکیں اور چھ ماہ تک اس غم میں گھٹ گھٹ کر اس فریبی دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی ہے جاوید کی معاشی حالت اب اور خستہ ہو گئی ہے اس لئے وہ اپنے حق کے لئے قانونی چارہ جوئی کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا' تین جوان بہنوں کی فکر الگ پریشان کن ہے اس لئے قاتل جیل کی سلاخوں سے باہر آزاد گھوم رہے ہیں اور جاوید سے کیس ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے۔

تادم تحریر محمد حسین اور کسی دوسرے شخص کی کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آسکی۔



عائمہ کے ٹوٹکے

انچارج۔ عائمہ جبیں

اس عنوان کے تحت ہمیں ''گھریلو ٹوٹکے'' ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کردیں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کرسکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کرواسکتی ہیں۔

عائمہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

برتنوں کی چمک بحال کریں

کبھی برتن اندر سے اچھی طرح صاف نہیں ہوتے ہیں اور ان کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔ ایسے میں برتنوں میں گرم پانی ڈالیں اور اس میں دو ٹیبل اسپون سرکہ ڈال کر رات بھر اسی حالت میں چھوڑ دیں مگر اس سے قبل اسے ڈھکنا نہ بھولیں۔ صبح اچھی طرح صفائی کریں برتنوں کے اندر کے سارے داغ دھل جائیں گے اور برتنوں میں چمک آجائے گی۔

☆ طاہرہ رفیق۔ کوئٹہ

ڈسٹمپر کی بو ختم کریں

اگر کمرے میں تازہ تازہ ڈسٹمپر ہوا ہو تو اس میں کچھ خشک گھاس رکھ دیں۔ یہ عمل کرنے سے 24 گھنٹے کے اندر اندر پینٹ کی بو ختم ہوجائے گی۔

☆ عمیرہ۔ رحیم یار خان

آلوؤں میں سفید ڈنڈیاں نمودار نہ ہوں

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آلوؤں میں چھوٹی چھوٹی سفید ڈنڈیاں نمودار نہ ہوں تو ان آلوؤں کے درمیان ایک عدد سیب رکھ دیں۔

☆ حنا رانا۔ ملتان

چاقو اور چھری تادیر تیز رکھیں

چاقو اور چھری کی تیزی کو تادیر برقرار رکھنے کے لیے انہیں روزانہ رات کو ڈیپ فریزر میں رکھ دیں اور صبح کے وقت نکال لیا کریں۔

☆ عائشہ۔ لاہور

بخار کم کریں

بخار بہت تیز ہو تو اسے نیچے لانے کے لیے تھوڑی سی کاٹن لیں اور اس پر ایک چمچ برانڈی ڈال دیں اور اس برانڈی سے بھیگے کاٹن کو بخار سے متاثرہ شخص کی ناف پر رکھ دیں۔ پانچ منٹ کے اندر اندر بخار اتر جائے گا۔

☆ بتول زہرہ۔ اسلام آباد

ہاتھ ٹاول کو جاذب نظر بنائیں

ہاتھ ٹاول کو اور زیادہ جاذب نظر بنانے کے لیے اسے کچھ دیر کے لیے نمک ملے پانی میں بھگو دیں۔

☆ نادیہ۔ سیالکوٹ

☆☆

روشن خیال ایک شادی شدہ عورت کی حقیقت جس نے اپنے آشنا کے لیے اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی کی

عیار بیوی

......اگروال

مسز چترتا مہتہ شام سے ہی محسوس کر رہی تھی کہ اشوک کچھ چپ چپ سا ہے۔ آخر کیا بات ہو سکتی ہے؟ وہ دل میں سوچتی ہوئی تولیہ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گئی۔

فریش ہونے کے بعد وہ بیڈ روم میں آئی تو دیکھا کہ اشوک اب بھی آرام کرسی پہ نیم دراز اپنے خیالوں میں گم ہے۔

چترتا نے عقب سے اس کی گردن میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

کن حسین خوابوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جناب؟

لیکن اشوک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی بلکہ وہ اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے چترتا کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا۔

چترتا تم مجھے پیار تو کرتی ہو نا؟

ہاں۔ چترتا حیرت سے بولی۔

کتنا۔۔۔۔؟

شوہر سے ایک بیوی جتنا پیار کر سکتی ہے' اتنا ہی میں بھی آپ سے پیار کرتی ہوں۔ آپ ہی میرے سب کچھ ہیں۔ میری زندگی ہیں۔ آپ کے بغیر میری زندگی نامکمل ہے۔

چترتا ایک ہی سانس میں کہہ گئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اشوک کو اس وقت یقین اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اپنی بات کہہ کر وہ اس کے سینے سے لگ گئی۔

کیا تم سچ کہہ رہی ہو چترتا؟

ایک اضطراب کے عالم میں اشوک نے پوچھا اور پھر اس سے پہلے کہ چترتا کچھ جواب دیتی اشوک بولا۔

آج یہی الفاظ تم نے للن کے سامنے بھی ادا کیے تھے۔

للن کا نام اشوک کے منہ سے سن کر چترتا سناٹے میں رہ گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔

آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ للن کا قصہ تو کب کا تمام ہو گیا۔ پھر آج کیسے ان صفحات کو پلٹ رہے ہیں؟

اس لیے کہ وہ کہانی ابھی ادھوری ہے' آخری باب ابھی لکھا جانا باقی ہے۔

اشوک اٹھ کھڑا ہوا اور چترتا کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

پوجا کہہ رہی تھی کہ آج بھری دوپہر میں تم للن کے ساتھ اندر بیڈ روم میں۔۔۔۔؟



اور تم نے سن لیا؟

بھلا وہ کیوں جھوٹ بولنے لگی۔ تمہاری چغلی کرنے میں اس کا کیا فائدہ ہے وہ جیسے میری بیٹی ہے، ویسے ہی تمہاری بھی۔

دیکھو جی بچوں کی بات پر میرے اوپر الزام مت لگاؤ۔

اشوک اس رات چاہ کر بھی نہیں سو پایا۔ بتی جلا کر کتاب لے کر بیٹھ گیا لیکن لاکھ کوشش کے باوجود اس کا دل کتاب میں نہیں لگا۔ آخر کار کتاب ایک طرف رکھ کر اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور اس کی بغل میں لیٹ گیا۔

پھر دل کے بھاگتے ہوئے گھوڑے کی لگام اس نے ڈھیلی چھوڑ دی۔ اسے یاد آنے لگی للن کے ساتھ اپنی ایک ملاقات۔۔۔۔

پٹنہ کنکرباغ میں اشوک کے ایک دوست رام کمار رہتے تھے۔ انہوں نے بلبل نامی ایک خوبصورت لڑکی سے محبت کی شادی کی تھی۔ دوست ہونے کے ناطے رام کمار نے اشوک کو بھی اپنی شادی کے استقبالیہ میں مدعو کیا تھا۔ پنڈال میں رام کمار کے ساتھ بے تکلفی سے ایک لڑکی کو ہنستے دیکھ کر اشوک بے خودی میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ رام کمار نے اس لڑکی سے تعارف کراتے ہوئے کہا تھا۔

ان سے ملو یہ میری چھوٹی سالی صاحبہ مس چترتا ہیں۔

اشوک نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا تو رام کمار اشوک سے بولا۔

تم لوگ بیٹھ کر باتیں کرو میں ذرا پارٹی دیکھتا ہوں۔

چترتا سکڑی سمٹی سی اس کے ساتھ لان میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئی۔ اسمارٹ اور ہنس مکھ اشوک کی لچھے دار باتیں کسی بھی لڑکی کا دل جیتنے کے لیے کافی تھیں۔ اوپر سے وہ آئی اے ایس افسر گووند مہتہ کا بیٹا تھا۔ بہار سرکار کے سیکرٹری ہونے کے سبب گووند مہتہ کے نام سے پٹنہ کے تمام لوگ واقف تھے۔

بی ایس سی، ایل ایل بی او ڈپلومہ انٹرنل ایڈمنسٹریٹو کی لمبی چوڑی ڈگری لینے کے بعد اشوک مہتہ ان دنوں پیوپلز کورٹ نامی ایک ہفتے وار انگلش اخبار کی ادارت سے وابستہ تھا۔ یہی نہیں باپ کی مہربانی سے وہ پٹنہ اور نواوہ کے درمیان ایک بس بھی چلا رہا تھا۔

ویسے بھی نواوہ ضلع کے ایک گاؤں میں مہتہ خاندان کی کافی زمین تھی لیکن اشوک بچپن سے ہی اپنے پاپا کے پاس پٹنہ میں رہا تھا۔ دوست کی شادی کی تقریب میں چترتا سے ہوئی اس کی ملاقات دھیرے دھیرے دوستی میں بدل گئی۔

اب پٹنہ کی سڑکوں پر چترتا اشوک کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھی نظر آنے لگی تھی۔ چترتا اکثر اشوک سے کہا کرتی۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے تب کیوں نہ اسے بھرپور خوشیوں کے ساتھ گزارا جائے۔ یہ دن کیا بار بار آتے ہیں؟

دو سال گزرتے گزرتے یہ ملاقاتیں اب ہوس بھرے پیار میں بدلنے لگیں۔ چترتا اشوک کی بانہوں میں الجھ کر دھیرے دھیرے اپنی عقل بھی کھونے لگی۔

آخر کار سترہ اپریل 81ء کو چترتا اور اشوک نے اپنے پیار کو سات پھیروں میں باندھ کر سماجی طور پر اسے باوقار بنا دیا۔ دونوں میاں بیوی بن گئے۔ اشوک کے والد جو اب تک ریٹائرڈ ہو چکے تھے کسی بھی قیمت پر اس شادی کے حق میں نہیں تھے۔ انہیں چترتا کی ممی شکلا سین گپتا کی اصلیت کا علم ہو چکا تھا۔

ممبی میں ایئر انڈیا کے انجینئر اجیت سین گپتا کی بیوی مسز شکلا کی پہلی شادی رنجیت کمار ہوم سے ہوئی تھی۔ رنجیت کمار رانچی بہار کے رہنے والے تھے اور رانچی میں ہی بہار سرکار کے پبلک ریلیشن محکمے میں فوٹوگرافر تھے۔ ان کی بیوی شکلا ڈھاکہ بنگلہ دیش کی رہنے والی تھیں۔

ان کی اور رنجیت کمار کی شادی دونوں گھرانوں کے ایک واقف کار کی معرفت ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ سالوں بعد ہی مسز شکلا تین بچوں کی ماں بن گئی۔ سب سے بڑی بلبل تھی اس کے بعد چترا اور پھر ایک بیٹا تھا پلو.... 75ء میں مسز شکلا اپنے شوہر رنجیت کمار سے لڑ کر پٹنہ آ گئی اور پٹنہ ایئرپورٹ میں ایک ریڈی میڈ گارمنٹ کے شوروم میں بطور سیلز گرل نوکری کرلی۔

بغیر پوچھے گھر چھوڑ کر بیوی کا نوکری کرنا رنجیت کمار کو پسند نہیں آیا۔ مسز شکلا کے رویے سے انہیں بڑا دکھ پہنچا اور ان کی ازدواجی زندگی میں دراڑ آ گئی۔ ماں تو ماں بچے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ کر ماں کے پاس پٹنہ آ گئے۔ رنجیت کمار بیوی اور بچوں کی فرقت برداشت نہ کر سکے اور ایک دن دل کی حرکت بند ہو جانے سے ان کی موت ہو گئی۔

شوہر کی موت کے بعد مسز شکلا اور بھی آزاد ہو گئی۔ پٹنہ میں کتنے ہی لوگوں سے اس کی دوستی تھی۔ اسی دوران مسز شکلا کی بڑی بیٹی بلبل سے رام کمار نے محبت کی شادی کر لی اور مسز شکلا بھی اجیت سین گپتا کے ساتھ ازدواجی بندھن میں بندھ گئی۔

مسز سیوم سے مسز سین گپتا ہو گئی اور پٹنہ چھوڑ کر نئے شوہر کے ساتھ ملاڈ ممبئی میں رہنے لگی۔ پلو ممبئی میں اپنے نئے باپ اجیت سین گپتا کے ساتھ تھا جبکہ چترا پٹنہ میں اپنے بہنوئی رام کمار کے یہاں بلبل کے ساتھ رہ رہی تھی۔

اب چترا گووند مہتہ کی چھوٹی بہو کی طرح اشوک کے ساتھ ان کے لاجندر نگر میں واقع مکان میں رہ رہی تھی۔ شادی کے کچھ برسوں بعد جب چترا، پوجا اور پرنیکا کی ماں بن گئی تب چترا کے بارے میں مہتہ کے خاندان میں اٹھتے بیٹھتے روز روز کے جھگڑے کے باعث اشوک کو چترا اور بچیوں کے ساتھ گھر چھوڑ دینا پڑا۔

پٹنہ میں ہی کنکر باغ میں دو کمروں کا ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے کر چترا اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ الگ سے گرہستی سنبھالنے لگی۔ وقت پر لگا کر اڑتا چلا گیا اور اسی دوران پوجا اور پرنیکا کے بعد چترا ایک بیٹے کی ماں بھی بن گئی۔ اس کا نام رتن پریہ درشی رکھا گیا۔

اشوک مہتہ نے جوڑ توڑ کر کے پٹنہ کے شاندار موریہ لوک کمپلیکس میں دو دکانیں سی 150 اور سی 151 اپنے نام الاٹ کرالیں۔ چترا کے کہنے پر اشوک نے ایک دکان میں بیوٹی کیئر کے نام سے ایک بیوٹی پارلر کھول لیا، بیوٹی کیئر میں مرد اور عورت و بچوں کے لیے الگ الگ مقام تھے۔

بیوٹی پارلر کا خواتین شعبہ چترا نے خود سنبھال لیا۔ چترا کی سوجھ بوجھ اور محنت کے سبب یہ بیوٹی پارلر پٹنہ کی متوسط طبقے کی خواتین میں کافی مقبول ہو گیا۔ اشوک نے دوسری دکان میں ایک فاسٹ فوڈ کا ریستوران کھولیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایک ہاٹ پوائنٹ ریستوران بھی کھول لیا جو لوگوں میں مشہور ہو گیا۔

ریستوران کے ساتھ ساتھ اشوک مہتہ نے ایک لی روکس کی مشین بھی لگالی اور اس کے ساتھ ہی اس نے فریزر روڈ پر واقع شانتی دہار

اپارٹمنٹ کی چھٹی منزل میں ایک شاندار فلیٹ بھی خرید لیا اور کنکر باغ والا کرایہ کا فلیٹ چھوڑ کر اپنے نئے فلیٹ میں آگیا۔

شانتی دہار کے فلیٹ کے علاوہ انھوں نے نلنی اپارٹمنٹ میں بھی ایک فلیٹ خرید لیا تھا اور ساتھ میں بھی ایک فلیٹ خرید لیا تھا اور ساتھ میں ہی چار مرلہ کا ایک پلاٹ بھی۔ جنوری 92ء کے ابتدائی ہفتے کی بات ہے۔ خوشی سے چھلکتے ہوئے چترا نے اپنے شوہر اشوک سے کہا۔

آج اوپر والے منتری جی کی فیملی میرے فلیٹ میں آئی تھی۔

مبارک ہو۔

اشوک نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا وہ جانتا تھا کہ اوپر والے منتری جی سے چترا کا مطلب موجودہ نگر وکاس راجیہ منتری مسٹر نارائن یادو سے ہے۔ مسٹر نارائن یادو کا چیمبر موریہ کمپلیکس میں بیوٹی کیئر کے اوپر پہلی منزل پر تھا۔

مسز یادو کو تو میرا کام بہت پسند آیا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی ہے۔

ڈارلنگ تم ہو بہت خوش قسمت۔

اشوک نے خوشی سے جھوم کر کہا۔

دوسرے دن ہی شری جی کی لال بتی والی سرکاری گاڑی شانتی دہار اپارٹمنٹ میں آئی اور چترا کو لے گئی۔ اس طرح سے چترا کا مسٹر نارائن یادو کے گھر میں آنا جانا شروع ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد ہی نارائن یادو کی نواسی کی سالگرہ تھی، گولڈی کی نانی یعنی منتری جی کی بیوی اپنے بیٹے سدانند عرف للن کے ساتھ گولڈی کی سالگرہ پارٹی کا دعوت کارڈ دینے آئی تھیں۔ چترا نے للن کا تعارف اپنے شوہر سے کراتے ہوئے کہا۔

ڈیئر ان سے ملو یہ ہیں منتری جی کے راجکمار سدانند جنہیں گھر میں سب للن کہتے ہیں۔

اشوک نے بڑی گرمجوشی سے للن سے ہاتھ ملایا۔ چترا مسز یادو کے ساتھ کافی لینے اندر کچن میں چلی گئی اشوک اور للن باہر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔

گولڈی کی سالگرہ پارٹی میں للن نے خاص طور سے اشوک کا تعارف اپنے باپ نارائن یادو سے کروایا۔ منتری جی کی بیوی مسز یادو بات بات میں چترا کی تعریفوں کے پل باندھے جا رہی تھیں۔ بیوی کی تعریف سن کر اشوک اپنے دل میں فخر سا محسوس کرنے لگا۔

کچھ ہی دنوں بعد پوجا کی برتھ ڈے پارٹی تھی، چترا اور اشوک دونوں نے ایک ساتھ جا کر مسٹر نارائن یادو کے خاندان کو اپنی بیٹی کی برتھ ڈے پارٹی میں مدعو کیا تھا۔

چترا پارٹی کے لیے وقت سے پہلے ہی تیار تھی۔ سیاہ رنگ کی ساڑی اس کے گورے بدن پر بہت ہی سج رہی تھی۔ اس دن چترا کی سج دھج دیکھ کر لگتا تھا کہ اس دن پارٹی اس کی بیٹی کی نہیں بلکہ خود اسی کی ہے۔

کیک کاٹنے کی رسم کے بعد للن نے اپنے ہاتھوں سے کیک کا ٹکڑا اٹھا کر چترا کے منہ میں ٹھونسا تو چترا بھی تھینکس کے بغیر نہ رہ سکی۔

اس دن چترا کے ہاتھ سے آئس کریم لیکر

مخاطب ہوتے ہوئے اشوک سے کہا۔

کاش ہمارے للن کی بھی تمہاری جیسی حسین اور سگھڑ بیوی ہوتی۔

اب اشوک اور اس کی حسین ترین بیوی چترتا کی منتری جی کے خاندان کے ساتھ خوب پٹنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ للن نے اپنے باپ مسٹر نارائن یادو سے کہہ کر اشوک کو پٹنہ امپرومنٹ ٹرسٹ کا ممبر مقرر کرادیا تھا۔

اب اکثر للن کی کار چترتا کے بیوٹی کیئر کے سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی تھی۔ ایک دن اشوک کی بڑی بیٹی پوجا نے اپنے پاپا کو بتایا۔

پاپا ممی بڑی گندی ہیں آج وہ للن انکل کے ساتھ بیڈ روم میں۔

بیٹی تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟

نہیں پاپا للن انکل نے پرینکا اور پریہ درشی کو فائیو اسٹار دے کر نیچے کھیلنے بھیج دیا تھا' میں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ تبھی فون کی گھنٹی بجی۔ بلبل موسی کا فون تھا۔ میں ممی کو بتانے کے لیے ان کے کمرے میں گئی تو وہاں ممی للن کے ساتھ۔

پوجا کی بات سن کر' اشوک پریشان ہوگیا۔ اس وقت چترتا گھر پر نہیں تھی۔ شاید للن اسے اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے لے گیا تھا۔ دیر رات گئے تک وہ چترتا کے انتظار میں جاگتا رہا اور جب اس نے للن کے بارے میں چترتا سے پوچھا تو اس نے ساری بات مذاق میں اڑادی۔

لیکن ایک دن تو اشوک نے خود اپنی آنکھوں سے چترتا کو للن کی آغوش میں دیکھ لیا۔ دونوں بے لباس تھے۔ اس وقت اپنی عزت کے لیے اسے خاموش رہ جانا پڑا۔ بعد میں سمجھا بجھا کر اشوک چترتا کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کرتا رہا' پوجا' پرینکا اور پریہ درشی کا واسطہ دیا لیکن چترتا للن سے کسی بھی قیمت پر دوستی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

تھک ہار کر اشوک نے اپنی ساس مسز شکلا سین گپتا کو ممبئی ایک خط لکھا۔

تم بچوں اور چترتا کے ساتھ یہاں آجاؤ میں اسے سمجھادوں گی۔

جواب میں چترتا کی ممی نے اشوک کو لکھا۔

اشوک نے جب چترتا سے ممبئی چلنے کے لیے کہا تو چترتا غصہ سے بپھر کر بولی۔

ممبئی میری جوتی جائے تم نے ممی سے چغلی کی ہے' تم ہی وہاں جاؤ۔

چترتا کے اس سلوک نے اشوک کو بری طرح سے توڑ دیا تھا' روز روز کے گھریلو جھگڑوں کے سبب بچوں پر بھی برا اثر پڑ رہا تھا۔ اس لیے اشوک' پوجا' پرینکا اور پریہ درشی کو کسی اچھے ہوسٹل میں داخل کرانے کے لیے سنجیدگی سے غور کرنے لگا۔ چترتا بھی یہی چاہتی تھی کہ بچے کسی بورڈنگ ہاؤس میں چلے جائیں جس سے کہ اس کی آزادی میں رکاوٹ نہ پڑے۔

للن نے کرنل براؤن اسکول دہرہ دون کی کافی تعریف کی تھی۔

ٹھیک ہے ہم کل ہی فلائیٹ سے دہلی چلتے ہیں۔ وہاں سے دہرہ دون جاکر ان بچوں کو کرنل براؤن سکول میں داخل کرادیں گے۔

دبے لہجے میں اشوک نے حامی بھرلی۔

28 اپریل کو جب چترا اپنے شوہر اشوک اور تینوں بچوں کے ساتھ دہلی جانے کے لیے طیارے میں سوار ہوئی تب ایئرہوسٹس کا اعلان سن کر چونک پڑی' ایئرہوسٹس کہہ رہی تھی۔

سبھی لوگ اپنی اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں اور سگریٹ نوشی نہ کریں' ہمارا جہاز دو گھنٹے پندرہ منٹ کی پرواز کے بعد ممبئی پہنچے گا۔

اشوک تم نے پھر مجھے چیٹ کیا۔ دہلی کا نام لے کر دھوکہ دے کر ممبئی لے جارہے ہو۔

اپنی سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے چترا اشوک کو گھورتے ہوئے بولی لیکن اشوک مسکراتا رہا۔

ممبئی پہنچنے پر پتہ چلا کہ چترا کی ماں مسز شکلا تو ڈھاکہ گئی ہوئی ہیں گھر میں اس کا چھوٹا بھائی پلو اور اس کی بیوی تھی۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ اچانک چترا کے نانا کی موت کا ڈھاکہ سے تار آیا تھا۔ اس لیے مسز شکلا کو بغیر کسی پروگرام کے ڈھاکہ جانا پڑا۔

رات کے کھانے کے وقت پلو اور اس کی بیوی نے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ جھاڑے۔

یہ تمہارا میاں بیوی کا جھگڑا ہے۔ ہم بھلا اس میں کیا کر سکتے ہیں؟

ممبئی میں بھی چترا فون پر للن سے باتیں کرنا نہیں بھولتی تھی' یہ سب دیکھ کر اشوک دماغی طور پر پریشان ہوتا جارہا تھا۔

چودہ مئی کو پوجا نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی گھر کے سامنے آکر رکی' ٹیکسی میں للن بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی ممی چترا ہاتھ میں اٹیچی لیے لپک کر ٹیکسی میں للن کی بغل میں جاکر بیٹھ گئی اور ٹیکسی تیزی سے ایک سڑک کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت اشوک اندر باتھ روم میں نہا رہا تھا۔ رات بھر سب لوگ چترا کے لوٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ پلو اور اس کی بیوی خاموش تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ لگتا تھا کہ انہیں پہلے ہی سے پتہ تھا کہ چترا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے للن پٹنہ سے ممبئی آیا ہوا ہے۔

رات بھر چترا کا انتظار کرنے کے بعد پندرہ مئی کی صبح اشوک نے ملاڈ تھانے میں اپنی بیوی کے غائب ہونے کی رپورٹ درج کرائی اور دکھی من سے اپنے تینوں بچوں کو لے کر واپس پٹنہ آگیا۔

پٹنہ لوٹ کر اشوک للن کے پتا جی نارائن سے ملا تو وہ بولے۔

مسٹر تم میرے بیٹے پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو نہیں تو موریہ کمپلیکس میں تمہاری بھی دکانوں کا تالا تڑوا کر ان سب پر چترا کا قبضہ کرانا پڑے گا۔

منتری جی کی دھمکی سن کر اشوک سمجھ گیا کہ وہ لوگ اس کی بیوی کے ساتھ ساتھ اس کی جائیداد کو بھی ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس نے پٹنہ کے منصف مجسٹریٹ کے یہاں دفعہ 497 کے تحت منتری جی کے بیٹے سدانند عرف للن کے اوپر مقدمہ قائم کردیا۔

منصف مجسٹریٹ نے اشوک کا بیان قلمبند کرنے کے بعد للن کے نام سمن جاری کردیا۔ للن نے اشوک کے ذریعہ دائر کیا ہوا مقدمہ نمبر سی 92/326 میں ضمانت کرالی۔ لیکن بات یہیں تک









نہیں رکی۔

چھبیس مئی کو چترتا نے بھی اپنے شوہر کے خلاف طلاق کی درخواست دائر کرتے ہوئے کہا کہ میرے شوہر اپنے مقصد کے لیے میرے جسم کا ناجائز استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ شادی کے بعد مجھے ملی شہرت سے جل کر وہ مجھ پر طرح طرح کے بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں اس لیے میری ساری جائیداد مجھے دلانے کے ساتھ ساتھ ہماری طلاق بھی قبول کرلی جائے۔

معاملہ طول پکڑ چکا تھا۔ ستائیس مئی کو چترتا نے پٹنہ کوتوالی تھانے میں درخواست دے کر اشوک مہتہ پر الزام لگایا کہ اس کا شوہر کبھی بھی اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ کرسکتے ہیں۔ پھر گیارہ جون کو چترتا نے اشوک مہتہ اور اس کے والد و بھائی کے خلاف معاملہ درج کروایا کہ سبھی مل کر اسے ستا رہے ہیں۔

چترتا کا یہ بھی الزام تھا کہ اشوک اپنی کاروباری ترقی کے لیے پچھلے کئی برسوں سے اس کا استحصال کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور جب اس نے مخالفت کی تو حالت یہاں تک آپہنچی۔

للن سے اپنے تعلقات کے بارے میں چترتا نے کئی بیان بدلے۔ ابتدا میں چترتا نے کہا کہ للن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بعد میں ایک بیان میں چترتا نے کہا کہ للن سے اس کا تعلق صرف دوستی تک محدود ہے اور یہ دوستی اس کے شوہر اشوک مہتہ کے سبب ہوئی۔

للن نے بھی پہلے کہا کہ نہ تو وہ اشوک مہتہ کے گھر گئے اور نا ہی چترتا مہتہ سے کبھی اس کا تعارف رہا۔ لیکن بعد میں للن نے کہا کہ چترتا کو وہ بھالی مانتے رہے ہیں۔

نگر وکاس منتری مسٹر نارائن یادو اس معاملہ پر مسلسل خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ادھر چترتا پٹنہ میں مسلسل چھپ کر رہ رہی ہے اور بار بار اپنی جان کو خطرہ ہونے کی دہائی دے رہی ہے۔

دلدل

تحریر...... عطاالرحمٰن

ابو ٹی وی پر فلم لگ چکی ہے۔ باجی بھاگ کر آؤ بڑا اچھا گانا لگا ہوا ہے۔ امی آپ ہمیشہ دیر سے ٹی وی روم میں پہنچتی ہیں۔ آج کی فلم پلیز مس نہ کرنا۔

نعمان جو کہ قلمی دوستی کا کالم بڑے غور سے پڑھ رہا تھا۔ چیختے ہوئے کہا پلیز شور نہ مچاؤ۔ مس شمائلہ پوسٹ بکس نمبر 1757 کراچی بہت خوب اس کو ضرور خط لکھوں گا۔ مس نومی بن کر بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ ملتان فون نمبر 533 پر ندیم کو لڑکی بن کر فون کیا۔ آدھا گھنٹہ مس فائزہ بن کر باتیں کیں' پہچان بھی نہ پایا۔

سلیمان نعمان کا دوست ٹی وی روم میں داخل ہوتا ہے۔ نومی کیا سوچ رہے ہو۔ اتنی اچھی فلم لگی ہوئی ہے اور تم سوچوں میں گم ہو۔ کنول بھی اپنی امی کے ہمراہ فلم دیکھنے پہنچ گئی۔ سلیمان کنول صاحبہ ایف۔ اے کے پیپر کیسے ہوئے۔ پیپر تو اچھے ہوئے ہیں' اب رزلٹ دیکھیں کیسا آتا ہے۔ کنول نے کہا جناب کے بھی تو بی۔ اے کے پیپر سر پر ہیں۔ کیسی تیاری ہے۔

پیپر کے بارے میں مجھے فکر مند ہونے کی کیا ضرورت' ابو جان کا پیسہ کب کام آئے گا۔ سیدھی بات ہے ہم تو پیسوں کے بل بوتے پر پاس ہوتے ہیں۔ نعمان اچھل پڑا۔ ابو یہ دیکھیں کتنا پیارا سین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ہیرو ہیروئن سے حقیقی محبت کرتا ہے۔

بیٹے! آرام سے بیٹھو باقی افراد بھی تو فلم دیکھ رہے ہیں۔ ابو! یہ کنجوس ہیں معمولی سی داد بھی نہیں دے سکتے۔ فنکار کی فنکارانہ صلاحیتوں کو تسلیم کرنا چاہئے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ تمام افراد کنبہ فلم میں اس قدر مصروف ہیں کہ مجبوراً شہنا جو کہ ایم۔ اے اردو کی تیاری کررہی تھی فون سننے کے لئے گئی۔ رات کے دو بج چکے ہیں' ابھی تک فلم دیکھی جارہی ہے۔

ہیلو! کھڑ کھڑ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ شہنا نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ آپ کون بول رہے ہیں۔ جان من آہستہ بولو۔ کوئی اٹھ جائے گا۔

جی فرمایئے کیا حکم ہے؟ نیند نہیں آرہی تھی' میں نے سوچا چلو کسی سے گپ شپ ہو جائے۔

تمہیں شرم نہیں آتی رات کے دو بجے بھی تمہیں چین نہیں آتا۔

میرا دل تو تم نے چرالیا' مجھے نیند خاک آئے۔

کیسی فضول باتوں میں اپنی زندگی برباد کررہے ہو۔ خدا کا خوف کھاؤ۔ کیا تمہارے گھر ماں بہن نہیں۔

سوری! آپ برا مان گئیں۔ میں آصف بول رہا ہوں' عشق کرنا ہر فرد کا پیدائشی حق ہے۔ آپ مجھے



اس سے نہیں روک سکتیں کیونکہ پورا محلہ تمہاری حرکات سے واقف ہے۔ تمہاری چھوٹی بہن کنول میرے دوست پر مرتی ہے۔ مزید منہ نہ کھلوانا ورنہ ان دونوں کی ناقابل اعتراض تصاویر میرے پاس موجود ہیں۔ اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلا تو ہمیں دوسرا حربہ استعمال کرنا پڑے گا۔ تمہارا بھائی مس فائزہ بن کر کس سے آدھا گھنٹہ بات کرتا رہا۔

لمبی چوڑی تقریر کا میری ذات سے کیا تعلق جو تم نے مجھے پریشان کردیا۔ شہنا نے تلخ لہجے میں کہا۔

ہر لڑکی اچھی طرح سمجھتی ہے کہ کوئی لڑکا رات دو بجے فون کرے

اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اپنے ساتھ والے کمرے میں جھانک کر دیکھ سکتی ہو۔ مجھے کوئی معلوم نہیں شہنا نے مزید تلخ لہجے میں ریسیور کو کریڈل پر دے مارا لیکن تجسس نے اسے مجبور کیا کہ دیکھوں تو سہی کون سی قیامت ٹوٹی ہوئی ہے۔ دروازے میں جھانکنے کی دیر تھی کہ اس کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ شہنا کی امی اور ابو کپڑوں سے آزاد شراب کے نشے میں.... کنول اور سلیمان نے بھی اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ نعمان نشے میں دُھت ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ شراب سلیمان خصوصی طور پر اپنے دوست سے لایا تھا' اور کنول

نے کشمیری مشروب کہہ کر سب کو پلا دیا۔ ٹی وی پر فحش ترین فلم چل رہی تھی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

شہنا ہانپتی ہانپتی بیڈ پر گر گئی۔ اس قدر عریانی اس نے کبھی تصور میں بھی نہیں سوچا، لیکن جذبات تو ایک بہتا سمندر ہیں جن کو شہنا قابو میں لانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن ناکام ہو رہی تھی۔ ٹیلی فون کی پھر گھنٹی بجی۔ آصف نے دوبارہ فون کیا۔ شہنا نے ریسیور اٹھایا، بڑی مشکل سے ہیلو کہہ پائی۔

بس بس محترمہ زیادہ غصہ صحت کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ کچھ ہمارے بھی حقوق ہیں۔ بہتی گنگا میں میں بھی نہالوں گا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جذبات و احساسات کی ایک لہر نے شہنا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹیلی فون سمیت ٹی وی روم میں چلی گئی۔ سکرین پر تصاویر نے اس کو اندر سے توڑ دیا۔ چند لمحات بعد آصف نے ہلکی سی دستک دی۔ تم اس جگہ بھی پہنچ گئے۔ فون پر تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ خبردار اب گھر میں قدم رکھ چکا ہوں تو مایوس نہ بھیجنا۔ تمہارا کیا مطلب ہے، میں اپنی بربادی کا ایک باب رقم کرلوں۔ تمہاری چھوٹی بہن.... خبردار چھوٹی بہن کا کردار چھوٹی بہن کے ساتھ.... جیسے آئے ہو ویسے الٹے پاؤں چلے جاؤ ورنہ.... ورنہ تم میرا کیا کرلوگی۔ پولیس کو بلانے سے قبل تمہیں یہ سوچنا ہوگا کہ تمہاری ماں، بہن، بھائی اور باپ پر شراب نوشی کا مقدمہ بنے گا۔

ایک غیر لڑکے کا تمہارے گھر میں پایا جانا۔

آصف نے ایک قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا ذرا میں بھی وی سی آر تو دیکھوں طنز کا تیر شہنا کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ وہ دیوار بن کر کھڑی ہوئی، لیکن صنف نازک تھی، بازو کو ذرا جنبش دی اور شہنا زمین پر گر گئی۔

ٹی وی روم کا منظر چونکا دینے والا تھا۔ آصف نے فوراً کیمرہ نکالا اور تین عدد مختلف پوز سے تصاویر اتار لیں۔ کیمرہ لہراتے ہوئے شہنا کے پاس آیا، اس میں اب تمہاری عزت ہے۔ جب انکار کرو گی، تمہارے خاندان کی تصاویر چوک پر آویزاں کردی جائیں گی۔ مسٹر آصف یاد رکھو تم مجھے بلیک میل نہیں کرسکو گے، زبردستی کرو گے تو اس کا نقصان تمہیں اٹھانا پڑے گا۔ اسی لمحے سلیمان جس کا نشہ ہلکا ہوا تھا کمرے سے باہر آیا اور شہنا سے دست درازی کرنا شروع کردی۔ نشہ عقل کا دشمن ہے۔ شہنا کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ آصف نے ایک اور فوٹو لیا، اور اپنے گھر کا فون نمبر دے کر واپس چلا گیا، اور یہ پیغام دے گیا کہ میں دو دن انتظار کروں گا۔ تیری عزت اب اس کیمرے کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ یاد رکھو آصف نے آج تک جس لڑکی کو پسند کیا ہے اس کو حاصل بھی کیا ہے۔

آصف اور سلیمان اکٹھے گھر سے نکلے، لیکن پولیس جو پہرہ دے رہی تھی اس نے دونوں کو آوارہ گردی کے کیس میں حراست میں لے لیا۔ اسی رات حلقے کے ایم این اے کے گھر چوری ہوگئی۔ دونوں دوست چوری اور ہیروئن فروشی کے الزام میں جیل کی چار دیواری میں پہنچ گئے۔ سلیمان پر شراب نوشی

کا بھی کیس بن گیا۔ کیمرہ پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پولیس انکوائری میں تصاویر تیار ہو کر عدالت کے حوالے کردی گئیں۔ شہر کا معزز ترین آدمی اس حالت میں فوری طور پر پولیس نے پردہ ڈال دیا' لیکن اندرون خانہ پولیس نے مس کنول' مس شہنا اور ان کی والدہ سے مکمل نذرانہ وصول کیا۔ انکار کی صورت میں حوالات کا دروازہ انھیں صاف نظر آتا تھا۔

چار سال بعد دونوں دوست جیل سے باہر آئے تو دہشت گردوں کے آلہ کار بن چکے تھے' باہر آتے ہی انہوں نے لقمان کو اپنے گروپ میں شامل کرلیا۔ اسی دوران نعمان کی ملاقات ایک سیٹھ سے ہوگئی' جو کہ امریکہ جانے کے لئے ایئرپورٹ پر کھڑا تھا اور لقمان بھی امریکہ جانے کے لئے ایئرپورٹ پہنچا ہوا تھا۔ جہاز میں سامان لوڈ ہوچکا تھا اور مسافر کنٹین سے اٹھ رہے تھے۔ سیٹھ نے لقمان کا بریف کیس جان بوجھ کر اٹھالیا اور لقمان بے خبری میں سیٹھ کا' یہ سارا عمل سیٹھ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ کیا۔ لقمان جیسے ہی گیٹ پار کرنے لگا منشیات فروشی کے الزام میں لقمان کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔

آج لقمان کی قسمت کا فیصلہ تھا' عدالت نے لقمان کو بر سرعام پھانسی دینے کا حکم صادر فرمایا۔ عوام کی بھاری نفری چوک پر موجود تھی۔ آصف کے باس نے پوائنٹ 2 پر تخریبی کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ آصف نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ چوک کی قریبی جگہ پر بم رکھنے لگا' لیکن بم ہاتھ میں پھٹ گیا۔ آصف کے جسم کے کئی حصے سڑک پر بکھر گئے۔



"تم ایکٹروں کے زمرے میں آتے ہو اس لیے تم پر ٹیکس لگے گا"

نعمان ہیروئن کے نشے کا عادی بن کر والدین کے لئے مزید رسوائی کا سبب بنا۔ کنول اپنے بوائے فرینڈ عنایت اللہ کے گھر سے فرار ہوگئی۔ شہنا کو نامعلوم افراد نے دن کے بارہ بجے بارونق بازار سے اغوا کرلیا اور اب وہ 6 لاکھ روپے تاوان مانگ رہے تھے۔

شہنا کا منگیتر یعقوب امریکہ میں پرائیویٹ فرم میں کام کرتا تھا' جب اس نے اغوا کی خبر سنی تو منگنی توڑ دی۔

مسز فردوس خان (کنول کی والدہ) کلب میں زیادہ مے نوشی کے سبب بے ہوش ہوگئی فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا' لیکن ڈاکٹر اس کی جان بچانے میں ناکام رہے' جبکہ ہسپتال کا انچارج ڈاکٹر نعیم اللہ خان کالج لائف میں مسز فردوس کا آئیڈیل فرینڈ تھا۔ مسز فردوس خان کی منگنی ہوگئی جس کی وجہ سے میڈیکل تعلیم ادھوری چھوڑ کر فردوس خان کی بیوی بقیہ زندگی بسر کرنے لگی' لیکن کلب جانا دوستوں سے میل ملاپ میں کوئی فرق نہ پڑا' لیکن آج یہ خاندان اس انجام کو پہنچ گیا۔

☆☆

پیغامات

انچارج۔ادارہ

اس عنوان کے تحت آپ اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو"ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے ذریعے سے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 لائن سے زیادہ نہ ہو زیادہ لائن ہونے کی صورت میں 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر بھی شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ قارئین اگر چاہیں تو اس کالم میں آپ خطوط بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

انچارج پیغامات۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

پیغام مسلم لیگ (ن) کی مرکزی قیادت کے نام

سندھ میں درجنوں مسلم لیگ (ن) کے ناراض سینئر اور قدیم رہنماؤں اور کارکنان کی کھیپ موجود ہے۔ جو اس بات پر برہم نظر آتی ہے کہ ان کا احساس محرومی اور تحفظات کو دور کرنے کے لیے ان سے قیادت نے رابطہ قائم نہیں کیا۔ یہ رہنما اور کارکنان نامناسب حالات کے باوجود بھی پارٹی کے ساتھ وفادار اور مخلص رہے۔ جمہوری کلچر اسی وقت فروغ پاسکتا ہے جب وفاداری پارٹی کے آئین میں طے کردہ متعین مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔ اس سلسلہ میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کے کردار اور عمل کو مثال اور ماڈل بنایا جاسکتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ہمیشہ پارٹی سے اختلاف رکھنے والوں کو فراخدالی اور تحمل مزاجی سے برداشت کیا بلکہ اگر کوئی ساتھی ناراض ہو کر چلا گیا تو اسے منانے کے لیے خود چل کر ان کے ہاں جانے سے بھی دریغ نہ کیا۔

ایک دفعہ نواب اسماعیل خان (عظیم لیگی رہنما) نے کسی مسئلہ پر اختلاف کیا اور ناراض ہو کر اپنے آبائی گھر میرٹھ چلے گئے۔ تو قائداعظم محمد علی جناحؒ دہلی سے خود انہیں منانے کے لیے ان کے گھر میرٹھ تشریف لائے۔

اسی طرح ایک لیگی رہنما مولانا ظفر احمد انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر مذاکرات کے اختتام پر میڈیا کے سامنے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا کہ۔

"میں نے مذاکرات میں طے پانے والے فیصلوں کی توثیق اس شرط کے ساتھ کی کہ اس کی منظوری آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی بھی دے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں منظوری کے لیے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو کمیٹی کے ایک رکن قاضی عیسیٰ نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو خود اس سے اتفاق نہیں تھا......؟ اس پر میں نے برجستہ جواب دیا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں اس کی تائید ہی کیوں کرتا۔ میرے نوجوان ساتھی! تم یہ بات ذہن نشین کرلو کہ کوئی شخص عقل کل نہیں ہوتا اور ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر اس فیصلے میں کوئی کمی یا خامی موجود ہو تو اس کو دور کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کی جا سکے اور اہم بات یہ بھی ہے کہ اس جدوجہد میں جو لوگ شریک ہیں وہ برابر کے سٹیک ہولڈر ہیں میرے ذاتی نوکر نہیں جن کا کام صرف میرے فیصلوں کی من وعن تائید کرنا ہو۔"

یاد رکھیے کہ قوم کے لیے اجتماعی فیصلے ہمیشہ اجتماعی دانش کے متقاضی ہوتے ہیں۔ ان زریں اصولوں کے تناظر میں لیگی اعلیٰ قیادت کو کارکنان اور رہنماؤں کے تحفظات دور کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔

☆چوہدری قمر جہاں علی پوری
معرفت زکریا شمس اولڈ بکسنز النگ لوہاری گیٹ' ملتان

☆☆☆

شمع فروزاں

ہم میں سے زندہ وہی رہے گا جو دلوں میں زندہ رہے گا اور دلوں میں وہی زندہ رہتے ہیں جو خیر بانٹتے ہیں' محبتیں بانٹتے ہیں اور آسانیاں بانٹتے ہیں......!

ایک دن زندگی نے مجھ سے سوال کیا۔

"تم اپنے دوست کا ساتھ کب تک چاہتے ہو......؟" میں نے ایک "آنسو" سمندر میں گرادیا اور کہا۔

"جب تک تم اس کو ڈھونڈ نہ لو تب تک۔" اس پر سمندر رو پڑا اور کہا۔

"کاش! میرا بھی کوئی دوست ہوتا......!"

دوستی سمندر ہے دوستی کنارہ ہے
دوستی ہی دنیا میں جینے کا سہارا ہے

دوستی کسی وجہ سے یا کسی مقصد کے لیے نہیں کی جاتی۔ مگر جب یہ ہو جاتی ہے تو زندگی کا مقصد اور جینے کی وجہ بن جاتی ہے۔

دوست' دوست نہیں دل کی دعا ہوتا ہے
محسوس تب ہوتا ہے جب یہ جدا ہوتا ہے
دوست کے بنا جینا ایک سزا ہوتا ہے
دوست آپ کے جیسا ہو تو جینے کا مزہ ہوتا ہے

پیارے قارئین! دوستی کے مذہب میں سب ایک ہیں۔ سب برابر ہیں۔ نہ کوئی بڑا' نہ کوئی چھوٹا' نہ کوئی امیر' نہ کوئی غریب' نہ کمزور' نہ طاقتور' دوستی رنگ' نسل' عمر' ذات پات اور مذہب کے تفرقات سے بالاتر اور پاک ہے۔ دوستی دراصل محبت اور محبت پوجا کا نام ہے۔ سنجیدہ مزاج لوگوں کو تاحیات ثابت قدم مخلصانہ دوستی کی دعوت عام ہے۔

☆محسن بشیر' موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

☆☆☆

سیمی زیدی کے نام

آپ ایک بہترین اور دل پسند فنکارہ ہیں۔ آپ کے بے شمار پرستار ہیں جو آپ کے پروگرام

بے حد شوق سے دیکھتے ہیں۔ آپ شوبزنس کے میدان میں کمال مہارت رکھتی ہیں۔ ڈرامہ' میوزک اور میزبانی جو بھی پروگرام ہو آپ پر سیٹ ہو جاتا ہے۔ جیسے آپ اس رول کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں جو آپ کو دیا گیا ہے۔ آپ جیسی خوبصورت لب و لہجے والی آواز شائد کسی اور اداکارہ کی نہ ہو۔ پلیز! آپ ڈراموں وغیرہ میں نظر آئیں۔ آپ کی اداکاری اور آپ کی صلاحتیں ہمیں بہت متاثر کرتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ آئندہ پروگرامز میں ضرور حصہ لیا کریں گی۔

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری
معرفت زکریا شمس اولڈ بکسٹر انگ لوہاری گیٹ' ملتان

چوہدری وسیم افضل جوڑا ایڈووکیٹ

دکھی انسانیت کے مسیحا......!

آج کے نفسانفسی کے دور میں بہت کم لوگ ہیں جو کسی مجبور یا ضرورت مند کے کام آتے ہیں۔ دولت کی ہوس اور لالچ نے آج کے انسان کو حقوق العباد سے غافل اور بے حس بنا دیا ہے۔ لیکن چوہدری وسیم افضل ایڈووکیٹ ایک عہد ساز شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور انہیں اگر میرٹ پر لایا جائے تو وہ دکھی انسانیت کے مسیحا ہیں۔ یاد رہے کہ جوڑا خاندان کو خدا نے بے پناہ طاقت' بے پناہ دولت اور غریبوں کی مدد کرنے کے لیے ایک بہت بڑا دل بھی عطا کیا ہے۔ کاش! اس ملک کا ہر با اثر انسان ایسا ہی نیک' رحم دل' مہربان اور دکھی انسانیت کا مسیحا بن جائے تو اس ملک میں غربت کا خاتمہ ممکن ہو سکے اور مستحقین کے چہرے پر بھی رونق نظر آ سکے۔ چوہدری وسیم افضل جوڑا ایڈووکیٹ کی صحت' سلامتی اور کامیابیوں کے لیے خدا سے دعا گو ہوں۔

☆ محسن بشیر' موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

☆☆☆

ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے۔ جس کی عمر 12 سے لے کر 15 سال ہو۔ مجھے فوراً SMS کرے۔

☆ اے رشید' موبائل نمبر 0044-7922838325
لندن

☆☆☆

مسافر کے نام

اے کاش میں آپ کا نام یا ایڈریس اس وقت آپ سے پوچھ لیتا تو آج میں اتنا اداس نہ ہوتا کیونکہ آج بھی میں وہ سفر نہیں بھول سکا جو ملتان سے لے کر کراچی تک تیرے سنگ کیا مجھے آج بھی وہ منظر یاد ہے کہ پورے پینتالیس منٹ گاڑی جنگل بیاباں میں کھڑی رہی۔ اے کاش کہ وہ وقت وہی پر تھم جاتا اور ہم دونوں جدا نہ ہوتے۔

اگر یہ سطریں آپ کی نظر سے گذریں تو ہمیں یاد کر لینا۔

ایم نواز شاہین جھنگوی



☆ سکون قلبی چاہتا ہوں ☆

محمد رشید ..... لاہور

سوال = ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے بہت بڑا گھر ہے' دولت ہے یوں کہہ لیں جو چیز چاہوں خرید سکتا ہوں مگر سکون نہیں ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = محترم محمد رشید صاحب! آپ نے لکھا کہ میرے پاس بہت کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے۔ اگر آپ سکون کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کی خدمت کریں۔ ایک اور بات ذہن میں رکھیں کہ خدمت کروانا بہت آسان ہے لیکن خدمت کرنا بہت مشکل ہے۔ خدمت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ خدمت کرنا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ تو محترم آپ! آج سے بلکہ ابھی سے اللہ کے بندوں کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں اور پابندی نماز کریں۔ آپ کو سکون قلبی نصیب ہو جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ☆

☆ بہت جلد کامیابی ملی ☆

محمد ایوب ..... کراچی

سوال = عرصہ نو سال سے شادی شدہ تھا لیکن اولاد نہ تھی۔ دنیا جہاں کے علاج کروائے' بیوی سے ہر وقت لڑائی جھگڑا' اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا۔ ہمارے گھریلو حالات کشیدہ تھے اور نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی تھی۔ "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور محنت سے وہ تمام مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو میں نہیں کر سکتا تھا۔ ان عملیات کی بدولت ہمیں اب امید بندھی ہے تمام گھرانہ خوشیوں سے بھر گیا ہے۔ میں تو کیا تمام گھرانہ آپ کے لیے دن رات دعائیں کرتا ہے۔ میں اپنے جیسے دکھی بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ بے اولاد ہیں یا اولاد نرینہ کے طالب ہیں تو وہ بھی میری طرح "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم محمد ایوب صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات اور بے اولادی کا خاتمہ ہوا۔ آپ اب صاحب اولاد ہونے والے ہیں اور گھریلو ماحول بھی خوشگوار ہو گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو نیک اور صالح بیٹا عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔

انشاءاللہ تعالیٰ......☆

☆نحوست اور پریشانیوں کی یلغار☆

﴿خادم حسین.................بہاولپور﴾

سوال= چاروں اطراف سے نحوست اور پریشانیوں نے ختم کرکے رکھ دیا ہے۔ پریشانیوں کا سلجھاؤ نہیں ملتا۔ دوسرا نحوست نے ہر طرف سے جکڑ رکھا ہے۔ ہر طرف سے پھنس گیا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب= سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ صدقہ بھی ادا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد"313 مرتبہ **واللہ سمیع علیم** "(سورۃ آل عمران آیت نمبر 34) پڑھیں اوّل وآخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل 31 روز تک جاری رکھیں☆

☆سب کچھ برباد ہو چکا تھا☆

﴿سجاد حسین☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ملتان﴾

سوال= میں نے عزیزوں' رشتہ داروں سے قرض لے کر بڑے پیمانے پر کام شروع کیا' چند ماہ کام ٹھیک رہا پھر اس میں نفع کی بجائے نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا تھا......قرض سر پر بہت چڑھ گیا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ میں بہت ہی زیادہ پریشان تھا۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور ہمدردی سے ہمارے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے...... جو میں نہیں کرسکتا تھا۔ ان کی بدولت میرا قرضہ بھی اترنا شروع ہوگیا ہے اور کاروبار بھی آہستہ آہستہ بہتری کی طرف جارہا ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دکھی بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب= محترم سجاد حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا اور آپ کا قرضہ بھی اترنا شروع ہوگیا ہے۔ اب آپ ایک بہترین اور مثالی زندگی بسر کررہے ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید کامیابی عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ......☆

اولاد (خاص کر اولاد نرینہ) کے لیے پریشان بہن' بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملایئے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی......☆

☆ الجھنوں میں پھنس گیا ہوں ☆

عابد علی ... جھنگ

سوال = میں الجھنوں سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں نے بہت سے وظائف کیے اور بہت سے تعویذات بھی لیے مگر ان کا الٹا اثر ہوا آپ کے بارے میں ''ماہنامہ سچی کہانی'' میں پڑھا اور بہت سے لوگوں سے سنا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد ''135 مرتبہ ''ت''یا تواب بحق عزرائیل'' پڑھیں اوّل وآخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاندکی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نمازِ عشاء سے شروع کریں☆

☆ میرے شوہر کانوں کے کچے تھے ☆

زرینہ بیگم ... سرگودھا

سوال = میرے شوہر کانوں کے کچے تھے۔ جو کچھ ان کی ماں اور بہنیں کہتی تھیں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے میری نہیں سنتے تھے۔ پہلے میری سنتے تھے لیکن اب جو میں کہتی اس کا الٹ کرتے تھے۔ میری ساس اور میری نندیں مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ میں ذہنی طور پر میں مفلوج ہو چکی تھی۔ ''ماہنامہ سچی کہانی'' پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے تمام عملیات جو کہ مشکل ترین تھے وہ انھوں نے خود کیے...... جن کی بدولت میرا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب میرے شوہر' ماں' بہنوں کی باتوں میں نہیں آتے۔ اب مجھے ذہنی سکون ہے اور اب میرا شوہر ہم سب کا بہت خیال رکھتے ہیں میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) میں اپنی جیسی دکھی بہنوں کو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح ''آپ'' سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی زرینہ بیگم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا ٹوٹا ہوا گھر دوبارہ آباد ہو گیا ہے۔ آپ کا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب بچوں اور آپ کا خیال رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ دونوں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ......☆

☆صحت اور شفاء نہیں ہو رہی ☆

محمد ابراہیم ☆☆☆☆☆☆☆☆ اوکاڑہ

سوال = جوں جوں علاج کروا رہا ہوں مرض بڑھ رہا ہے تکلیف بہت زیادہ ہے اب تو کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ ہر قسم کے علاج کرائے مگر صحت اور شفاء نہیں ملی۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ''11 مرتبہ الر تلک ایات الکتاب المبین ٥ الراحیم الراحیم الراحیم '' پڑھ کر پانی پر دم کر کے نہار منہ پئیں اور دعا کریں۔ مدت عمل 41 روز ہے☆

☆خونی لکیروں سے نجات ملی ☆

محمد یعقوب ☆☆☆☆☆☆☆☆ تحصیل ٹیکسلا

سوال = پہلے کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا اب تقریباً روزانہ کا معمول بن چکا تھا گھر یعنی صحن' کمروں میں خون کی بارش ہوتی تھی۔ جب سے ایسا ہو رہا تھا میرے تمام اہل خانہ وحشی اور پاگل بن جاتے تھے...... ایک دوسرے کو مارنے کے درپے تھے...... ایک دوسرے کا سر تو کئی مرتبہ پھاڑ چکے تھے کسی وقت بھی کوئی بڑا حادثہ ہو سکتا تھا بہت پریشانی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے ہمارے گھر کو جادو ٹونہ کے اثرات سے بچانے کے لیے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جن کی بدولت آج وہی میرا گھرانہ ایک مثالی گھرانہ بن گیا ہے خدا گواہ ہے کہ ہم دن رات آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور میں اپنے جیسے دکھی' بہن بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی میری طرح ''آپ'' سے رابطہ کریں☆

جواب = محترم محمد یعقوب صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپکے اور اہل خانہ پر کیے گئے جادو ٹونہ کے اثرات کا خاتمہ ہوا۔ اب آپ تمام اہل خانہ آپس میں مل جل کر پیار اور محبت سے رہنے لگے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو سلامت رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆کاروبار آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے☆

غلام حیدر ---------- ساہیوال

سوال = کاروبار میں کوئی برکت نہیں ہے جو کماتے

ہیں وہی کھاتے ہیں اصل رقم جو"راس" ہے وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ بہت سے سیانوں سے رابطہ کیا' بہت سے تعویذات بھی لیے مگر ندارد۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ گوشت کا صدقہ بھی ادا کیا کریں ساتھ پابندی نماز کریں اور نماز عشاء کے بعد" 100 مرتبہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ یا ودود یا ودود یا ودود** "پڑھیں اوّل وآخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں۔ مدت عمل 40 روز ہے☆

☆ساس نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا☆

ذکیہ خانم ..... اسلام آباد

سوال = میری ساس بات بات پر مجھے خوب ذلیل ورسوا کرتی تھی ہر وقت میرے خلاف باتیں کرتی تھی اور اپنے بیٹے یعنی میرے خاوند کو ہر وقت کوئی نہ کوئی پٹی پڑھاتی رہتی تھی۔ میری ساس نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔ میری زندگی حیوانوں کی طرح تھی۔ میری ساس کو مجھے اذیت دے کر سکون ملتا تھا۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے تمام مشکل عملیات خود کیے...... جن کی بدولت آج وہی میری ساس میری تعریفیں کرتی نہیں تھکتی اور مجھے بیٹی کہہ کر پکارتی ہے۔ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی ذکیہ خانم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ساس راہ راست پر آگئی ہے۔ اب آپ کی ساس آپ سے پیار اور آپ کی بہت عزت کرتی ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو اپنے گھر میں سدا آباد وشاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆میں بےخوابی کا مریض ہوں☆

خالد محمود ..... شکر گڑھ

سوال = مجھے رات کو نیند نہیں آتی' بہت سی دوائیں بھی لی ہیں مگر مسلسل دماغی کشمکش کی وجہ سے میں بےخوابی کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں نے بہت سے علاج کیے' تعویذات بھی لیے مگر کوئی آفاقہ نہیں ہوا۔ آپ سے التماس ہے

کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = فکر آلام' خوف رنج' دماغی خشکی کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں اور نماز عشاء کے بعد "(سورۃ بقرہ کی پہلی آیت مرتبہ الم ○ ذالک الکتاب الاریفہ سے یومون" تک چند بار پڑھنے سے نیند کی میٹھی آغوش نصیب ہو جائے گی☆

☆ میرے خاوند راہ راست پر آگئے ☆

سعدیہ جبیں ...... کراچی

سوال = میرے خاوند دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتے تھے کئی بار گھر میں اس وجہ سے لڑائی جھگڑا بھی ہوا...... مگر میرے خاوند اپنی گندی اور اوچھی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ میرے سامنے دوسری عورتوں کو فون کرنا ان کا معمول تھا۔ میں بہت بے بسی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ مشکل ترین تھے انھوں نے میرے لیے خود کیے...... ان عملیات کی بدولت آج میرے خاوند راہ راست پر آگئے ہے اب میرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب تمام گندی اور اوچھی حرکتوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی سعدیہ جبیں صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا خاوند راہ راست پر آگیا ہے اور گندی حرکتوں سے باز آگیا ہے اب آپ کا اور بچوں کا بہت خیال رکھتا ہے۔ آپ کا گھر ایک مرتبہ پھر سے آباد ہو گیا ہے دعا ہے اللہ پاک! آپ کو سدا آباد اور شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆ گھریلو اختلاف' بیماری ☆

محمد حسین ...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال = ہمارے گھر پر نحوست کے سائے ہیں جس کی وجہ سے گھریلو اختلاف' تنگدستی' پریشانی اور بیماری کا غلبہ ہے اس نحوست کی وجہ سے ہر وقت لڑائی رہتی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "313 مرتبہ واللّٰہ غفور رحیم" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31) پڑھیں اوّل وآخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ مردہ اولاد پیدا ہوتی تھی ☆

نرگس پروین ... فیصل آباد

سوال = میری شادی کو نو سال ہو چکے تھے ان نو سالوں کے دوران میرے ہاں پانچ بچے پیدا ہوئے تھے اور پانچوں ہی فوت ہو گئے تھے۔ میں ذہنی طور پر بہت ہی زیادہ پریشان تھی کیونکہ میری ساس اور سسر میرے خاوند کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بڑی محنت اور خلوص سے تمام عملیات خود کیے...... جن کی بدولت آج میری گود میں بیٹا ہے اب میرے خاوند اور میرے سسرالی سب کے سب مجھ سے اور میرے بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح اپنے مسائل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی نرگس پروین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کو صحت مند اور زندگی والا بیٹا عطا ہوا۔ بچوں کا بار بار مرنا بہت خطرناک مرض ہوتا ہے اور اس موذی مرض سے آپ کو نجات ملی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ گھر کا سکون ختم ہو چکا ہے ☆

محمد جمیل ... ٹیکسلا

سوال = گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا اور بچوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہمارے گھر کا سکون تباہ ہو چکا ہے ہر وقت کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے بچوں کو ہم نے بہت سمجھایا مگر وہ کسی کی نہیں سنتے۔ وہ سمجھنے کی بجائے اس کی بے عزتی کرتے ہیں۔ آپ مدد فرمائیں اور کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "121

مرتبہ یا مہیمن یا باسط یا باقی" پڑھیں اوّل و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 5 تاریخ سے لے کر 25 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں ☆

امتل النساء .... حیدر آباد

سوال = میری دو بچیوں کی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں میری رات کی نینداور دن کا چین چھن چکا تھا۔ کوئی پل سکون نہیں تھا بہت ہی زیادہ پریشانی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بہن سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ بہت مشکل تھے جو میں نہیں کر سکتی تھی انھوں نے خود کیے...... جن کی بدولت میری ایک بیٹی کی شادی ہوگئی ہے اور دوسری کی نسبت طے ہوگئی ہے میں تو پھر سے زندہ ہوگئی ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی، پریشان بہنوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بہن امتل نساء صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ایک بیٹی کی شادی اور دوسری بیٹی کی نسبت طے ہوگئی ہے ان پر جو "بندش شادی" تھی اس کا خاتمہ ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! سب کی بیٹیوں کو اپنے اپنے گھروں میں سکھی رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ دوسرے کی بے عزتی کرتے ہیں ☆

حامد محمود .... لیہ

سوال = میرے گھر میں اتفاق نہیں ہے گھر کے تمام افراد اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی بے عزتی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں ان کو سمجھا سمجھا کر تنگ آ چکا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ تمام اہل خانہ پابندی نماز کریں اور ہر نماز کے بعد درود شریف بکثرت سے پڑھیں اس کے بعد "100 مرتبہ اللھم بکیدون کیدا ٥ واکید اکیدا ٥" پڑھ کر تکیوں پر 40 روز تک دم کیا جائے۔ احتیاط لازمی ہے کہ ایک تکیہ دوسرا استعمال نہ کرے ☆

☆ کاروباری بدحالی تھی ☆

محمد یاسین .... سرگودھا

سوال = کاروباری بدحالی نے ختم کر کے رکھ دیا تھا

کبھی کوئی مشینری ٹوٹ جاتی اور کبھی کوئی مشین خراب ہو جاتی۔ لاکھوں روپے کا قرضہ لے کر کاروبار میں شامل کر دیا تھا مگر سب کا سب تباہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ فیکٹری چلنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ بہت پریشانی تھی میں نے ''ماہنامہ سچی کہانی'' پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص سے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جن کی بدولت آج پھر میرا کاروبار آہستہ آہستہ چل پڑا ہے میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دکھی بہن' بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ بھی میری طرح کے اپنے مسائل کے حل کے لیے ''آپ'' سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم یاسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوا اور آپ کے کاروبار پر جو کالے علم کے اثرات تھے ان کا خاتمہ ہوا۔ آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں نصیب فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

☆ قرضہ اور بیماری جان نہیں چھوڑتی ☆

نور الٰہی ..... لالہ موسیٰ

سوال = بیماری جان نہیں چھوڑتی' دوسرا قرضے نے پریشان کر رکھا ہے۔ قرضہ اٹھا اٹھا کر علاج کروائے مگر شفاء نہیں ہو رہی اور قرضہ بھی دن بدن بڑھ رہا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد ''134 مرتبہ **یا صا یا صمد بحق اصجائیل**'' پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 9 تاریخ سے لے کر 29 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء' سے شروع کریں ☆

☆ بچوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے ☆

محمد حسین ..... ساہیوال

سوال = میرے بچے تعلیم کی طرف دھیان نہیں دیتے ہر وقت اُدھم مچاتے رہتے ہیں ہر وقت بڑوں سے بدتمیزی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی ضد پر اڑ جاتے ہیں پڑھائی وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ بہت پریشانی ہے آپ سے عرض ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "21 مرتبہ **چاروں قل شریف**" پڑھ کر پانی پر دم کر کے تمام بچوں کو پلائیں۔ ہر روز پانی پر دم کرنا اور پلانا ہے۔ مدت عمل 21 روز ہے☆

☆ میرے شوہر کو عجیب بیماری تھی ☆

زوبیہ ارم☆☆☆☆☆☆ اٹلی (ITALY)

سوال = میرے شوہر کو وہم کی بیماری تھی۔ ہم پردیس میں رہتے ہوئے ان کی حرکتوں سے بہت پریشان تھے۔ میرے خاوند مجھ پر شک کرتے تھے اس وجہ سے میں ذہنی طور پر بہت پریشان تھی۔ پاکستان سے میری ایک سہیلی کے کہنے پر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جن کی بدولت آج میں بہترین زندگی بسر کر رہی ہوں اور میرے شوہر اب کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے بدمزگی پیدا ہو۔ میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور بیروں ملک میں رہنے والی میری طرح جو بہنیں پریشان ہیں ان کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے

ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی زوبیہ ارم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا پیچیدہ مسئلہ حل ہو گیا ہے اور خاص کر آپ کا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب وہ آپ پر کوئی شک وغیرہ نہیں کرتا۔ آپ اس وقت ایک بہترین اور مثالی زندگی بسر کر رہی ہیں دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... ☆

آپ کا اپنا ☆ خادم انسانیت

(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ

شاہین چک جی ٹی روڈ' گجرات

(0300-6493614)

☆☆

پرائز بانڈز کی دنیا

تحقیق..... چاند بابو

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر..... فیصل آباد ..... ڈرا نمبر 58 ..... 02-06-2014 40000

00	002	021	101		200	500	550	66
01	11	15	21	1 0	34	42	51	71
02	12	18	24	0	36	44	56	78
04	14	20	31	2 1	41	48	61	91
10	0021	0250	1012		1248	2001	5500	94

شہر..... کوئٹہ ..... ڈرا نمبر 58 ..... 16-05-2014 200

00	010	037	112		211	387	523	58
01	10	17	21	1 0	26	41	49	70
02	11	19	24	1	39	42	50	74
05	12	20	25	0 2	40	45	54	80
08	0100	0101	0102		1120	2110	7750	98

انعامی میلہ

تحقیق......بابا راڈو شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر......فیصل آباد......ڈرا نمبر 58......02-06-2014......40000

00	043	070	200	277	373	772	74
01	07	20	28	0 7	40	48	54	77
02	10	22	31	7	41	50	70	80
04	14	27	35	2 0	43	53	72	83
05	0702	1246	2140	2521	2770	7720	88

شہر......کوئٹہ......ڈرا نمبر 58......16-05-2014......200

02	005	143	250	341	344	443	55
03	16	27	31	1 4	34	43	46	63
10	22	28	32	4	40	44	48	70
13	26	30	33	3 3	41	45	49	78
14	0005	0400	1433	3413	3443	4431	90

قسمت اپنی اپنی

تحقیق ...... باباکمال شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ...... فیصل آباد ...... ڈرا نمبر 58 ...... 02-06-2014 40000

00	000	021	048	100		101	120	45	
01	05	11	15	0	1	24	28	39	58
02	07	12	20	2		25	33	40	71
03	10	13	21	0	1	27	36	41	72
04	0210	0211	1200	4500		7505	9002	83	

شہر ...... کوئٹہ ...... ڈرا نمبر 58 ...... 16-05-2014 200

00	000	002	028	314		400	413	58	
01	06	11	18	4	4	31	39	43	62
02	07	13	21	1		33	40	44	68
03	10	14	30	3	3	34	41	53	76
05	1470	2000	3143	4133		4134	4305	82	

ہفتہ کا سکندر

تحقیق.....بابا روحی شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر.....فیصل آباد.....ڈرا نمبر 58.....02-06-2014.....40000

00	005	012	051	052	150	250	40
01	06	12	15	0 0	20	25 31	50
02	10	13	16	5	21	26 33	51
04	11	14	17	2 1	22	30 35	52
05	0000	0025	0512	0520	1502	2501	58

شہر.....کوئٹہ.....ڈرا نمبر 58.....16-05-2014.....200

00	052	055	101	250	434	550	53
01	05	12 22		0 0	28	40 50	55
02	07	17 25		5	30	42 51	61
03	10	20 26		2 5	31	45 52	70
04	0000	0520	0552	2505	4500	5502	71

بیوٹی کیئر

انچارج۔ فضہ ماہین

اس عنوان کے تحت ہمیں ''بیوٹی ٹپس'' ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کردیں گے۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کرواسکتی ہیں۔

بیوٹی کیئر۔ ماہنامہ سچی کہانی 29۔ بی بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

جلد کی حفاظت کے نسخے

یہ معمولی اور آسان ٹوٹکے روزانہ کی بنیاد پر ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم بازار جا کر کلو کے حساب سے کریم اور لوشنز وغیرہ خرید کر لے آئیں اور ان سے اپنے آپ کو نکھارنے کی کوشش کرتے رہیں۔

لہٰذا یہاں چند دیسی ترکیبیں بتا رہی ہوں جن پر آپ عمل کرلیں تو آپ کی جلد صاف، ہموار اور صحت مند رہے گی۔

☆ متوازن غذا استعمال کریں...... آپ جو کچھ بھی کھا رہی ہیں اس کے اثرات آپ کی جلد پر ہونے چاہیں۔

☆ روزانہ تقریباً سات سے آٹھ گھنٹوں کی بھرپور نیند لیں...... نیند کی کمی کے اثرات آپ کی آنکھوں کے گرد حلقوں اور شکنوں کی صورت میں نمودار ہونے لگتے ہیں۔

☆ اپنی جلد کو نرم رکھنے کے لیے...... روزانہ سات سے آٹھ گلاس تازہ پانی ضرور پیا کریں۔

☆ روزانہ کی ورزش کو اپنا معمول بنالیں۔

☆ خوب تازہ ہوا لیں...... لیکن سرد اور گرم ہوا سے براہ راست لطف اندوز نہ ہوں بلکہ ان سے بچنے کی کوشش کریں۔

☆ دھوپ کی شدت سے بچیں کیونکہ آگے چل کر اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ الٹرا وائلٹ شعاعیں آپ کے لیے کسی طور مفید نہیں ہیں۔

☆ اپنی جلد سے مردہ خلیات کو ہفتے میں کم از کم دو بار صاف کرلیا کریں۔

☆ اپنے چہرے کو کبھی صابن اور کلینزر سے صاف نہ کریں بلکہ صرف سادے پانی سے دھولیا کریں۔

بہر حال ان تمام متوازن غذاؤں اور نسخوں کا لب لباب یہ ہے کہ آپ کی جلد خوبصورت، ہموار اور صحت مند دکھائی دیتی رہے۔

یاد رکھیں کہ آپ کا چہرہ آپ کے پورے جسم کی کھڑکی ہے۔ لہٰذا اس کھڑکی سے تازہ ہوا آنے دیں۔ اسے کریم لوشنز اور ایسی دوسری چیزوں سے بوجھل نہ کریں۔

☆ شازیہ انصاری۔ سلانوالی ضلع سرگودھا

☆☆

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ ...... موبائل نمبر 0333-520355 www.devapk.com

ہومیو پیتھک بانجھ پن کے خاتمے کے لیے بہترین طریقہ علاج

میرا طریقہ شریعت کے عین مطابق ہے

س = ڈاکٹر صاحب! کیا بانجھ پن کا خاتمہ ممکن ہے؟

جواب = ہومیو پیتھک اس دور میں ایک بہترین طریقہ علاج ہے۔ بیٹا یا بیٹی دینا یہ سب رب العزت کے اختیار میں ہے۔ مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسے لوگ جنہیں شادی کیے ہوئے طویل عرصہ ہوگیا ہے مگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور وہ مسائل کا شکار ہیں۔ وہ ایک مرتبہ میرے پاس ضرور تشریف لائیں۔ میں نہ صرف ان کا کامیاب علاج کروں گا بلکہ ان کے بانجھ پن کے خاتمے کے لیے ایسی ادویات دوں گا۔ جن کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کو اولاد نرینہ عطا فرمائے گا بلکہ وہ خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزار سکیں گے۔ پاکستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ہومیو پیتھک پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اب تک جو لوگ میرے پاس آئے اور انہیں بیٹے یا بیٹی کی خواہش تھی میرے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ میں نے ہومیو پیتھک پر جدید ریسرچ کی ہے جس کے نتیجے میں میرے پاس علاج کی غرض سے آنے والے ہزاروں لوگ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بیٹے کی خواہش لے کر آئے ...... بعض ایسے بھی تھے جن کے گھر میں 4 سے 5 بیٹیاں تھیں اور وہ بیٹے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے گھر میں بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے تنازعات جنم لے رہے تھے۔ میرے علاج کے بعد رب العزت نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ اس کے بعد وہ میرے علاج سے اس قدر مطمئن اور خوش ہوئے کہ بعد میں اپنے ہمراہ سینکڑوں ایسے جوڑے لے کر آئے جن کے ہاں اولاد نرینہ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کامیاب علاج کروانے کے بعد رب العزت نے انہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازا۔ ہمارے پاس Azosperor کا خاص طور پر علاج کیا جاتا ہے۔

س = ڈاکٹر صاحب! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے علاج کے بعد 90 فی صد جوڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا ...... لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ عامل اور پیروں فقیروں کے آستانوں کا رخ کرتا ہے۔ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن سے عوام الناس صحیح یا غلط میں تمیز کر سکتے ہیں؟

جواب = یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ متعدد لوگ ضعیف

اعتقادی کے باعث ایسے جعلسازوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 90'000 سے زائد عامل وغیرہ کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس جانے والے سائلوں کی تعداد پانچ لاکھ یومیہ سے کم نہیں...... آپ شہر کے کسی بھی گلی، محلے، کوچے یا شہر کے کسی ویران کونے میں چلے جائیں وہاں آپ کو یہ عامل پیر فقیر ضرور دکھائی دیں گے اور سادہ لوح عوام خاص طور پر خواتین ان کا شکار بنتی ہیں۔

افسوس آج معاشرے میں ہر جگہ جادو ٹونے، تعویذ گنڈے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کالے جادو اور دوسرے عملیات کا باقاعدہ الاعلان دعویٰ کیا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں شرک اور منتر، غلط جھاڑ پھونک جو جادو کرنے والے ہیں وہ دوسرے افراد کو نقصان یا فائدہ پہنچانے کا کام جنات وشیاطین کے تعاون سے کرتے ہیں۔ جب یہ بدفطرت افراد شرک وکفر کرتے ہیں تو شیطان اس عامل کے ساتھ اس کام میں تعاون کرتا ہے کیونکہ یہ تعاون اس شرط پر ہوتا ہے کہ عوام الناس مرد یا عورت سے شرک کروایا جائے۔ غرض اخبارات میں دعوؤں سے مرعوب ہو کر پریشان حال لوگ ان عاملوں پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت خواتین اور لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی ہے اور آستانے پر آنے والا ہر فرد اس امید کے ساتھ آتا ہے کہ یہاں براجمان عامل، پیر فقیر اس کے تمام مسائل کو منتروں سے حل کر دے گا۔

اس کے برعکس معاشرے میں کچھ ایسے عالم بھی ہیں جو لوگوں کے مسائل کے لیے قرآنی آیات وظائف دیتے ہیں اور وہ یہ کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور لوگ شفایاب بھی ہوتے ہیں لیکن ایسے بے غرض لوگ بہت کم ہیں۔

اچھا تو ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان میں Perceptional Disorder ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ زیادہ ہوتا ہے وہ مختلف چیزیں تصور کر لیتے ہیں کہ میرے آگے پیچھے کچھ لوگ پھر رہے ہیں یا فلاں چیز مجھے مار رہی ہے۔ سائنس کے مطابق بعض لوگوں کے Senscry Organs اتنے تیز ہوتے ہیں کہ وہ کمرے کے دوسرے جانب یا شہر سے باہر ہونے والی چیزوں کو دیکھ یا سن سکتے ہیں۔ وہ صرف لاعلمی، جہالت اور ضعیف اعتقادی کی وجہ سے ان جعلی عاملوں اور پیروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں ان میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ لوگ ہسٹیریا جیسے مرض کا علاج جادو ٹونے سے کرواتے ہیں۔

س= ہسٹیریا ہے کیا......؟

جواب= ہسٹیریا کا مرض زیادہ تر خواتین کو ہوتا ہے۔ مردوں میں اس کا تناسب انتہائی کم ہے۔ ہسٹیریا ایک نفسیاتی مرض ہے۔ دراصل جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کی جنسی

جبلت بیدار ہو جاتی ہے۔ یہ جنسی بھی ہو سکتی ہیں۔ محبت میں کمی یا عدم تو جگی بھی ہو سکتی ہے جب یہ خواہشات پوری نہیں ہو پاتیں تو مریض عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ مریض کو محسوس ہوتا ہے کہ گلے میں گولہ آ کر اٹک گیا ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ اس ہسٹیریا کے دورے کو لوگ جن یا آسیب کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب جہالت کے سوا کچھ نہیں......
حالانکہ ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا لڑکی کے علاج میں خاص احتیاط برتنی چاہیے۔ جادو کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں ملتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن شریف دنیا کی واحد عظیم ترین کتاب موجود ہے۔ جس میں بنیادی مسائل کا حل موجود ہے۔ ضرورت اس سے استفادہ ہونے کی ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے مرض کا باقاعدہ علاج ہونا چاہیے۔ ہم مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ لہٰذا معاشرے میں بے چینی، خود غرضی اور توہم پرستی بڑھ رہی ہے۔

س = ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ ازدواجی یا جنسی صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

جواب = بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی، جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت پر موسم، جذبات، دوست واحباب، ثقافت، والدین، اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے رویے کا ذکر تو بڑی شدد کے ساتھ کرتے ہیں مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری سوچ اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی سوچ اور کردار کا ناقدرانہ جائزہ لینا چاہیے۔ اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت تبدیلی ہوگی وہ ذہنی، جسمانی اور جنسی صحت کی بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ ماہرین نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔ یہ تو شہوت ہے۔ اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا جس میں عزت واحترام اور قربت ولگن یکجا ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ خیالات وجذبات کا احترام کرتے ہوں اور پرسکون، مطمئن ہوں۔ اپنے

آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھئے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جسمی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجئے اور جو کام مضر ہیں انہیں ترک کردیجئے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شائد سب سے قوی جذبہ بھی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں میں کامیاب اور ڈسپلین کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہوکر بے قابو ہوجاتے ہیں۔

اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، کاروبار، معاشرتی تعلقات وغیرہ میں برے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کرکے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پرواہی اختیار کرکے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر محتاط رویہ ان کی جنسی صحت کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف افسوس ملتے اور اپنے مستقبل کو تاریک رکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پرواہی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گہنا دیتی ہے۔

نہ کہنا سیکھئے

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کرلی تو یہ بد اخلاقی ہوگی بلکہ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر پست ہمتی کی وجہ سے ''اس دفعہ اور'' کہہ کر ہر بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور ''نہ'' کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر ''نہ'' کہنے کا سلیقہ آجائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھئے آپ کو ایک نئی حرارت واعتماد کا احساس ہوگا۔

خوفزدہ مت ہوئیے

''معذرت'' کرنے یا ''نہ'' کہنے کی جرائت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ''نہ'' کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو منفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہر حال صاف گوئی یا صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجئے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے

بارے میں افرادِ خانہ بالخصوص شریک حیات سے گفتگو کرتے اور مشورے کرتے رہتے ہیں اپنے ازدواجی معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے بھی شریک حیات سے مکالمہ کیجئے۔ اپنے انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریک حیات کو شامل کیجئے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟ اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر اپنی شریک حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول بہتر ہوگا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نوجوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق نوجوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آشنا کر دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے نوجوانوں کو بھی قابل اعتماد، سنجیدہ اور باعمل اور باعلم دوست احباب اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو دیگر ایسے افراد مل جائیں تو اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ نوجوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہوگا بلکہ مجموعی طور پر بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

غلط فہمیاں دور کیجئے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہوگئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیجئے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ مثال کے طور پر نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نوجوان نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگتے ہیں) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت کی علامت ہے لیکن نوجوان بلاوجہ اس سے خوفزدہ ہو کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال پاکستانی نوجوانوں میں بہت عام ہے۔ رومانی ماحول نے نوجوانوں کی صحت کو مزید برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مند رکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کیجئے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ لوگ جنس کے بارے میں

بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ صحیح فکر یہ ہے کہ اپنے کردار اور رویے کو تول کر جنسی معلومات سے باخبر ہو کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆حکیم شیخ محمد امین
موبائل نمبر 0345-7000088 راولپنڈی

☆☆☆

ہیپاٹائٹس بی سے مکمل علاج 'یونانی اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے

گردے کے امراض' مردانہ امراض' پرانا نزلہ زکام' جلدی امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے

☆حکیم محمد امین ماہر معالج وگولڈ میڈلسٹ

تعارف

ہیپاٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب مشرقی ایشیاء اور اس کے گردونوح کے ملکوں میں ایک وباء کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے تباہ کن اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک وباء کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جاسکیں۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے یہاں یہ مرض تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص ہیپاٹائٹس B یا C کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جو ایک انسان سے تندرست انسان کو منتقل ہو جاتا ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے تو 2 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اتنے عرصے میں ان جراثیم کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپا ٹائٹس B اور C کا مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک' مہلک اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا اس مرض سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ عام یرقان (پیلیا) سمجھ کر مختلف ٹوٹکوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہلاکتیں ان لوگوں کی ہو رہی ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان کا HB تشخیص ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض ورطہ حیرت ہوتا ہے۔ مہنگا علاج' مہنگا ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا ہوتا ہے کہ یہ مرض کسمپرسی میں عذاب بن کر نازل ہو جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپاٹائٹس کا (Reactive) ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب یونانی' طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان' مصر' چین' ایران' ثمرقند اور بخارا کے ماہرین طبیب بڑے وثوق سے

علاج کرتے رہے ہیں۔ ان ادویات سے نہ صرف یرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور و معروف حکیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کا وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔ یہ بہت نازک عضو ہے۔ اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی ہے۔ اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر ستونوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کے دائروں کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور سبز رنگ کا مادہ یعنی ''بائل'' کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی ہوتا ہے۔ یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے ''پتہ'' میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں کی زیادتی کے جگر پر مضر اثرات

شراب نوشی، تمباکو نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال مثلاً چرس، افیون، بکثرت تمباکو نوشی، بورنگ کا پانی استعمال کرنا اور بڑی مقدار میں پیراسیٹامول کا استعمال وغیرہ ہے۔ کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا عمل روکا جا سکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام A,B,C,D,E وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم نقصان دہ ہیں C اور B ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک قسمیں ہیں۔ D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ آور ہوتے ہیں اور متعدد یرقان پیدا کرنے کو موجب ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis.B)

ہیپاٹائٹس کے اسباب میں قسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس یرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم

میں پہنچ جائے تو پھر 80 فی صد افراد میں سالہا سال تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا ہے۔ ہیپا ٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپا ٹائٹس کے یرقان کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50 فی صد مریضوں کو دائمی سوزش جگر (Hepatits Chronic) اور ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25 فی صد لوگوں میں یہ جگر سکڑ (Cirhosis of Lecel) پیدا کرتا ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہیپا ٹائٹس C کا مرض ہیپا ٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپا ٹائٹس C سے بعض صورتوں میں مریض کی ہلاکت کے 26 فی صد امکانات ہوتے ہیں۔

ہیپا ٹائٹس B اور C کے مرض کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33 فی صد ایسے مریض بھی ہیں جو ہیپا ٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ دو چار ماہ کورس استعمال کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاءاللہ تعالیٰ 100 فی صد (Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپا ٹائٹس B اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ممالک میں بے انتہا مریض شفایاب ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ مریضوں کی سہولت کے پیش نظر آپ لوگ منی آرڈر یا ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج گھر بیٹھے کورس منگوا سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔ طبی مشورے و علاج و معالجہ کے لیے مرض کی مکمل تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپا ٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپا ٹائٹس C معتدی یرقان ہیپا ٹائٹس کی اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپا ٹائٹس C ہے۔ پاکستان میں ہیپا ٹائٹس C کے شکار افراد کی تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان میں ہر گیارھواں افراد ہیپا ٹائٹس C کے مرض میں مبتلا ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہزار ہا سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی بھی قسم کے مضر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔ حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات سے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپا ٹائٹس C بلکہ دیگر امراض کے لیے بھی موثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل استعمال کے بعد ہیپا ٹائٹس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive) ہوتی ہے۔

ہیپا ٹائٹس کے مریضوں کے لیے غذائی چارٹ

لوکی' بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی) دیسی مرغی

(کم مقدار) ٹینڈے کوکنگ آئل شلجم خربوزہ کالی مرچ (ہلکی) مولی مسمی کھیرا میتھی سرسوں کا ساگ ککڑی کریلہ لوبیا گریپ فروٹ اور پالک ہے۔

دی کلر پیپا تائمس کورس
موبائل نمبر 0345-7000088



شادی شدہ کمزور مرد
''احسن مہی'' خاص استعمال کریں
20 سال سے آزمودہ
مضر اثرات سے قطعی پاک

سفر جل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس پھل کے باغات اسپین لبنان اور عرب ممالک کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پھل بہت لذیز اور لطیف ہوتا ہے۔ قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کردی ہے۔جس سے بوڑھے مرد بھی جوان ہوجاتے ہیں اور کمزور مردوں کے لیے ایک ٹانک ہے۔ سفر جل ایک ایسا نایاب پھل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

''سفر جل کھاؤ یہ دل کو طاقت دیتا ہے دل کے دورے کو روکتا ہے دل کو مضبوط کرتا ہے دل کی بیماریوں کو ٹھیک کرتا ہے سانس کو خوشبودار بناتا ہے اور سینے کا بوجھ اتارتا ہے۔'' پھر آپ سرکار ﷺ نے سفر جل کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ۔

''سفر جل کھاؤ اللہ تعالٰی نے ایسا کوئی نبی نہیں مامور فرمایا جسے جنت کا یہ پھل سفر جل نہ کھلایا ہو کیونکہ یہ مرد کی قوت کو چالیس گنا بڑھا دیتا ہے۔''

حکماء قدیم کے نزدیک یہ دل وجگر کی بیماریوں اور قوت خاص کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ حکیم سیف اللہ سیکھو اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

''سفر جل میں قدرت مطلق نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔''

زمانہ قدیم کے نامور حکماء لکھتے ہیں کہ۔

''یہ پھل بے حد مقوی باہ اور قوت خاص میں اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔''

حکیم محمد امین سفر جل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

''اس پھل میں قدرت نے وہ قوت رکھی ہے کہ شائد ہی کسی اور پھل میں ہو۔ کیونکہ یہ پھل قوت خاص کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ جانے اس پھل میں اور کیا کیا قوتیں موجود ہیں جو کہ انسان کے لیے یقینی طور پر مفید ہوسکتی ہیں۔ سفر جل کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کر کے آپ کے سامنے وہ قیمتی راز لکھ رہا ہوں جو کہ استاد محترم نے کئی سال خدمت کرانے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ باہ کو قوت دینے سرعت انزال کو دور کرنے اور وقت خاص میں تحریک پیدا کرنے کے لیے باکمال چیز ہے۔ جس کی صرف ایک ہی خوراک کھانے سے مرد میں اتنا کرنٹ آجاتا ہے کہ مرد چار شادیاں کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے جس کا نام ''احسن مہی خاص'' ہے گولیوں کی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ہر قسم کے مفت طبی مشورے اور گھر منگوانے کے لیے اس نمبر پر رابطہ

کریں۔0345-7000088۔احسن مہی خاص پورے پاکستان میں ہر اچھے دواخانہ' ہومیو پیتھک سٹور پر دستیاب ہے نام لے کر طلب کریں۔

ہمارے ڈیلر حضرات

☆خواجہ سٹور بالمقابل ایمپریس مارکیٹ' صدر کراچی
☆صدر میڈیکل سٹور' صدر کراچی
☆سپر ہومیو سٹور میر کرم علی تالپور روڈ' صدر کراچی
☆محمد علی میڈیکل سٹور آرام باغ' کراچی
☆طلحہ ٹریڈرز واٹر پمپ چورنگی' کراچی
☆عرفان قادری جڑی بوٹی لانڈھی' کراچی
☆بسم اللہ ہومیو بلدیہ ٹاؤن' کراچی
☆مصطفےٰ دواخانہ رسالہ روڈ راحت سینما' حیدر آباد
☆ماریہ دواخانہ پولیس لائن' حیدر آباد
☆محمد علی دواخانہ لبرٹی پلازہ آبپارہ' اسلام آباد
☆مسلم ہومیو' نعمان ہومیو لجپت روڈ' حیدر آباد
☆جرمن ہومیو لجپت روڈ' حیدر آباد
☆عدنان میڈیکل سٹور گلشن مارکیٹ کورنگی' کراچی
☆طارق ہومیو' ڈہرکی
☆اسٹار شاپ' تھلہ
☆عاشی ہومیو ایم اے جناح روڈ' ٹنڈو آدم
☆کڑول پنسار سٹور شاہی بازار لاڑکانہ
☆خالد برادر مدنی سٹریٹ' سکھر
☆مدینہ میڈیکل ورکشاپ' ٹنڈو آدم
☆پاپولر میڈیکل سٹور شاہی بازار' جیکب آباد
☆ضیاء ہومیو سکندر پورہ' پشاور
☆عارف میڈیکل سندھی ہوٹل نیو کراچی' کراچی
☆شانی دواخانہ' شہزاد دواخانہ شاہی بازار' بہاولپور
☆علی ہومیو سٹور گھنٹہ گھر' ملتان
☆ابن سینا دواخانہ بلاک سی گھنٹہ گھر' ڈی جی خان
☆ارشد برادرز گھاس منڈی' ملتان
☆حافظ دواخانہ کلاں بازار' ڈی آئی خان
☆مشہود دواخانہ مسلم بازار' پشاور
☆الصحت' عابد' شینڈر ز دواخانہ گھنٹہ گھر' پشاور
☆رحمانیہ' ملت دواخانہ گھنٹہ گھر' پشاور
☆نوید صحت' ناصر دواخانہ' پشاور صدر
☆حافظ دواخانہ' شکر درہ کوہاٹ
☆حکیم جمیل مینا بازار' مینگورہ
☆مدینہ پنسار گجو خان روڈ' مردان
☆سعید میڈیکل' نوشہرہ
☆المدد پنسار' ایبٹ آباد
☆البحت پنسار' ایبٹ آباد
☆مشتاق پنساری' غازی گھاٹ
☆بادشاہ دہی ہٹی بوہڑ بازار' راولپنڈی
☆حکیم صوفی نور محمد اہلحدیث چوک' جہلم
☆زمان دواخانہ روہتاس روڈ' جہلم
☆ہمدرد دواخانہ' جہلم
☆ہمدرد دواخانہ' دینہ
☆ہمدرد دواخانہ' لالہ موسیٰ
☆ہمدرد دواخانہ' میر پور
☆ہمدرد دواخانہ' مظفر آباد
☆ہمدرد دواخانہ' گلگت
☆ہمدرد دواخانہ' چلاس
☆الحسن پنسار سٹور' لکی مروت
☆امجد برادرز لکی گیٹ' بنوں

☆☆

قلمی دوستی

انچارج۔ادارہ

ماہنامہ سچی کہانی' لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں' خواتین اپنا تعارف شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی کے ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔اگر آپ تعارف تصویر کے ساتھ شائع کروانا چاہتے ہوں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔

لکھئے انچارج قلمی دوستی۔ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا' سکوائش کھیلنا' مخلص دوستوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasooelzia@yahoo.com



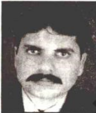
نام: اے رشید

عمر: 33 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا' قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن





نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل ایل بی

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا' مطالعہ کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ' پوسٹ بکس نمبر 217 جی پی او صدر' راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@786yahoo.com



نام: عبدالغفور
عمر: 44 سال
تعلیم: ایف اے (فاضل عربی)
مشغلہ: مذہبی' تاریخی' روحانی اور ہر قسم کی کتب کا مطالعہ کرنا' سیر و سیاحت کرنا' خط و کتابت کرنا' ٹیلی فونک دوستی کرنا' اچھے اور وفادار لوگوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: عبدالغفور موبائل نمبر 0312-7218443
0343-1624326 حافظ آباد

❁ ❁ ❁

نام: انجینئر ھمایوں چودھری
عمر: 32 سال
مشغلہ: روشن خیال اور زندہ دل خواتین و حضرات سے قلمی دوستی کرنا' پرفیومز خریدنا۔
پتہ: انجینئر ھمایوں چودھری' کوٹھی نمبر 1 آفیسرز کالونی' TV بوسٹر کھیوڑہ ضلع جہلم
موبائل نمبر 0300-4926451
0345-0505482

❁ ❁ ❁

نام: عاصم بشیر
عمر: 31 سال
مشغلہ: لڑکے' لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا' چیٹ کرنا' تحفہ و تحائف کا تبادلہ کرنا۔
پتہ: موبائل نمبر 0308-4747401 لاہور

❁ ❁ ❁

نام: ڈاکٹر حافظ محمد یونس
عمر: 37 سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا' روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج کرنا' دکھی انسانیت کی خدمت کرنا۔
پتہ: ڈاکٹر محمد یونس معرفت اویس ہومیو پیتھک کلینک ضلع خوشاب
موبائل نمبر 0300-4032658
www.dr younas 15@yahoo.com

❁ ❁ ❁

نام: اکرم سہیل
عمر: 25 سال
تعلیم: ایف۔ اے
مشغلہ: لڑکے' لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا' غریبوں کی مدد کرنا اور فلاحی کاموں میں حصہ لینا۔
پتہ: موبائل نمبر 0302-4050946

❁ ❁ ❁

نام: مقصود احمد قادری
عمر: 26 سال
مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا' دعائیں لکھنا اور پڑھنا' لکڑی کا فینسی کام کرنا اور وفادار لوگوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: مقصود احمد قادری معرفت البغد اوڈ ورکس باجوہ روڈ نزد اعوان چوک بائی پاس روڈ' گوجرانوالہ
موبائل نمبر 0300-4775506

❁ ❁ ❁

نام: خورشید علی خان
عمر: 23 سال

تعلیم: بی اے
مشغلہ: صرف قلمی دوستی۔
پتہ: معرفت احمد شاہ جنرل سٹور سمنگی روڈ کلی خیزی کوملکر خورشید علی خان کو ملے۔

★★★

نام: احمد مغل
عمر: 20 سال
تعلیم: بی کام
مشغلہ: لڑکے، لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، فلاحی کاموں میں حصہ لینا اور غریبوں کی مدد کرنا۔
پتہ: موبائل نمبر 0312-4241300

۞۞۞

نام: M-I-S
عمر: 17 سال
تعلیم: میٹرک جاری
مشغلہ: میں B.T.F سے پیار کرتا ہوں۔ لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: محمد اقبال شہزاد، مکان نمبر 8 نارتھ مین روڈ 6103-اسلام آباد

★★★

نام: اے حمید
عمر: 25 سال
تعلیم: بی اے
مشغلہ: دنیا بھر سے ملکی وغیر ملکی پاکستانی 16 سے 40 سالہ خوبصورت بدصورت پرخلوص قلمی دوستی۔
پتہ: اے حمید، پی او بکس نمبر 17789- گلشن اقبال
Orenco@cyber.net.pk

★★★

نام: حبیب اللہ خان نیازی
عمر: 28 سال
تعلیم: انڈر میٹرک
مشغلہ: کرکٹ کو دیکھنا جنون کی حد تک، دکھی انسان ہوں اور اچھا دوست جو بھی بنانا پسند کرے۔۔ بے وفا ہم نہیں ہیں، وفا آپ کردیں جفا ہم کر دکھائیں۔
پتہ: تحصیل پپلاں ضلع میانوالی ڈاک خانہ بالا شریف بمقام خاص بالا شریف پاس عبدالخالق ٹیلر ماسٹر کومل کر حبیب اللہ خان نیازی کو ملے۔

★★★

نام: کامران علی
عمر: 18 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: دوستی کرنا، ہر چیز کی تہہ تک پہنچنا، فوٹو گرافی کرنا، برائیوں کو ختم کرنا۔
پتہ: کامران علی، پوسٹ آفس گلیانہ محلہ حیال، تحصیل گوجر خان

★★★

نام: نور محمد فراق بلوچ
عمر: 32 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: شاعری کرنا، عبدالستار زخمی اور منصور علی ملنگی کو سننا۔
پتہ: نور محمد فراق بلوچ، سمندوالہ معرفت ریاض الیکٹرک ورکس کچہری روڈ، میانوالی

★★★

نام: عبدالعزیز خان
عمر: 27 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: قلمی دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 1319، راولپنڈی

★★★

نام: سلطان محمد
عمر: 45 سال
تعلیم: اردو، انگریزی
مشغلہ: قلمی دوستی، سیروسیاحت، فوٹو گرافی، تقریبات، کھیل اور کھلاڑی، سینما، فنکار، فلم، سائنس، آپ کو کلینڈر، تاریخ اور میگزین تحفہ بالکل مفت ہے۔
پتہ: خط و کتابت کا پتہ پوسٹ او بکس نمبر 7823 صدر کراچی نمبر 74400

***

نام: ڈاکٹر وسیم احمد قریشی
عمر: 22 سال
تعلیم: D.H.M.S.R.H.M.P
مشغلہ: مخلص قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: ڈاکٹر وسیم احمد قریشی C/O شکیل پرنٹنگ پریس 228- سرور روڈ لاہور کینٹ

***

نام: عبدالرحمٰن جامڑو
عمر: 24 سال
تعلیم: M.A- ڈپلومہ انجینئر
مشغلہ: پر خلوص اور سچے دوستوں کے ساتھ دوستی، قلمی دوستی اخلاق کے دائرے میں کرنا، ہر خط کا جواب دینا۔
پتہ: عبدالرحمٰن جامڑو C/O محمد خاں بروہی نزد نشاط سینما اسٹیشن روڈ رانی پور ضلع خیرپور میرس پوسٹ کوڈ 66100

***

نام: تنویر احمد خان
عمر: 18 سال
تعلیم: بی اے (جاری)
مشغلہ: رسائل پڑھنا،
پتہ: 53-ای بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور

***

نام: محمد ساجد
عمر: 23 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا ملکی اور غیر ملکی لڑکے اور لڑکیوں سے دوستی کرنا، ہر خط کا جواب دینا۔
پتہ: گلی نمبر 1 مکان E100 گلستان کالونی قینچی امرسدھو لاہور

***

نام: فرخ نذیر
عمر: 30 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: لڑکیوں اور لڑکوں سے دوستی کرنا،
پتہ: فرخ نذیر، معرفت سلطانی جنرل سٹور نزد سلطانی مسجد سلطان پورہ لاہور، گلی نمبر 28

***

نام: شکیل احمد
عمر: 23 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: قلمی دوستی کے ذریعے پر خلوص دوستوں کی تلاش، کرکٹ دیکھنا، بلیرڈ کھیلنا، مختلف کتب کا مطالعہ کرنا۔
پتہ: شکیل احمد، نوید ویڈیو سینٹر اینڈ مووی میکر نزد نواب دین ٹیلرز آفتاب چوک امین پارک لاہور

***

نام: احمد بلال
عمر: 17 سال
تعلیم: پری میڈیکل (جاری)
مشغلہ: قلمی دوستی، میوزک، تبادلہ خیالات۔

پتہ: احمد بلال، C/O پوما سپورٹس سادات کالونی بوسن روڈ ملتان 60700

***

نام: محمد خالد

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، دکھی والدین کی تلاش ہے جن کا کوئی بیٹا نہ ہو۔

پتہ: محمد خالد خالد مکتب البرید الشعو اوة الرس القیعسم سعودی عرب

موبائل نمبر 00966568338366

❁❁❁

نام: فائق

عمر: 18 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، سیر و سیاحت کرنا، شعر و شاعری کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0313-7770046 لاہور

❁❁❁

نام: جاوید احمد

عمر: 22 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: لڑکے اور لڑکیوں سے دوستی کرنا،

پتہ: معرفت اعظم بکڈپو اینڈ لائبریری نزد لوہے والی پلی الجویری روڈ حسین پارک لاہور۔

***

نام: محمد متین احقر

عمر: 20 سال

تعلیم: بی۔ ایس۔ سی (فائنل ایئر)

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: روم نمبر 8 اقبال ہال گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان۔

***

نام: ڈاکٹر عبدالستار جتوئی

عمر: 25 سال

تعلیم: D.H.M.S

مشغلہ: قلمی دوستی، لڑکے، لڑکیاں بن کر خط نہ لکھیں۔

پتہ: ہومیو ڈاکٹر عبدالستار جتوئی، نزد نیو سبزی منڈی جام پور ضلع راجن پور۔

***

نام: بلال احمد

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، ڈش دیکھنا، لڑکے اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا

پتہ: بلال 29/10 سیکٹر II-F N.K کراچی

***

نام: برکت علی چنا

عمر: 18 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: C/O سائکل نوید سحر چنا، ڈاکخانہ و بمقام سھکلجی دلیہ لکی غلام شاہ ضلع شکار پور۔

***

نام: ملک خادم حسین

عمر: 25 سال

تعلیم: بی۔ اے

مشغلہ: مصوری کرنا، اچھے اور مخلص لوگوں سے

دوستی کرنا۔
پتہ: ملک خادم حسین، معرفت فائیو سٹار ہیڈ ڈریسرز منڈی مویشیاں روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ۔

★★★

نام: غضنفر عباس گھائل
عمر: 18 سال
تعلیم: D.Com جاری
مشغلہ: کمار سانو کے غمگین گیت سننا، دکھی لوگوں سے ہمدردی کرنا، شاعری کرنا۔
پتہ: غضنفر عباس گھائل ڈاک خانہ پکا شاہنواز ڈیرہ غازی خان۔

○ ☆ ○

نام: سید مقصود حسین گیلانی
عمر: 35 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: T.V اور ویڈیو پر فری سٹائل ریسلنگ دیکھنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: سید مقصود حسین گیلانی ائیر پورٹ سیکورٹی فورس گلگت، ائیر پورٹ گلگت۔

○ ☆ ○

نام: وقار احمد
عمر: 18 سال
تعلیم: (انٹر جاری)
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا،
پتہ: گلی نمبر 7 مکان نمبر 33(A) حنیف پارک بادامی باغ لاہور۔ اشفاق پرچون والے کو ملکر وقار احمد ملے۔

○ ☆ ○

نام: ڈاکٹر محمد طیب قریشی
عمر: 36 سال
مشغلہ: تمام نادار اور غریب مریضوں کو مفت مشورہ دینا، صرف نیک، پاکباز، حیادار دوستوں سے قلمی دوستی، مذہبی کتب جمع کرنا اور پڑھنا۔
پتہ: دلہ ذاک روڈ یوسف آباد پشاور

○ ☆ ○

نام: وجاہت یسین
عمر: 19 سال
تعلیم: D.Com
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: محمد یوسف کلاتھ ہاؤس، 23 صدر بازار نوشہرہ کینٹ (نامدار کو ملے)

○ ☆ ○

نام: خالد خاکا
عمر: 18 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: حسینی خانفان جنرل اسٹور گوادر۔

○ ☆ ○

نام: محمد مرتضیٰ
عمر: 20 سال
تعلیم: F.Sc
مشغلہ: گانے اور غزلیں سننا دوستی ایک حد تک۔
پتہ: 944-1 اے سرور روڈ ملتان۔

★★★

نام: وحید گل تاوانی
عمر: 25 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: قلمی دوستی۔
پتہ: ضلع ملاکنڈ تحصیل درگئی گاؤں وڈاک خانہ گھڑی عثمانی

★★★

ناقابل فراموش واقعات

انچارج۔ادارہ

اس کالم میں آپ سبق آموز' معلوماتی' حیرت انگیز' ناقابل فراموش' خوفناک' دہشت ناک واقعات ارسال کرسکتے ہیں۔ جو 3 صفحات سے زیادہ نہ ہو۔ جس کے ہمراہ آپ کو 50 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کرنے ہوں گے۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 100 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

انچارج ناقابل فراموش واقعات۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

گلاب جل

صنوبر ایک چھوٹے سے قصبے میں پیدا ہوئی جہاں پٹھانوں کی بنائی ہوئی بہت بڑی عمارت تھی جو پٹھانوں کی گڑھی کے نام سے مشہور تھی اس کی تعمیر چھوٹی اینٹوں سے ہوئی تھی۔ اس کا کوئی مالک باقی نہیں رہا تھا لاوارث اور ٹوٹی پھوٹی گڑھی کی اب دو تین اونچی اونچی دیواریں کھڑی رہ گئی تھیں، جن سے بارش اور آندھی میں یا بندروں کے چلنے سے اینٹیں گرتی رہا کرتی تھی۔ راہ گیر احتیاط سے بچ کر ان کے نیچے سے گزرا کرتے تھے انہیں اندیشہ رہتا تھا کہ کوئی اینٹ سر پر نہ گرے اس کے اندر جانے سے بھی لوگ گھبرایا کرتے تھے تو ہم پرستوں نے عجیب عجیب قسم کی باتیں مشہور کر رکھی تھیں عام طور پر اسے بھوتوں کی گڑھی کہا جاتا تھا صنوبر کا اصل نام خدیجہ تھا اس کی ماں کو صنوبر بہت پسند تھا پٹھانوں کے یہاں کسی زمانے میں صنوبر ایک حسین و جمیل کنیز تھی۔ اس کی خوبصورتی اور نزاکت کی کہانیاں بوڑھی عورتیں سنایا کرتی تھیں خدیجہ کی اماں نے اسے صنوبر ہی کہنا شروع کر دیا اس کے خیال میں وہ صنوبر کہلائے جانے کی مستحق تھی اس کی گوری چٹی رنگت، ستواں ناک، خمدار بھوئیں، ایسے ہی ہلکے پھلکے اور پیارے نام کی طالب تھیں ان سب چیزوں نے اس کو ان کہانیوں کا جیتا جاگتا کردار بنا دیا تھا جو عورتوں کے منہ سے سنی جا رہی تھیں آہستہ آہستہ وہ صنوبر ہی کہلائی جانے لگی سب بھول گئے کہ اس کا پیدائشی نام خدیجہ ہے وہ صنوبر بن کر ہر طرف نظر آنے لگی اس کے چتونوں میں تیکھا پن آگیا۔ منور اس کے ساتھ کھیلا ہوا تھا اس سے چار سال بڑا تھا اور اسی گڑھی میں پیدا ہوا تھا بچپن میں دونوں ساتھ کھیلتے تھے منور کا باپ قادر جوانی میں گڑھی کا چوکیدار تھا اس کے اجڑ جانے پر تنخواہ دینے والا کوئی نہ رہا تو وہ پتنگ بنا کر بیچنے لگا اس کے تیار کئے ہوئے پتنگ بہت مشہور تھے لڑکے اس کی بنائی ہوئی تکل کو عمدہ قسم کے مانجھے میں

باندھ کر پیچ لڑایا کرتے تھے فریق ثانی پٹی دار پتنگ اڑاتا تھا وہ کٹ جاتی تو خوب تالیاں بجائی جاتیں پتنگ سازی کی تجارت ہی ایسی تھی جو کم پیسوں میں کی جاسکتی تھی قادر ہرا پیلا لال اور نیلا سفید باریک کاغذ خرید لاتا اس کی خریداری کے لئے نقد پیسوں کی بھی ضرورت نہ تھی ادھار بھی مل جاتا تھا بانس کی کھپچیاں چھیل کر ٹھڈا اور کمائی بناتا اور ڈسیں ڈال کر دوکان میں گڑی ہوئی کھونٹیوں میں ٹانگ دیتا محلے کے آوارہ اور کھلنڈرے لونڈے بھاگتے ہوئے آتے اور اپنی پسند کے پتنگ لے جاتے تھے اس کی بنائی ہوئی چاند تارا مشہور تھی اڑتے وقت خوب کنی کاٹتی ویسے دو مانگا اور منڈے دار بھی خوب بکا کرتی تھیں۔ قادر کی گزر بسر بہت اچھی طرح ہونے لگی شروع میں منور کٹے ہوئے پتنگوں کی ڈور اور مانجھا ہی لوٹا کرتا تھا مانجھا اپنے پاس رکھ لیتا اور ڈور صنوبر کو دے آتا اسکو سینے پرونے کے کام میں لاتی اور جب اپنی چھت پر سے کٹی ہوئی پتنگیں لوٹتی تو منور کو دے دیا کرتی تھی یہیں سے ان کے درمیان ایک معصوم قسم کی محبت کا آغاز ہوا جو دھیمی رفتار سے ہوتا رہا منور سکول میں داخل ہو گیا۔ کھیل کود میں کمی ہو گئی لیکن اس کی اور صنوبر کی محبت عشق پیچاں کی بیل کی مانند بڑھتی، پنپتی اور پھولتی رہی۔ مشہور ہے کہ آسمان عاشق و معشوق کا مل بیٹھنا گوارا نہیں کرتا جلد ہی جدائی کی دیوار کھڑی کر دیتا ہے چنانچہ منور اٹھارہ سال کی عمر میں سعودی عرب چلا گیا تھا جاتے وقت اس نے لرزتے ہوئے ہونٹوں اور بھیگی ہوئی آنکھوں سے صنوبر سے کہا تھا وہاں سے بہت سارے روپے لاؤں گا اور تجھ سے شادی رچاؤں گا انتظار کرنا کسی ایسے ویسے کا ہاتھ مت تھامنا صنوبر کے گلابی ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ”جس کا ہاتھ تھامنا تھا تھام چکی اب کوئی یوسف بھی ہو تو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں“ یہ کہہ کر اس نے منور کو اشتیاق کی نگاہوں سے دیکھ کر دو چار آنسو بہا دیئے جو اس کے کومل سے گالوں پر بہتے بہت اچھے معلوم ہوتے۔ منور نے شبنمی رخساروں پر آنسوؤں کی دھار کو دیکھ کر اپنے دل کو پگھلا ہوا محسوس کیا قصبے کی پرانی ریت کے مطابق صنوبر کو پردے کا پابند کر دیا گیا تھا جو اتنا سخت تھا کہ اس کا ٹوٹ جانا لال قلعہ کی دیوار کی گر جانے سے کم نہ تھا۔ وہ کواڑوں کی دراڑ سے جھانک کر آنے جانے والوں کو ایک نظر دیکھ لیا کرتی تھی جن لڑکوں کو چھوٹی عمر میں دیکھا تھا وہ اس کے چاند سے چہرے کی چمک اور اس کی روشن کرنوں کو بھولے نہ تھے اسے دیکھنے کی غرض ہی سے اس کے باپ کی دوکان سے تکل اور پٹی دار خریدنے دن میں کئی بار جایا کرتے تھے اکثر اس کے شربت دیدار سے محروم ہی رہتے اور پیاسے لوٹ آتے۔ صنوبر منور کی میٹھی یادوں میں دن گزار رہی تھی بڑی ہو چکی تھی نسوں میں جوانی کی امنگیں دھیرے دھیرے بیدار ہو چکی تھیں منور کی بچپن والی معصوم محبت میں حسن کا رنگ بھرتا جا رہا تھا ایک ایک کر کے دن گزرتے رہے اور ایک وقت ایسا آیا جب منور کے آنے کی خبریں پھیلنے لگیں معلوم ہوا کہ وہ جلد ہی لوٹ کر آ رہا ہے۔ صنوبر نہایت بے چینی اور شوق سے اس کے آنے کی منتظر تھی اس کی آنکھوں میں چمک اور لبوں پر سرخی بڑھتی جا رہی تھی گلی میں کسی کے آنے کی چاپ سنائی دیتی تو دل ہاتھوں اچھلنے لگتا اور گلاب کی مہک پھیل جاتی سوچتی منور آ رہا ہے پیروں کی آہٹ سے چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی اور ایک دن سچ مچ وہ آ ہی گیا اور ڈیوڑھی میں داخل ہونے سے قبل ہی کسی نے کہہ دیا ”بہت خوش خوش آ رہے ہو اور وہ چلی گئی“ ”کہاں؟“ اس نے

اوپر کو انگلی اٹھادی وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایک دم بے ہوش ہو کر گر پڑا سمجھا صنوبر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ کسی نے اندر جا کر زور سے کہہ دیا کہ منور مر کر گر پڑا۔ صنوبر اندھی باؤلی ہو کر بھاگی اس کی ایک ہی عاشقانہ ٹھوکر سے پردے کی دیوار ٹوٹ کر گر پڑی اس نے منور کو ایک نگاہ دیکھا اور اس کا سر زانو پر رکھ کر دوپٹے کے پلو سے ہوا کرنے لگی۔ منور کی چھاتی زیر زبر ہو رہی تھی صنوبر چیخی۔ "اللہ رکھے مرے نہیں زندہ ہیں۔ اس کی آواز سن کر منور نے آنکھیں کھول دیں اس وقت عورتیں زور زور سے چیخ رہی تھیں۔ "گلاب جل لاؤ!" "جلدی"۔ "بوتل طاق میں رکھی ہے"۔ یہ بول منور کے کان میں پڑے وہ بولا۔ "ضرورت نہیں گلاب جل کی بوتل تو میرے پاس رکھی مہک رہی ہے میں جی اٹھا۔

☆ فدا شاہین بھٹی۔ احمد پور لمہ ضلع رحیم یار خان

☆☆☆

انا

ایمسٹرڈیم کی ٹریفک بھی عجیب ہے اس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ملتی یہاں گاڑیاں ٹریفک کے ریلے میں چلتی کم ہیں دھکیلی زیادہ جاتی ہیں آج صبح بھی ایسا ہی ہوا جب میری ٹیکسی ایمسٹرڈیم کے مرکزی بازار سے گزر رہی تھی تو ٹریفک کے ریلے میں دائیں جانب دھکیل دی گئی۔ کچھ ہی دور جا کر ٹریفک جام ہو گئی اور میری ٹیکسی پھلوں کی ایک دکان کے سامنے رک گئی میں نے ٹریفک کے بے ہنگم بہاؤ اور شور سے بے نیاز ہو کر دکانوں اور شور و حز کی جانب توجہ مبذول کر دی۔ پھلوں کی دکان بڑی صاف ستھری تھی اور اس کے پہلو میں لکڑی کی خالی پیٹیاں بڑے سلیقے کے ساتھ اوپر نیچے رکھی ہوئی تھیں یکایک ساتھ والی گلی سے دو لڑکے شرارتیں کرتے ہوئے برآمد ہوئے اور ان میں سے ایک لڑکے نے شرارت کے طور پر دوسرے کو خالی پیٹیوں کی جانب دھکا دیا نتیجے میں تمام پیٹیاں ڈھیر ہو گئیں دکان دار ہاتھ میں ہتھوڑا لے کر لڑکوں کی طرف لپکا اور بولا۔ "حرام خورو! ادھر آؤ ہتھوڑا مار کر تمہارا بھیجا پچکا دوں گا"۔ "پاگل کباڑیئے! کیا میرا دماغ پچکائے گا" سامنے سے آتی ہوئی خاتون غصے میں جھلا کر بولی خاتون کم و بیش دو سو پاؤنڈ وزنی ہو گی اور صرف چار فٹ لمبی فٹ بال معلوم ہوتی تھی چند لمحے پہلے ہی برابر والے بیوٹی پارلر سے بال بنوا کر برآمد ہوئی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے دکاندر سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ "نا نا نا! بھلا یہ میری جرأت کہاں سرکار! آپ کے تو بال ہی کس قدر خوبصورت اور چمکیلے ہیں" دکاندار بوکھلاہٹ میں اور جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور ہنسی سے دوہرا ہو رہا تھا کہ سامنے کی ٹریفک نے راستہ دیا اور ہم آگے نکل گئے تھوڑی دور جا کر ہم ایک نہر کے کنارے پر مڑ گئے۔ لیکن زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ٹریفک پھر جام ہو گئی۔ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اگر جگہ ہو تو واپس لے چلے مگر ہمارے پیچھے بھی ٹریفک کی قطار لگی تھی۔ "اس کم بخت لوڈر نے تمام ٹریفک خراب کی ہوئی ہے" ڈرائیور نے کچھ ہی فاصلے پر ایک لوڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "آپ کو جلدی تو نہیں ہے؟" ڈرائیور نے کندھے اچکاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ "نہیں! اتنی بھی جلدی نہیں" اس نے ایک سگریٹ میری جانب بڑھائی ایک اپنے لئے لگائی اور اپنی سیٹ میں یوں دھنس گیا جیسے ٹیلی وژن دیکھ رہا ہو پیچھے والی گاڑیوں نے کئی مرتبہ

ہارن بجائے۔"یہ ایمسٹرڈیم کے نہیں ہیں"ڈرائیور نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا ؟میں نے پوچھا ایمسٹرڈیم کا ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ لا علاج ہے ہارن بے فائدہ ہے تاہم اگر پھر بھی کوئی ہارن بجائے تو لوڈر مزید آہستہ ہو جاتا ہے یعنی ادلے کا بدلہ۔ میں نے بڑبڑاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا واقعی بلدیہ نے جگہ جگہ ٹراموں کے بے ہنگم جال بچھا کر ایمسٹرڈیم کے باسیوں کی روحوں کو عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے اس پر مستزاد یہ کہ تمام بس سٹاپوں پر یہ الفاظ لکھے ہیں۔"خدا تمہاری سنتا ہے بدعامت دو شخص سے زیادہ مناسب تنبیہ اور کیا ہو سکتی ہے۔"یہ تو انا کا سوال ہے سراسر!"ڈرائیور نے کہا"خاص طور پر ایمسٹرڈیم کے بے فکرے نوجوانوں کے لئے ہر نوجوان اپنے متعلق بہتر طور پر جانتا ہے جیسا کہ میں اپنے لئے بہتر سوچ سمجھ سکتا ہوں"میں آئینے میں اس کی کھسیانی ہنسی بخوبی دیکھ رہا تھا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے ماضی کے کسی واقعہ پر شرمندہ بالکل نہیں "جب میں نوجوان تھا"میرے پاس ٹیکسی نہیں تھی بلکہ میں ایک بڑے ٹرک پر ڈرائیور کے طور پر ملازم تھا۔ وہ ٹرک سامنے والے لوڈر سے بھی بڑا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب نہ سڑکیں اس قدر کشادہ تھیں کہ بڑے بڑے ٹرک آسانی کے ساتھ گزر سکیں نہ یک طرفہ ٹریفک کی پابندی تھی"ٹیکسی ڈرائیور پرانے وقت کو یاد کرتے ہوئے اپنی ہی فلک میں بولے جا رہا تھا"مجھے اب بھی یاد ہے کہ ایک سہ پہر میں اپنے ٹرک پر سوار شہر کے درمیانی بازار سے گزر کر ایک تنگ بازار میں مڑ گیا سامنے سے ایک اور بڑا ٹرک آ رہا تھا میرے ٹرک جیسا لمبا چوڑا بازار اتنا تنگ تھا کہ ایک ٹرک بمشکل گزر سکتا تھا لہٰذا دونوں ٹرک آمنے سامنے آکر رک گئے ہم دونوں ایک دوسرے کو واپس جانے کے لئے اشارہ دے رہے تھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی واپس جانے کو تیار نہ تھا آخر کار ہم دونوں اپنی اپنی سیٹ پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے میں نے سگریٹ سلگالیا اور اس بے فکرے ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا وہ بھی مجھے گھورتا رہا آخر جب میں نے سگریٹ ختم کی تو اس نے سینڈوچ کھانا شروع کر دیا نہایت آہستہ آہستہ ہر لقمے پر میری طرف دیکھتا کہ شاید میں اس طرح گلی چھوڑ کر دوڑ جاؤں گا۔"ٹیکسی ڈرائیور نے میری جانب بڑے فخریہ انداز میں دیکھا مجھ سے تعریف چاہی اور میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی پھر بیان جاری رکھا۔"قبل اس کے کہ وہ اپنا سینڈوچ ختم کر دے، میں نے اخبار اٹھایا اور اپنی سیٹ میں دھنس کر پڑھنا شروع کر دیا کافی دیر بعد کھڑکی کے شیشے پر دستک ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ میری کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا مجھے خیال گزرا کہ وہ اب یہ کہنے آیا ہے کہ بس کرو! اب چلیں"ٹیکسی ڈرائیور نے کندھے اچکاتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بات جاری رکھی۔"اس زمانے میں آج کل جیسی غنڈہ گردی اور چاقو زنی نہ تھی۔ وہ دوسرا ڈرائیور بے فکر اور بظاہر چوڑا چکلا قسم کا نوجوان تھا لیکن اس کے باوجود میں اس کے بیباکانہ انداز سے بالکل مرعوب نہیں ہوا۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔"کیا بات ہے"میں نے دریافت کیا۔"جب اخبار ختم کر لو تو مجھے بھی دے دینا"اس نے درخواست کی۔"یہ بات سنتے ہی مجھے ہنسی آگئی اور میں نے اپنا ٹرک واپس موڑ لیا"۔

☆اصغر مہدی۔ کراچی

☆☆☆

نیپال کا سفر

میں امروہہ مسلم کالج میں پڑھ رہا تھا۔ میرے ساتھ میرے اور تین دوست تھے۔ ہم تینوں امروہہ سے گھر کو روانہ ہو گئے۔ سفر کافی مزے سے کٹا اور ہم تینوں الگ ہو گئے اور اپنے اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔

میرے دو دوست کا گھر اتر میں لوہاگارا سائیڈ میں تھا اور میں اکیلا تھانہ امور کے لئے روانہ ہو گیا جہاں میرا گھر ہے۔ گھر پہنچ کر سب سے ملاقات کی اور گھر والوں میں شامل ہو گیا۔

کچھ دن تو گھر آرام سے گزارے پھر وعدے کے مطابق اپنے دوست محمد الیاس صدیقی کے گھر کچھری بستی پہنچ گیا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر دونوں ایم ذکر حسین راہی کے ہاں جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور تقریباً" رات ساڑھے سات بجے ان کے یہاں پہنچے۔ گرمی کی وجہ سے ان کے بھائی اور ان کے دولہا بھائی اور کچھ لوگ کھلیان میں بیٹھے ریڈیو بجا رہے تھے اور ہلکے ہلکے ہواؤں کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ راہی صاحب گھر پر نہیں تھے شاید کہیں گئے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بھی آ گئے۔ سلام دعا ہوئی اور پھر ہنسی مذاق کا دور دورہ شروع ہوا۔ رات کا کھانا کھا کر سو گئے۔

دوسرے دن انکے اصرار پر اور رکنا پڑا اگلے دن صبح ناشتہ کر کے تینوں پروگرام کے مطابق نیپال گھومنے کے لئے روانہ ہو گئے اور نیپال کے بارڈر کو تقریباً" دن کے بارہ بجے پار کر چکے اور بس میں بیٹھ کر اپنے دوست زاہد الاسلام جو کہ نیپال کا باشندہ ہے انکے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ ہم تینوں میں سے کسی کو ان کے گھر کا صحیح راستہ معلوم نہ تھا۔ مشہور ہے کہ تلاش کرنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح بھٹکتے بھٹکتے ان کے گھر تک پہنچ گئے مگر اتفاق سے گھر پر کوئی نہ مل سکا پھر وہاں سے ہم ان کے بھائی کے سسرال پہنچے اور کافی پریشان ہونے کے بعد ان کے بھائی نے ہماری کافی آؤ بھگت کی اور پھر مارکیٹ گھومنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ کچھ ضروری سامان خرید کر ہم لوگ انڈیا کے لئے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے روکنے کی کافی کوشش کی مگر ہم نہ رکے اور چائے ناشتہ کے بعد بس پر سوار ہو گئے۔

ابھی کچھ دور چلے ہی تھے کہ سرد سرد ہوا چلنے لگی۔ بادل گڑگڑانے لگا۔ بجلی چمکنے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ موسلا دھار بارش بھی ہونے لگی۔ نیچے اونچے کھنڈر پانی سے فورا" بھر گئے اور سڑکوں پر پانی کافی اونچا آر سے پار گزرنے لگا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک نے لوگوں کو ہراساں کر دیا اور سب لوگ سہم گئے۔ جب بس پہاڑ کے اوپر سے گزرتی تھی تو دل دہل جاتا تھا۔ بارہا یہ سنا تھا کہ جب تیز ہوا چلتی ہے تو بس پہاڑ سے نیچے گر جاتی ہے اور چکنا چور ہو جاتی ہے۔ قسمت نے ایسا کھیل کھیلا تھا کہ ایسے موقع پر آج ہم بس پر سوار تھے۔ موت منہ پھاڑے کھڑی تھی زندگی جو ہر لمحہ آنکھیں چرا رہی تھی حیات اور موت کے درمیان گیند کی طرح ادھر سے ادھر لڑھک رہے تھے۔ موت کہہ رہی تھی۔

یہ سب ہمارا کھلونا ہے۔ حیات کہہ رہی تھی ہم سے چھپنا مشکل ہے۔ دونوں میں بحث و مباحثہ ہو رہا تھا۔ اس پر غضب کی اندھیری رات بجلی کی چمک سے بار بار سب لوگ آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ ہر شخص کے منہ سے اللہ اللہ نکل رہا تھا۔ کسی کو کسی کا خیال نہیں تھا۔ ہر شخص زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں نہ جانے خدائے تعالیٰ نے کس نیک بخت کی دعا قبول کی؟ ویسے تو میں اور میرے ایک دوست حافظ قرآن تھے لیکن ہم نے کوئی ایسی دعا نہیں کی تھی

مارے ڈر کے سانس پھول گیا تھا۔ صرف زبان سے اللہ ضرور نکل جاتا تھا۔ ہو سکتا ہو میرے دوست نے کی ہو اور اللہ نے قبول کر لیا ہو۔

اب بس بھدرپور اسٹاپ پہنچ چکی تھی جہاں ہمیں اترنا تھا خدا خدا کر کے بس سے اترے جلدی سے بارڈر پر پہنچے راستہ بند ہو چکا تھا۔ اب رکنے کی فکر سوار ہوئی ہم ادھر سے ادھر بھٹکنے لگے۔ اکا دکا دوکان کھلی تھی۔ معلوم کرنے پر ایک نے کہا۔

دھرم شالا میں رک جاؤ۔ تو کسی نے کہا ہوٹل میں چلے جاؤ۔

ہم نے ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب سمجھا اور ایک لڑکی کے دو منزلہ ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ نیچے کی بجائے اوپر کی منزل میں ایک کمرہ مل گیا۔ ہوا اب بھی سائیں سائیں چل رہی تھی۔ ہم نے کھڑکی اور دروازہ بند کر لیا اور بمشکل کھانا کھا کر اپنے بستر پر پڑ گئے۔ میرے دونوں ساتھی کچھ زیادہ ہی فراق پسند ہیں دونوں ہنسی مذاق میں مشغول ہو گئے اور دن کے واقعات کو دھرا کر مزا لینے لگے اور اپنے اپنے بستر میں لیٹ گئے۔

میں رات بھر کروٹیں بدلتا رہا کسی کروٹ سکون نہیں مل پا رہا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ تاریکی نے ہر چیز پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک سے دور و نزدیک کے پہاڑ اور پیڑ پودے مست شراب کی طرح جھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور اپنے اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔

جب بھی اس سفر کا خیال آتا ہے تو موت کا منظر آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے اور دل دہل جاتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے نہ جانے کس کی دعا کی برکت سے ہم سب بچ گئے۔

☆ شانتی۔ انڈیا

☆☆☆

موت کا انتظار ہے اسے

جی ہاں! جھانسی کی جیل میں قید 65 برس کی عمر کا وہ بوڑھا موت و زیست کی کشمکش کا شکار ہے۔ اس کا نام گیاسی ہے۔ ایک قتل کا ملزم ہے وہ جسے عدالت نے مجرم قرار دیتے ہوئے پھانسی کی سزا دی تھی اور یہ سزا 97ء میں اسے سنائی گئی تھی۔ تب سے اب تک وہ پھانسی کی کوٹھری میں قید اپنی موت کے پروانے کا منتظر ہے۔

گیاسی نے 96ء میں ساڑھے بارہ سو روپے قرض لیا تھا جس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے اس کے کھیت فروری 97ء میں نیلام کر دیئے۔ 26 ستمبر کو جس نے اس کے اور اس کے پڑوسی کے کھیت نیلام کر دیئے تھے اس کی سر کٹی لاش گاؤں کے نالے میں پائی گئی۔ اس معاملے میں گیاسی اور اس کے پڑوسی مول چند اور مول چند کے بیٹے دیا رام کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

سیشن کورٹ سے پھانسی کی سزا کے بعد معاملہ ہائی کورٹ گیا جہاں سے مول چند اور دیا رام بری ہو گئے۔ لیکن گیاسی کی سزا برقرار رہی۔ سپریم کورٹ سے بھی اس کی سزا برقرار رہی تو نومبر 81ء میں اس نے رحم کی درخواست صدر مملکت کو روانہ کی تھی جس کا جواب تادم تحریر گیاسی کو نہیں ملا۔

جواب کے لئے حکام نے دو درجن تقاضے مرکزی وزارت داخلہ کو روانہ کئے لیکن جواب نہ آیا۔ کال کوٹھری میں گھٹ رہے گیاسی نے 7 مارچ کو ایک خط اور روانہ کیا جس میں اس نے لکھا ہے پھانسی لگانی ہے تو فوراً لگاؤ ورنہ اسے کال کوٹھری سے فوراً رہا کیا جائے۔

اس کی اس التجا پر صوبائی انتظامیہ نے ڈسٹرکٹ جج وی این جالسوال کو تحقیقات کے لئے مقرر کیا۔ جیل حکام

کو دی گئی رپورٹ میں جج صاحب نے کہا کہ رحم کی اپیل کا جواب اسے ابھی تک نہیں ملا ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر پریشان ہو گیا ہے کہ کوٹھڑی کی سلاخوں پر سر پٹخ پٹخ کر خودکشی کی بات کرتا ہے۔ انکی سفارش پر ایک افسر کو دہلی روانہ کیا گیا۔
معلوم ہوا کہ گیاسی کی فائل ہوم منسٹری میں ہے وہ متعلقہ حکام سے ملا تو افسر کو تسلی دی گئی کہ اس معاملے کو ایک ہفتے میں نمٹا کر جواب روانہ کر دیا جائے گا لیکن ابھی تک جواب نہیں مل سکا ہے۔ گیاسی بارہ برس سے اسی کشمکش کا شکار ہے کہ اسے سولی پر لٹکنا ہے یا نہیں؟

☆انو اگروال۔انڈیا

☆☆☆

شاہدہ کا دستر خوان

انچارج۔شاہدہ پروین

کھانے پکانے کی تراکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف صاف اور خوشخط لکھی ہوئے چاہیے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کر دیں گے۔

شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



چکن بالز

اجزاء۔

چکن	ڈیڑھ کلو
ڈبل روٹی	چورا (حسب ضرورت)
نمک	ایک چائے کا چمچ
گھی / آئل	حسب ضرورت
ادرک	آدھا چائے کا چمچ (پیسٹ)
انڈا	ملانے کے لیے
لہسن	آدھا چائے کا چمچ
انڈا	لگانے کے لیے
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچ
وارسٹر سوس	دو کھانے کے چمچ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب۔

مرغی میں تمام چیزیں اور حسب ضرورت پانی ڈال کر اُبال لیں۔ پھر ریشے کر کے چوپر میں پیس لیں۔ پھر انڈا ملالیں۔ پھر بالز بنا کر انڈا لگائیں۔ پھر ڈبل روٹی کے چورے میں رول کر کے آئل یا گھی میں ڈیپ فرائی کریں۔

☆ رضیہ اسلم۔ لاہور

Fruit and Jelly Wedges

اجزاء۔

ڈبہ میں بند مکس فروٹ	440 گرام
فوڈ کلر، موسمی	3 سے 4
جیلاٹن پاؤڈر	دو کھانے کے چمچ
گرم پانی	125 ملی لیٹر

ترکیب۔

جیلاٹن پاؤڈر کو گرم پانی میں گھول لیں۔ ڈبے میں بند فروٹ کو جوس سے نکال کر جیلاٹن کا مکسچر جوس میں ملالیں اور حسب ضرورت پانی ملا کر اندازاً دو کپ پانی تیار کر لیں اگر ضرورت ہو تو فوڈ کلر بھی ملالیں۔ اچھی طرح مکس کر کے فریج میں جمنے کے لیے رکھ دیں۔ خیال رہے کہ پوری طرح جم نہ جائے۔ اب موسمی کو دو حصوں میں کاٹ کر چمچے کی مدد سے اس کا گودا نکال دیں۔ اب فروٹ اور جیلی کو مکس کر کے موسمی کے سانچے میں فریج میں رکھ دیں۔ 2 سے 3 گھنٹے کے بعد یا پھر جب جیلی تیار ہو جائے سرو کرنے سے پہلے موسمی کو تین حصوں میں کاٹ لیں۔

☆ راحیلہ۔ اسلام آباد

سویاں سموسے

اجزاء۔

سویاں	ایک پاؤ
سموسے کی پٹیاں	16 عدد
گھی / آئل	دو کھانے کے چمچ
گھی / آئل	فرائی کے لیے
شکر	آدھا کپ
پانی	ایک کپ
الائچی	4 عدد
کیوڑہ	ایک چمچ
پستے	1/4 پیالی (کٹے ہوئے)
کھوپرا	1/4 پیالی (ٹکڑوں میں کٹا ہوا)
بادام	1/4 پیالی (کٹے ہوئے)

ترکیب۔

دو چمچ گھی یا آئل گرم کر کے اس میں الائچی

کڑکڑائیں اب اس میں سویاں بھون کر کیوڑہ' پانی اور شکر ڈال کر دم پر رکھیں۔10 منٹ کے بعد چولہے پر سے اُتار لیں کر پلیٹ میں نکال لیں۔ ٹھنڈی ہو جائیں تو اس میں پستہ' بادام اور کھوپرا ملائیں۔ اب سموسے کی پٹیوں میں بھر کر سموسے بنالیں۔ اب گھی یا آئل گرم کر کے اس کو گولڈن براؤن فرائی کر لیں اور مہمانوں کو گرم گرم سرو کریں۔

☆نوشین۔ سرگودھا

ثابت مچھلی ٹماٹر کے ساتھ

اجزاء۔

مچھلی کانٹے والی	ایک عدد (500 گرام)
پانی	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کارن فلاور	ایک چائے کا چمچ
آئل / گھی	چار کھانے کے چمچ
ہری پیاز	دو عدد
لہسن	کٹی ہوئی (ایک کلی)
شکر	ایک کھانے کا چمچ
ٹماٹر	ایک پاؤ (چھلیے ہوئے)
میدہ	حسب ضرورت

ترکیب۔

مچھلی کا پیٹ صاف کر لیں اور پھر اس کو اچھی طرح دھو کر اس پر کٹ لگالیں۔ پھر اس پر نمک اور خشک میدہ لگالیں۔ فرائی پین میں آئل یا گھی گرم کر کے مچھلی تل لیں۔ جب بادامی ہو جائے تو اُتار لیں۔ اسی آئل یا گھی میں ٹماٹر کے چار حصے کر کے ڈالیں۔ جب پکنے لگیں تو اس میں شکر اور کارن فلاور (پانی میں گھول کر) ملا دیں اور چمچہ ہلاتے جائیں۔ ہری پیاز کے لمبے لمبے ٹکڑے کر لیں۔ مچھلی پر یہ ٹماٹر والا Sauce ڈالیں اور اُوپر سبز پیاز سے سجالیں۔

☆شازیہ احمد۔ کراچی

STUFFED CHICKEN ROLL

اجزاء۔

مرغی	سینے (دو عدد)
Woester Sauce	آدھا چائے کا چمچ
نمک	1/4 چائے کا چمچ
کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچ

فیلنگ کے لیے اجزاء۔

چکن قیمہ	ایک کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
نمک	1/4 چائے کا چمچ
گاجر	ایک عدد
کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچ
ہری مرچ	4 عدد
مسٹرڈ پاؤڈر	1/4 چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ڈبل روٹی	ایک عدد (سلائس)
پیاز	ایک عدد (باریک کٹا ہوا)
لہسن	1/4 چائے کا چمچ (پیسٹ)
ادرک	1/4 چائے کا چمچ (پیسٹ)

ترکیب۔

مرغی کے سینے کو ہلکا ہلکا کوٹ کو پتلا کریں اور نمک' کالی مرچ' Woester Sauce لگا کر 15 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ قیمہ میں اُوپر دیے ہوئے

تمام اجزاء اچھی طرح ملا لیں۔ سینے کے اندر قیمے کا مکسچر ڈال کر رول کریں اور دھاگے سے باندھ لیں۔ ایک ڈش میں سینے رکھیں اور اوون پر 180 ڈگری سینٹی گریڈ پر 15 منٹ کے لیے بیک کر لیں۔ باہر نکال کر دھاگہ اُتار دیں اور سلائس میں کاٹ لیں۔ اُبلی ہوئی سبزیوں اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

☆ سعدیہ نور۔ حیدر آباد

قیمہ بھرے کریلے

اجزاء۔

کریلے	آدھا کلو
نمک	ایک چائے کا چمچ
قیمہ	آدھا پاؤ (مشین سے دوبار نکلا ہوا)
سرخ مرچ	دو چائے کے چمچ (پاؤڈر)
گھی / آئل	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد (سلائس میں کاٹ لیں)

ترکیب۔

ایک پتیلی لیں اور اس میں تمام اشیاء اور گھی یا آئل، قیمہ، پیاز، نمک، چلی پاؤڈر ڈال دیں۔ اس وقت تک پکائیں کہ پانی خشک ہو جائے۔ پھر پکے ہوئے قیمے میں کٹا ہوا ہرا دھنیا اور ہری مرچ شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔

ترکیب برائے کریلا

سب سے پہلے کریلوں کو چھیل لیں۔ پھر ان پر اچھی طرح سے نمک ملا کر انہیں ایک یا دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ انہیں دھو کر انہیں پھر کریلوں میں تیار شدہ قیمہ بھر کر اسے دھاگے سے مضبوطی سے باندھ دیں۔ پھر کریلوں کو آئل یا گھی میں فرائی کریں۔

اب اسی آئل یا گھی میں ایک عدد چھوٹی پیاز کے سلائس فرائی کر لیں۔ جب ٹرانسپیرنٹ ہو جائے تو اس میں ادرک، لہسن (دونوں 2،2 چائے کے چمچ پیسٹ) ہلدی 1/4 چائے کا چمچ، پسا ہوا دھنیا ایک چائے کا چمچ، سرخ مرچ پسی ہوئی دو چائے کے چمچ، نمک آدھا چائے کا چمچ، اور ٹماٹر دو عدد ڈال کر تھوڑے سے پانی میں اچھی طرح بھون لیں۔ جب مصالحہ تیار ہو جائے تو اس میں کریلے ڈال دیں اور بچا ہوا قیمہ بھی۔ پھر آدھا کپ املی کا جوس ملا کر دم پر رکھ دیں۔

☆ شگفتہ۔ ملتان

جھینگے مرچوں کے ساتھ

اجزاء۔

جھینگے	آدھا کلو
ہری پیاز	چار عدد
آئل / گھی	ایک کھانے کا چمچ
پانی	آدھا کپ
لہسن	ایک کلی
چلی ساس	ایک چائے کا چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا (لمبے لمبے کاٹ لیں)
ٹماٹر ساس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب۔

جھینگوں کے چھلکے نہ اُتاریں بلکہ صرف سر علیحدہ کر لیں۔ دیگچی میں آئل یا گھی گرم کریں پھر اس میں لہسن، جھینگے، ادرک ڈال کر ملا لیں۔ جھینگوں کا رنگ جب بدلنے لگے تو اس میں ٹماٹو ساس اور چلی ساس اور پانی ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ پھر اُوپر ہری پیاز ڈال کر گرم گرم نوش فرمائیں۔

☆ عابدہ۔ کوئٹہ

میری پسند

انچارج۔ نورالعین عینی

آپ اپنا یا اپنے پسندیدہ اشعار شائع کروانا چاہتے ہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ ورنہ اشعار شائع نہیں کیے جائیں گے۔ اگر آپ اشعار اپنی تصویر کے ساتھ شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ فحش اشعار شائع نہیں کیے جاتے۔ صرف ایک اشعار یا قطعہ ارسال کریں۔

میری پسند۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

اتنے قریب آؤ کہ جی بھر کے دیکھ لیں
شاید پھر ملو تو یہ ذوق نظر نہ ہو
ممکن ہے ایسا بھی وقت آئے تیری قربت وقت میں
دستک کو تیرا ہاتھ بڑھے مگر میرا در نہ ہو

☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

کیا خبر تھی کہ یوں بھی ہونا تھا
بھائی سے دور بھائی ہو جائے

شاہد خان لودھی۔ سعودی عرب

ہم ملے تھے شفیق آصف سے
تیری یادوں میں شعر کہتا تھا

شاہد مجید۔ سعودی عرب

پیاس ہونٹوں پر جم گئی ان کے
روبرو جن کے بہتا دریا تھا

محمد الطاف۔ بلوچستان

دامن دامن چھپنے والے
جانے کیوں مشہور ہوئے ہیں

ملک ارشد جاوید۔ خوشاب

جن میں سر کا خطرہ بھی تھا
وہ سجدے منظور ہوئے ہیں

عشرت جٹ۔ شمو بہاں شاہ

جینے کو جب سانسیں مانگو
سب سے پہلے آنکھیں مانگو

سید توصیف الدین۔ سعودی عرب

ہم کو ہے یقین کامل' وہ یہیں سے گزرے گا
راستے میں بیٹھے ہیں' انتظار کرتے ہیں

مرید حسین گل۔ شجاع آباد

بے چارے غریبوں کی کمائی تو یہی ہے
ان کچے گھروندوں میں دھواں جاگ رہا ہے

عبدالغفور شاہد۔ شجاع آباد

جذبے ہیں مرے آج بھی اس بات کے شاہد
ہونٹوں پہ مرے حرف یہاں جاگ رہا ہے

نصرت جاوید وڑائچ۔ پھالیہ کالج

اک عمر کی سوچوں نے' تخلیق کیا جس کو
چھوٹی سی کہانی ہے' چھوٹا سا فسانہ ہے

شاہینہ جٹ شمو۔ ملتان

یزداں تیری دنیا میں کوئی مسکرانے نہیں دیتا
اور تو اور ہے یہاں کوئی اشک بہانے نہیں دیتا

نصیر حیدر بلوچ۔ خوشاب

بعد مرنے کے میری جو تم کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
یہ بھی لکھنا کہ ہونٹ ترسے خوشی کے لئے
عمر بھر کیسے بہا آنکھوں سے پانی لکھنا

محمد رفیق ــــــــ نوشہرو فیروز

میری تشنگی پہ خمار آیا ہے
ان کی نفرت پہ پیار آیا ہے
زاہدو اب توبہ کو سنبھالنا تم
کر کے راحت سنگار آیا ہے

برکت علی ــــــــ یزمان منڈی

میں انتظار کروں گا تیرا قیامت تک
خدا کرے کہ قیامت ہو اور تو آئے

★ رب نواز ــــــــ پسرور

کیا لوٹ کر نہ آئے گا وہ روح زندگی
کیا دن نہ ختم ہوں گے کبھی انتظار کے
بے کیف زندگی سے اکتا نہ جائے دل
آجاؤ ایک بار تو گیسو سنوار کے

منور حسین بٹ عاجز۔ لاہور

تو میرے پیار سے تسکین کی امید نہ رکھ
خواہش ٹوٹتے تاروں کے سوا کچھ بھی نہیں

اکمل سجاد کاش۔ منڈی نوناتوالی

ہجر کے ماروں کی خوش فہمی جاگ رہے ہیں پہروں سے
جیسے یوں شب کٹ جائے گی جیسے تم آجاؤ گے

طالب حسین۔ منڈی نوناتوالی

یونہی مہکتے رہو میری محبت کے چمن میں نصیب
سدا رہے تیرا یہ انداز الفت میرے سنگ سنگ

میاں عطاءاللہ خان سنی۔ ضلع گجرات

یاد ہے مجھ کو کلی سے لے کر بہار چمن میں کھلنا
تبھی تو کہتے ہیں غم فراق یار میں ڈوبا ہوا

چوہدری محمد نصیب اللہ خان۔ دھوریہ

دلوں کی الجھنیں بڑھتی رہیں گی
اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے

محمد رفیق عاصم۔ دھوریہ

بادل نے کل رات کو
مجھ کو روتے دیکھا تھا
یہ منظر اس کو اتنا بھایا
رات سے پانی برس رہا ہے

سہیل بٹ۔ منڈی نوناتوالی

بچھڑنے سے پہلے سوچا تھا گلے ملیں گے تم سے
زمانے کے دستور ایسے ہم مل نہ سکے لوگوں میں
مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

ایم نواز شاہین بھنگوی۔ کراچی

کالے برقعے والے کو دیکھ کر دل کی ٹھنڈی آہ نکلی
جب اس نے نقاب اتارا تو کلی سیاہ نکلی
اے مالی نہ دے کلی بگاڑا ہم نے تیرا کیا
چمن میں سیر کرنے دے نہ گھر تیرا نہ گھر میرا

محمد عثمان۔ پڑدان شرقی

وہ لوٹ کر آئے گا ہے مجھے یقین
گھر خالی ہے میں اور یہاں کوئی مکیں

عبدالعزیز خان۔ مچن خیل

بتانے کو تو مصور نے بتادی ہے اک تصویر
سوچتا ہوں کہاں دیکھ لی اس نے میرے خوابوں کی عروس

★ شریفاں بی بی ــــــــ پاک پتن

غم دل میں پالتے ہیں
ان سے کہہ کر بھی کچھ نہیں کہتے
اس نے آنا بھی نہیں یارو
پھر ہیں منتظر کیوں رہتے

مہر خان وقار وکھڑی۔ لاہور

دامن دل میں کوئی پھول نہ مہکا اب تک
کچھ جو ملتے ہیں تو زخموں کے نشان ملتے ہیں
کوئی ہمدرد زمانے میں نہ پایا ہم نے
حسرت ہی رہی کوئی ہمارا بھی ہوتا

ایچ۔ کے بصیروی مظفر گڑھ

ہونے نہ پائے کبھی داستان وفا
تمام عمر گزر جائے گفتگو کرتے کرتے

نزہت یاسمین نازو۔ فیصل آباد

پرورش پاتی ہے جس گھر میں محبت میری
میں عقیدت سے اسے تاج محل کہتا ہوں

الفت کاظمی۔ تری خیل

خوشبو کے جزیروں سے تاروں کی حد تک
اس شہر میں سب کچھ ہے صرف تیری کمی ہے

ساجد ثمر خیل۔ ڈیرہ غازی خان

اسی مقام پر کل مجھ کو دیکھ کر تنہا
بہت اداس ہوئے پھول بیچنے والے

وقار نیازی۔ تری خیل

جس قدر راکھ کریدوں پس ہجراں اپنی
اور بچھڑے ہوئے لوگوں کی محبت جاگے

رفعت ساروج۔ لیہ

برباد ہوا ہے میرے نقصان کا سودا
کہنے کو ہمیشہ سے میں انمول رہی ہوں

مس ممتاز بیگم۔ مانگٹ

خدا حافظ میری توبہ کا زاہد و اب
کر کے وہ محشر جمال ہار دسنگار آیا ہے

حمزہ چوہدری۔ لیہ

کبھی گل کی کبھی گلستان کی بات
کرتے ہیں یوں دل بہلانے کی بات
ہوش والوں کی بھی کوئی سنتا نہیں
راحت سنے گا کون دیوانے کی بات

ثناء اللہ خان نیازی۔ نوشہرو

جکڑے ہوئے ہیں عہد وفا کے
بنے ہیں مجرم اک بے وفا کے
جرم الفت تو کر بیٹھے ہیں یارو
اب منتظر ہیں ان سے سزا کے

★ توفیق احمد جنی ------ جہلم

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
کیسی تصویر بنائی ہے میرے دل کو بہلانے کے لئے

★ محمد نعیم ------ خوشاب

وہ آتے ہیں تو دل میں کچھ کسک معلوم ہوتی ہے
میں ڈرتا ہوں کہیں اس کو محبت تو نہیں کہتے

مرید عباس۔ بھکر

جب بھی تنہائی میں آواز سنی ہے دل کی
تجھ کو دھڑکن سے بھی کہیں نزدیک پایا
کبھی کبھی سفر زندگی سے تھک کر ہم
تیرے خیال کے سائے میں بیٹھ جاتے ہیں

کنول۔ میانوالی

جب عہد شباب آتے ہیں
اپنوں سے بھی حجاب آتے ہیں
جوانی کے طوفانوں میں راحت
کئی دلوں پہ عتاب آتے ہیں

★ محمد رمضان ------ ملکوال

نہ چلتی تیز ہوائیں نہ گرتے پھول بہاروں کے
نہ ہوتے ہم پردیسی نہ بچھڑتے اپنے یاروں سے
وہی شام غم کا عالم وہی منتظر نگاہیں
میں ازل سے تک رہا ہوں تیری واپسی کی راہیں

سمیع اللہ میر۔ شیخوپورہ

اک نظر ڈال کبھی میرے تڑپتے دل پر نار
دل کے ٹکڑوں پر نظر آئے گی صورت تیری
ایک چکر بھی لگائے گا تو لٹ جائے گا
تو میرے شہر میں آیا ہے تو بازار نہ دیکھ

★ عبدالکریم ------ پشتیاں

فرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا فرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

محمد انور مرزا مرحوم۔ لاہور

اب تو اکثر میں تنہا رہتا ہوں
اپنے خوابوں میں کھویا رہتا ہوں
پیاس جذبات کی بجھانے کو
زہر چاہت کا پیتا رہتا ہوں

★ پرویز احمد ------ ہزارہ

آنکھیں ہی ملاتی ہیں زمانے میں دلوں کو
انجان ہیں ہم تم اگر انجان ہیں آنکھیں
آنکھوں سے بڑی کوئی ترازو نہیں ہوتی
تلتا ہے بشر جس میں وہ میزان ہیں آنکھیں

★ شمس الدین ------ قصور

کب رات ڈھلے گی کب تم آؤ گے
میرے زخموں پہ راحت مرہم لگاؤ گے

ساجد نیازی۔ ڈیرہ غازی خان

یقین تھا دل کو کہ تم کو بھی پیار ہے مجھ سے
یہ اور بات کہ دل ہی فریب کھا جائے

ایم یاسین۔ ڈی جی خان

قبول کر میری عاجزی تیرا کرم باکمال ہے
تیری ایک نظر کی بات ہے میری زندگی کا سوال ہے
لکھ لکھ کر طالب کا نام زمین پر مٹا دیا
اس کا مذاق تھا مجھے خاک میں ملا دیا

طالب حسین پردیسی۔ فاروق آباد

میں بہت چاہتا تھا کہ اصولوں کا دامن ہاتھ سے نہ
چھوٹے مگر یاروں زندگی نے ہر گام پہ چوٹ قیامت

ضمیر احمد ضمیر۔ لاہور

سی ماری اخلاق کو نہیں دیتا بجلیاں گرانے کا سبب
وہ سیاہ لاکھ بچ کر اکثر مجھ پہ گرا کرتیں ہیں

★ شعیب احمد خان ------ بہاولپور

میرے بغیر آپ تو رہتے تھے ہر دم بے قرار
کیسے کہ آج میری ضرورت کہاں گئی

★ محمد یونس ------ راجن پور

نہ پوچھو کس پر مرتا ہوں یہ منہ پھیرے جو بیٹھے ہیں
انہی پر جان جاتی ہے انہی پہ دم نکلتا ہے

★ ساجد ولی بی ------ چونیاں

زمانے میں کوئی منزل تو تجھے مل گئی ہو گی
ہمیں انجان راہوں پر روانہ کر دیا تو نے

عابد محمود۔ ملکہ ہانس

زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشان سی تھی
اب ہر سانس گراں بار ہوئی جاتی ہے
وفائیں کر کے اے ہمدم کچھ ایسے غم اٹھائے
لرز جاتا ہوں جب کوئی وفا کا نام لیتا ہے

ایم نواز شاہین جھنگوی۔ کراچی

بات کرتے ہیں تو باتوں میں مزا دیتے ہیں
سنگ راہوں کے مجھے راہ دکھا دیتے ہیں
اب یہ عالم ہے ہمارے بھی جنون کا راحت
چاہتے ہیں جسے ہم لیلیٰ بنا دیتے ہیں

فیضان حسین عثمانی۔ حیدر آباد سندھ

ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز عروساں
کچھ پھول تو کھلتے ہیں مزاروں کے لیے

امتیاز ساجن۔ نوشہرہ ورکاں

اگر یہ دل پتنگ ہوتا تو اڑاتا غم کی ڈوروں سے
عشق کے پیچھے لگاتا کٹواتا حسن والوں سے

★ زاہد محمود ------ جڑانوالہ

زمانے میں کوئی منزل تجھے تو مل گئی ہو گی
ہمیں انجان راہوں پر روانہ کر دیا تو نے

★ اعجاز احمد ------ پتوکی

تیری ہر چاپ سے جلتے ہیں خیالوں میں چراغ
جب بھی آئے تو جگاتا ہوا جادو آئے
تجھ کو چھو لوں تو اے جان تمنا مجھ کو
دیر تک مجھے اپنے بدن سے تیری خوشبو آئے

★ اختر حسین ------ تونسہ شریف

کوئی تو شہر میں میرا ہمنوا ہو گا
جو میرے لیے راتوں کو جاگتا ہو گا
ہے اشتیاق کہ دیکھوں میں اک نظر تجھ کو
بچھڑ کے حال تیرا نہ جانے کیا ہوا ہو گا

معراج علی خان۔ گلگت

راستہ اب کچھ نہ رہا کوچہ دلبر
یارو مجھے چلنے کی ادا سکھا دو

ارشد علی ارشد۔ مغربی زرتوپہ

ارادہ ترک محبت کر تو لیا مگر
دھیرے دھیرے یاد وہ پھر آنے لگے

★ ایم حنیف ------ نواب شاہ

نہ اپنوں کی نگاہوں میں پرائے ہوتے
نہ بے درد کی باتوں میں آئے ہوتے
شکایت ہم کو تم سے اتنی ہے اشرف
جو عہد کئے تھے کاش وہ نبھائے ہوتے

غفار احمد بھٹی۔ لاہور

بھول جانے کا تجھے کیسے تصور کر لوں
میری ہر یاد سے وابستہ ہیں یادیں تیری

★ ظہور احمد ------ ضلع دادو سندھ

نیلام ہوئے کئی بار تیرے لئے صنم
قیمت ملی ہر بار آنسو اور زخم

★ محمد اجمل ------ ہانگ کانگ

شہر تیرا تھا روپ مگر اب یاد نہیں
تیری گلی کی راہگزر اب یاد نہیں
فرصت میں دن بیت رہے ہیں اے یارو
راحت کے وہ شام و سحر اب یاد نہیں

★ محمد شہباز ------ مظفر گڑھ

دفناتا دیکھ بھال کے مجھ غم زدہ کی لاش کو
لپٹی ہوئی کفن سے کوئی آرزو نہ ہو

مدیحہ گڑیا۔ گوجرانوالہ

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کو
کون لاسکتا ہے تاب جلوۂ دیدارِ دوست
انجم علوی بہار شریف، رام نرائن انیجہ۔ انبالہ کینٹ، عمران خان نینی تال، اے علی۔ برہانپور
گلفام بیگ دہلی۔

حسرتِ دیدار پردہ بن گئی دیدار کا
شوق کہتا ہی رہا جی بھر کے صورت دیکھیے
جمال وارثی آبگلہ، محمد حنیف شیرکوٹ۔

محبوب خدا کے جلووں سے ایمان کی آنکھیں روشن ہیں
یے دیکھے ہی جب یہ عالم ہے دیدار کا عالم کیا ہوگا
مہندر ناتھ کول جموں توی، منشی عبدالرحمٰن پٹھان کوپرگاؤں، ارشیدہ جمال بھوساول۔

تابِ نظر نہیں ہے جو دیدار کے لیے
آنکھوں میں شوقِ دید کے تیور ہی لے چلیں
فیض الاسلام انصاری مبارک پور، محمد تابش مبارک پور۔

کیا تنے دیے حسرتِ دیدار نے دھوکے
وہ سامنے بیٹھے ہیں یقیں ہم کو نہیں ہے
عزیز ادیبی حیدرآباد، اقبال احمد انصاری ردولی۔ محمد نظام بھاگلپور، محمد نعیم رضا صدیقی گنج ڈنڈوارہ، ابوشعیب مالیگاؤں۔

یاس سے آنکھ جو جھپکی تو توقع سے کھل
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا
عزیزہ فاطمہ حیدرآباد، محمد شکراللہ مبارکپور

کون سی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں
شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر
رئیس عالم قریشی سہاودرہ، ڈاکٹر زبیر احمد شمسی محمد آباد گوہنہ، محمد انور حسین ڈالٹن گنج۔

ہرچند دل کو ترکِ محبت کا تھا خیال
لیکن کسی کا عہدِ وفا یاد آگیا
سید مسعود جاوید۔ ٹانڈہ

یہ کیا کیا کہ سرِ بزم رو دیے تم بھی
وقارِ غم کا ذرا تو خیال کرنا تھا
جاوید اختر۔ برہان پور

حریم کعبہ بنادی وہ سرزمیں میں نے
ترے خیال میں رکھ دی جہاں جبیں میں نے
عامرہ طالب۔ مرادآباد

ایسے بھٹک گئے تھے خود اپنے خیال میں
پہروں کسی کی یاد ہمیں ڈھونڈتی رہی
صبا پروین۔ مرادآباد

ان کا خیال آتے ہی نہ جانے کیا ہوا
ہم ایسا ان میں کھوئے کہ تصویر ہو گئے
محمد اسلام قریشی۔ رام پور

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں
ایم سعید۔ راجوری

خیالِ یار کبھی ذکرِ یار کرتے رہے
اسی متاع پہ ہم روزگار کرتے رہے
کیول کرشن۔ ڈوڈہ

ہاں بہت خوب ہے تجدیدِ محبت کا خیال
لیکن اس کھیل کے انجام میں کیا رکھا ہے
نشاط افروز۔ لکھیم پور

وہ تو یوں کہیے سرِ حشر خیال آ ہی گیا
ہاتھ جا پہنچا تھا ورنہ ان کے دامن کے قریب
محمد یوسف۔ میرٹھ

اے دل خیالِ ترکِ تمنا بجا سہی
لیکن یہاں کی بات نہ جائے یہاں سے دور
نسیم اختر۔ مئو

غزلیں' نظمیں

انچارج۔معیزہ سحر

آپ اپنی یا اپنی پسندیدہ غزل' نظم' حمد' نعت شائع کروانا چاہتے ہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔

لکھئے انچارج غزلیں' نظمیں۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار' لاہور



غزل

ہم سے تو ویسے نہیں بولتے ہو
محبت ہماری ختم ہو گئی ہے
پہنچے نہیں ہیں وہ مکتوب جلدی
شعاعِ محبت مدھم ہو گئی ہے
محبت عجب شے زمانے میں دیکھی
بڑھی جو زیادہ تو کم ہو گئی ہے
محبت کی راہوں میں منزل نہیں ہے
ہے منزل تو ایسی کہ گم ہو گئی ہے
راہ محبت ہے دشوار کتنی
کہ دنیا سراپا ستم ہو گئی ہے
مگر بات ایسی بتائی ہے اس نے
زندگانی ہماری ہم ہو گئی ہے

☆احمد حبیب قیصر۔لاہور

غزل

ساجن اس بے وفا کو میں بھلاؤں کیسے
لگی ہے آگ جو دل میں بجھاؤں کیسے
میں شاعر ہوں دیوانہ ہوں مت کرو مجھ پر ستم
محبت کے دشمنوں کو یہ بات سمجھاؤں کیسے
اشک تو بہا چکا ہوں عشق میں لوگو!
پتھر نہ مارو اب آنکھوں میں آنسو لاؤں کیسے
تیرے ہجر میں پل پل ٹوٹے گے قہر مجھ پر
میرے حسین چاند! تیری گلی کو چھوڑ کر جاؤں کیسے
یہاں میں آیا ہوں تجھ پہ فدا ہونے کے لیے
شمع یہ نہ سوچ اپنے پروانے کو بھلاؤں کیسے
میرے زخموں کو ملے گے اور زخم
سپنوں کی نگری کر دوں راکھ جلاؤں کیسے

☆ساجن انصاری۔شاہدرہ' لاہور

غزل

اپنوں سے منہ موڑ کے جایا نہیں کرتے
اے میرے ہمسفر! دل کسی کا دل دکھایا نہیں کرتے

راہ میں لاکھ ہوں دشواریاں زمانے کی
دامن پھر کسی سے یوں چھڑایا نہیں کرتے
دوستی ہی میں اعتماد کو پھر بحال رکھنا
اپنے ہی یاروں کو یوں آزمایا نہیں کرتے
دنیا ہے دوستو! فانی مرنا ہے یہاں سبھی نے
دشمن کی موت پہ خوشیاں منایا نہیں کرتے
غم کے ماروں کی آہ تو جاتی ہے عرش پہ
مشکل میں دیکھ کے کسی کو مسکرایا نہیں کرتے
بڑھتے ہوئے طوفانوں کا رخ موڑ دیں
مشکل حالات میں آندھیوں سے گھبرایا نہیں کرتے
جاوید ہماری دشمنی ہو جاتی ہے زمانے سے
اس واسطے گھروندے ریت کے یوں بنایا نہیں کرتے
☆ محمد اسلم جاوید۔ فیصل آباد

آزاد نظمیں

(1)

ایک بار
اُس نے ہمیں
مسکرا کر
کیا دیکھا
تو
میرے دل نے یہ آرزو کی
کہ
کاش......! یہ لمحہ
یونہی ٹھہرا رہے

(2)

اے حسن کی دیوی!
تم
ایک قاتل ہو
کیونکہ
تمہاری اک اک ادا نے
کئی عشاق کا
قتل کیا ہے
☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

دارارقم سے گیلانی ہال تک

19 اپریل 2014ء اور دن ہفتہ کا تھا
دارارقم والوں نے گیلانی ہال میں پروگرام رکھا تھا
پونے دس بجے صبح اس کا آغاز ہوا تھا
شروع ٹیچروں کی آمد کا سلسلہ تھا
میرا دلبر بھی ان میں شامل ہوا تھا
چاند کا وہ ٹکڑا لگ رہا تھا
نیوی قمیص اور دوپٹہ سفید رنگ کا تھا
اسے دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا تھا
ایسے عالم میں وہ قیامت ڈھا رہا تھا
بجلیاں میرے دل پہ گرا رہا تھا
نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا
میں خیالوں میں اس کے کھو گیا تھا
ختم تین گھنٹے بعد وہ پروگرام ہوا تھا
تب میرے انتظار کا اختتام ہوا تھا
واپسی پر اس کا انداز بہت نرالا تھا
مجھے اس نے سحر زدہ کر ڈالا تھا
سب ٹیچروں میں وہ حسن کا شاہکار تھا
میرے دل کی وہ پکار تھا

محبت کے پھول نچھاور کرنے کو دل مچلا تھا
اسے پیار کرنے کو دل مچلا تھا
چاند کی طرح روشن اس کا مکھڑا تھا
حقیقت میں وہ میرے دل کا ٹکڑا تھا
دن ڈھلتا ہے رات ہوتی ہے
میرے لبوں پہ تیری ہی بات ہوتی ہے
میرے پیاسے من کو سیراب کر دے
دور مجھ سے تنہائی کا عذاب کر دے
الٰہی ! دل سے نکلی دعا تو قبول کر
ابراہیم کے مقدر میں وہ پھول کر
19 اپریل 2014ء اور دن ہفتہ کا تھا
دارارقم والوں نے گیلانی ہال میں پروگرام رکھا تھا
☆ محمد ابراہیم کھوکھر۔جھمرہ سٹی فیصل آباد

غزل

تب سے اُس کا چرچا ہے
جب سے میں نے دیکھا ہے
آنکھیں رکھتا ہے قاتل
کتنا بھولا چہرہ ہے
اُس نے لکھا پیشانی
میں نے لکھا سجدہ ہے
صحرا سے جو ملتا ہے
وہ تو پاگل دریا ہے
میرے قدموں کا پیاسا
میرے گھر کا رستہ ہے
خط جو لکھا ہے میں نے
اپنے نام ہی لکھا ہے
دریا میں وہ دریا تھا
تنہا ہے تو قطرہ ہے
اس کے تاج و تخت مراد
میرا ٹوٹا کاسہ ہے
☆ رحمان امجد مراد۔سیالکوٹ

غزل

تمہاری پلکوں پہ تارے دکھائی دیئے
یہ غم میں ڈوبے شرارے دکھائی دیئے
نہ جانے آج کس نے دریچے سے صدا دی
فضا میں ہر سو اشارے دکھائی دیئے
وہ پا ہی لیں گے بہت جلد اپنی ہوش
جو چشم غیر کے مارے دکھائی دیئے
کسی کے جانے سے یوں حالت ہو گئی کیوں
بجھے بجھے سے نظارے دکھائی دیئے
سکوں کسی کو بھی میسر نہیں زمانے میں اے بسمل
پریشان حال ہی سارے دکھائی دیئے
☼ محمد حنیف۔۔۔۔۔۔میر پور(AK)

غزل

سہمے سہمے پھرتے ہیں کارواں اب کے
جاگتے ہیں کرتے ہیں قیام جہاں اب کے
خوف فتنے کا دھول بن کر تعاقب میں ہے
راحت ہوں کیسے یہ منزل کو رواں اب کے
یاد اس کی آتی ہے جس کو بھلا دیا جائے
وہ خیال بن جاتا ہے جو دل سے لگا دیا جائے
تیری یاد سے وابستہ ہے میری زندگی
راحت اس بے وفا کو بتا دیا جائے
ساجد ثمر خیل۔ڈی جی خان

غزل

بہت سنجیدگی میں چوس لیتی ہے لہو دل کا
اسی خاطر تو ہم زندہ دلی کو پیار کرتے ہیں
عرصہ زیست کی خاموش گزر گاہوں میں
اجنبی آتے ہیں ملتے ہیں چلے جاتے ہیں
صفحہ دہر پر رہ جاتے ہیں یادوں کے نقوش
وقت کے ہاتھوں جو بنتے ہیں بگڑ جاتے ہیں
ایم حسن پل قمنبر

غزل

جگر ہے پاش پاش آنکھیں بھی ہیں پر نم
بچھڑ کے تجھ سے کیا حال ہو گیا دیوانے کا
میری کہانی تو شاید سن لے یہ بے درد زمانہ
پر کیا ہو گا ہرجائی ناز تیرے افسانے کا
دل کا نگر لوٹنے والا ستم ظریف
یادوں کو چھوڑ کر اپنی ہر چیز لے گیا

محمد صادق۔۔۔۔شاہ جیوانہ ضلع جھنگ

پاکستانیوں کے نام

یہاں اپنوں سے کوئی کام نہ پڑے یاروں
ہمیں معلوم ہوا آہستہ آہستہ وقت گزر جانے کے بعد
بڑی خوش قسمتی سے ملتی ہے یاری یہاں یاروں
یہاں اپنے تو چھوڑ جاتے ہیں آدھے راستے میں
شروع میں تو ہم کو رلا دیا دبئی نے
قسمت کی ہے بات مالک اچھا ملا ہے ہم کو
ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ بھی ہو جائے گا ہمارے ساتھ
یہاں ہر پاکستانی اک دوسرے کو لوٹتے ہیں ہاتھوں ہاتھ
کہیں بھی کام کرنے سے پہلے تنخواہ پوچھ لو
ورنہ مالک لڑتا ہے مہینہ گزر جانے کے بعد
محمد عقیل۔دبئی

غزل

پلکیں جھک جاتی ہیں ہماری
ان پر کسی کو بٹھاتے کیسے
ان کے ساتھ خون بھی آتا ہے
اشکوں کو ہم بہاتے کیسے
سوکھی ٹہنی کی طرح اک جسم
ہجر کی پوشاک پہناتے کیسے
خون کسی کا شامل نہیں جب
پھول چمن میں کھلکھلاتے کیسے
اس کی تپش میں جلے پروانے
شمع کو گھر میں جلاتے کیسے
کانٹوں کی ان گنت قطاریں
اپنے آشیانے کو آتے کیسے
بے کشش اس کی ہر اک چیز
بستی دل کو ارشد سجاتے کیسے
ارشد علی ارشد۔اٹک

غزل

بھلا کس طرح ہو ممکن غم دل تیرا ٹھکانہ
انہیں بجلیوں کا طالب جو جلا دیں آشیانہ
نہ طلب کا شوق رکھنا یہاں لوٹنا ہے شیوہ
بڑی خود غرض ہے دنیا بڑا بے وفا زمانہ
ابھی میں سمجھ رہا تھا کہ میں ہی ہوں مبتلائے عشق
ملا ہر نظر میں دل کو وہی غم وہی فسانہ
کہیں سے پھر سسک اٹھے ہیں اسی درد کے تقاضے
ہوا وحشتوں کو حاصل وہی سنگ آستانہ
میرے پاس کیا بچا ہے میرے پاس کیا رہا ہے
کہ چلی ہے لوٹنے پھر مجھے گردش زمانہ
کرو کوئی اب تغیر کہ ہے شوق دید عاجز
وہی ایک سا تکلف وہی ایک سا بہانہ
یہی مل سکا ہے بسمل یہاں راہی طلب کو
کوئی موت کا مسافر کوئی ہو گیا دیوانہ
ملک محمد نواز۔۔۔۔۔۔شرقپور شریف

نعت شریف

شہا تیرے کرم کے طلبگار ہم بھی ہیں
عاصی ہیں پر خطا ہیں گناہگار ہم بھی ہیں
تیری تجلیوں کی تمنا ہمیں بھی ہے
تیری عنایتوں کے طلبگار ہم بھی ہیں
جس آستان عشق پہ شاہوں کے سر جھکے
اس آستاں کے طالب دیدار ہم بھی ہیں
ہم کو بھی اپنے لطف و کرم سے نواز دے
تیرے غلام تیرے وفادار ہم بھی ہیں
جاوید جس کا ایک زمانہ اسیر تھا
اسی زلف مشکبو کے گرفتار ہم بھی ہیں

محمد یوسف۔۔۔بھائی پھیرو (پھول نگر)

غزل

امتحاں بھی آئے گا کبھی سوچا نہ تھا اے ظہور
لٹ جائے گا تیرا سب کچھ ہو جائے گا تو مجبور

کچھ کام نہ آیا تیرے جس پر ناز تھا تجھے
نہ پوچھا زمانے نے تو گنہگار ہے یا بے قصور

کس کو کہیں اپنا کس کو سنائیں دل کا حال
چھوڑ گئے مشکل میں مجھے اپنے دشمن ہوئے مسرور

ظلم کے تیروں کو کسی نے نہ روکا اب تک
بدن ہے زخمی سینہ ہے چھلنی دل ہے چور چور

چھوڑ دے سب جھوٹی رسمیں اس ظالم دنیا کی
توڑ کے ناطے دنیا سے جھک جا خدا کے حضور
ظہور احمد کانجن۔ فیصل آباد

غزل

راہ وفا میں وہ مجھے تنہا چھوڑ گیا
دے کے فریب محبت مجھے روتا چھوڑ گیا
اس سے بڑھ کے کیا ہو گا چارہ گری کا دکھ
درد کا مسیحا زخموں کو رستا چھوڑ گیا
ترک کر کے وہ راہ رسم و دوستی
میری وفا کے چراغوں کو جلتا چھوڑ گیا
افکار جگر کو درد ہی درد دے کے
دل تباہ کو سسکتا اور تڑپتا چھوڑ گیا
خود تو ہو گیا وہ غیروں میں شامل
میری تمناؤں کو سسکتا چھوڑ گیا
دل بسمل تو اب بھی اسی کو پکارتا ہے
ہجر کے صحرا میں جو بھٹکتا چھوڑ گیا

محمد رفیع۔۔۔۔۔۔۔۔۔بورے والہ

وطن کے سپوت

سنا ہے
اب سے پہلے
کبھی باغ و بہار تھی دنیا
اور
طالب علم تھے بہت روشن دماغ اس کے
اب
مدراس سے نکلنے والے
ہیں
علم سے دور
اسلحے کی ڈگری تھامے
پہنچ گئے ہیں
محبت بھرے باغیچوں میں
جہاں
گلاب بھی اب

خوں کے آنسو روئے گا
تتلیاں آئیں گی'
اور
بین کریں گی
ہائے!
کس علم زدہ نے یہاں بسیرا کیا؟
سوچتا ہوں
ہیں کہاں وہ لوگ
جو یہ کہتے تھے
کبھی باغ و بہار تھی دنیا

سبطین جاوید۔ لاہور

غزل

خسارہ ہے تو دنیا دیکھنے میں
مگر لگتا ہے اچھا دیکھنے میں
حقیقت سے بھی آگے بڑھ گیا ہے
بظاہر تھا جو قصہ دیکھنے میں
کنارے کاٹتا جاتا ہے پل پل
جو ہے معصوم دریا دیکھنے میں
نہ دیکھا اُس کو جس کو دیکھنا تھا
گزاری عمر کیا کیا دیکھنے میں
ملے بن دیکھے کچھ لوگوں کو تمغے
ہوئے کچھ لوگ رسوا دیکھنے میں
وہ دنیا دار بھی عیار بھی ہے
نظر آتا ہے تنہا دیکھنے میں

ڈاکٹر اسعد بدایونی
شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ (یوپی)

نعت بحضور فخر انبیاؐ محمد مصطفیؐ

اگر اے نسیم سحر ترا ہو گزر دیارِ حجاز میں
مری چشمِ تر کا سلام کہنا حضورِ بندہ نواز میں
تمہیں حدِ عقل نہ پا سکی فقط حال اتنا بتا سکی
کہ تم ایک جلوۂ راز تھے جو نہاں ہے رنگِ مجاز میں
نہ جہاں میں راحتِ جاں ملی نہ متاعِ امن و اماں ملی
جو دوائے دردِ نہاں ملی تو ملی بہشت حجاز میں
عجب اک سرور سا چھا گیا مری روح و دل میں سما گیا
ترا نام نامی جو آ گیا مرے لب پہ جب بھی نماز میں
کروں نذر نغمۂ جاں فزا میں کہاں سے اخترِ بے نوا
کہ سوائے نالۂ دل نہیں مرے دل کے غمزدہ ساز میں

سرور حسین ۔۔۔۔۔۔۔۔ راولپنڈی

"بیٹی میری حیاء کر"

عورت بنا کے تجھ کو--- اللہ نے دی ہے عزت--- عزت بچا کے اپنی---
پردے میں رہا کر---!
ہو چھین تیرا جانا--- علم و ہنر کی خاطر--- پردہ نہ تو مٹانا--- یہ حکم ہے خدا کا---
غیروں سے چھپا کر
بیٹی میری حیاء کر

تو باپ کی ہے عزت- بھائی کی تو ہے غیرت---------------
دونوں سے تو وفا کر
بیٹی میری حیاء کر

بے فائدہ بے روا------ پھرنا نہیں ہے اچھا---------------
دونوں سے تو وفا کر
بیٹی میری حیاء کر

چادر ہی تیری عزت------ برقعہ ہے تیری حرمت------ پردے کو چھوڑ کے تو------
حرمت نہ یوں تباہ کر
بیٹی میری حیاء کر

پردہ تھا سیدہ کا--- جس کی کنیز تو ہے--- بی بی سے کر لے الفت------
پردے میں تو رہا کر
بیٹی میری حیاء کر

ہے شان تیری چھوٹی ہے آن تیری چھوٹی--- پہچان تیری چھوٹی--- چھوٹی کٹا کے شامل---
مردوں میں نہ رہا کر
بیٹی میری حیاء کر

چھوٹی کو تو کٹا کے--- بھنووں کو تو منڈا کے--- چہرہ نہ بدنما کر--- اللہ کے دین کو تو---
تبدیل نہ کر
بیٹی میری حیاء کر

مسلم کی تو ہے بیٹی--- مسلم کی تو بہن ہے--- مسلم کی ماں بنے گی------
خود مسلمہ بنا کر
بیٹی میری حیاء کر

بے پردہ ہوئی ہے--- لڑکی یہ کیا گلہ ہے--- ماں باپ کی خطا ہے------
خود فکر کر لیا کر
بیٹی میری حیاء کر

ایسا بھی ہم نے دیکھا--- ماں کا سر ڈھکا تھا- بیٹی کا سر کھلا تھا------
ایسی نہ تو خطا کر
بیٹی میری حیاء کر

انگریزیت کو اپنے--- دل سے نکال دے تو--- انگریزیت کی خاطر------
دین کو نہ فنا کر
بیٹی میری حیاء کر

کیا رب بدل گیا ہے-- یا دین نیا ملا ہے-- کیا حکم دے دیا ہے-----

کوکب کی دعا ہے--- خالق کی بارگاہ میں--- ہر بیٹی ہر بہن کا-----

بے پردہ نہ پھرا کر
بیٹی میری حیاء کر
پردہ رہے سلامت
بیٹی تو بھی یہی دعا کر
بیٹی میری حیاء کر

مظہر علی-----------بہاولپور

غزل

کمتر نہ جان سوچ سمجھ کر خرید لے
مہنگے بکیں گے کل یہی پتھر خرید لے
ظالم مرے ضمیر کا مت مول بھاؤ کر
ہاں تیرے بس میں ہو تو مرا سر خرید لے
جس کی برہنگی کے ہیں چرچے گلی گلی
وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ چادر خرید لے
یہ شہر ارتقا ہے یہاں دوپہر میں بھی
ہیں دستیاب شام کے منظر خرید لے
مٹ جائے تشنگی یہ ضروری نہیں ریاض
چاہے خرید لے تو سمندر خرید لے

ریاض الدین رضوی

ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

محرومیت

یہ شمع جلی تو اس کا جلن دیکھتے رہے
اٹھتے ہوئے دھویں کا چلن دیکھتے رہے

بچپن تھا اشکبار جوانی تھی سوگوار
پیری میں آرزو کی لگن دیکھتے رہے

روشن جہاں تھا ہم پہ تھی تاریکیاں محیط
تقدیر کا فریب و فتن دیکھتے رہے

محفل تھی نغمہ ریز بہاروں کا دور تھا
حسرت بھری نظر سے چمن دیکھتے رہے

کس جرم کی سزا ہمیں ملی ہم کو زندگی
کیوں عمر بھر یہ رنج و محن دیکھتے رہے

شکوہ کیا تو زد میں گناہوں کی آگئے
سینے میں زندگی کی چبھن دیکھتے رہے

کچھ ہم کو مل سکا نہ تیری مصلحت کا راز
بربادیوں کو زیب چمن دیکھتے رہے

سید ضرغام حسین
نیو کیمپس۔ لاہور

گیت

یہ تیرا حسن یہ انداز خدا خیر کرے
آج بے چین ہیں جذبات خدا خیر کرے
تم بہاروں سے حسین ہو
آبشاروں سے حسین ہو
ان نظاروں سے حسین ہو
بہکے بہکے سے ہیں لمحات خدا خیر کرے
آج بے چین ہیں ....

اپنے گیتوں میں مرے
گیت بھی شامل کر لو،
اسکے بدلے ہیں مرے
پیار سے دامن بھر لو
بھول جانا نہ مری بات خدا خیر کرے
مری باہوں میں سما
روٹھ کے جانے والے
روٹھتے ہم سے رہو
ہم ہیں منانے والے
کرو ہم پہ یہ عنایات خدا خیر کرے
آج بے چین ہیں ....

عنایت ٹبالوی

ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

گلستان

انچارج۔ روبینہ کوثر

اس عنوان کے تحت اقوال زریں، اور معلوماتی تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ ہر تحریر کے ساتھ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔

انچارج گلستان۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



اقوال زریں

وہی رب ہے جو صبح نیند سے جگاتا ہے۔ اس انسان کو جو سارا دن اللہ کی نافرمانیاں کرتا ہے۔ کبھی ناچ...... کبھی گانا...... کبھی جھوٹ...... کبھی سود...... کبھی گالی...... کبھی کچھ...... اور جب رات ہوتی ہے تو سولا دیتا ہے اور ایسے سولاتا ہے جیسے سارا دن اس نے ایک بھی نافرمانی نہ کی ہو۔ پہاڑ رو پڑے۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے......؟ تو ان کو پکڑتا کیوں نہیں......؟ تو ان کو مارتا کیوں نہیں......؟ اجازت دیں تو ہم ان کو مٹا دیں۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے خاموش رہو۔ میں اس کی توبہ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

☆ بشارت صدیقی۔ رانا ٹاؤن، لاہور

رانگ نمبر

"ہیلو کیسی ہو تم؟" بڑی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

"کتنی دیر لگا دی تم نے میں کب سے بیٹھی تمہارے فون کا انتظار کر رہی تھی۔"

"ہاں بس ذرا امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے کھانا بناتے ہوئے ذرا دیر ہو گئی۔"

"ویسے تم کیا کر رہی تھی......؟" بات کو پلٹا گیا۔

"میں...... میں تو شاہ رخ خان کی فلم "میں ہو ناں" وہ دیکھ رہی تھی۔"

"اوہ...... اچھا شاہ رخ خان کی فلم...... میں آج ہی اس کی ڈی وی ڈی منگواتی ہوں۔ پتہ ہے میرے ماموں جان نے آج ہی مجھے نیا ڈی وی ڈی بھیجا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے اور اچھا کیا حال ہے تمہارا......؟" جمائی لیتے ہوئے پوچھا گیا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں آج تو۔''

''کیوں کیا کیا تھا......؟''

''بس ذرا امی کے ساتھ بازار گئی تھی پوری گرمیوں کی شاپنگ کر لی ہے۔''

''اچھا سنو! جس کام کے لیے میں نے فون کیا تھا وہ تو بھول ہی گئی۔ اگر یاسمین سے بات ہو تو اسے کہنا وہ اپنی اورنج جارجٹ کی قمیص بھیج دے۔ مجھے بھی ویسی ہی بنوانی ہے۔''

''کون یاسمین......؟ کون سی قمیص......؟''

''کیا مطلب......کون یاسمین......؟ وہ جو ایف اے میں ہمارے ساتھ پڑھتی تھی۔''

''لیکن عظمیٰ! ہم تو میٹرک کے بعد سکول گئے ہی نہیں اور کون سی سہیلی یاسمین......؟''

''ارے بھئی کون عظمیٰ......؟ میں تو سنیا ہوں اور کیا تم فرزانہ نہیں ہو؟''

''فرزانہ......نہیں تو......میں تو صباح ہوں۔''

''کیا یہ فلاں فلاں نمبر نہیں ہے؟''

''نہیں......یہ نمبر نہیں ہے۔''

''سوری رانگ نمبر......!!!''

☆ایس. امتیاز احمد۔ کراچی

آٹھ الفاظ

ایک کنجوس شخص نے اخبار کے دفتر فون کیا اور کہا۔

''میرا باپ مر گیا ہے خبر لگوانے کے کتنے پیسے ہوں گے؟'' جواب ملا۔

''پچاس روپے فی لفظ۔'' کنجوس بولا۔

''اوہو یہ تو بہت زیادہ ہیں...... اچھا لکھو غفار بھائی مر گئے۔'' اخبار والا بولا۔

''کم از کم آٹھ الفاظ ہونے چاہیے۔'' کنجوس شخص بولا۔

''اوہو اچھا ذرا سوچنے دو......'' پھر چند منٹ بعد گویا ہوا۔

''غفار بھائی مر گئے سوزوکی برائے فروخت۔''

☆امن فضاء۔ پشاور

دعا

کسی کو کچھ دینے سے اچھا ہے اسے دعا دو کیونکہ تم ہر چیز واپس لے سکتے ہو مگر کسی کو دیا ہوا اچھا وقت اور دعا واپس نہیں لے سکتے۔

☆فضاء ماہرہ۔ پشاور

ہنس بیتی

آم کے سیزن میں ہمارے ایک دوست نے ہمیں اپنے ہاں مدعو کیا تو ہم بخوشی ان کے گاؤں چلے گئے۔ انہوں نے اپنے باغات میں مختلف اقسام کے آم کاشت کیے ہوئے تھے۔ ایک روز ہم سے کہنے لگے۔

''بھائی صاحب! جب تک آپ ہمارے یہاں مقیم ہیں ہم آپ کو یونہی آم کھلاتے رہیں گے؟'' ہم نے کہا۔

''تو پھر بھائی جان! ہم یہیں کے ہو کر رہ جائیں گے۔''

☆چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

لطیفہ

ایک صاحب! کافی رات گئے گھر لوٹے اور خود ہی

پوچھا کہ بیگم میری عدم موجودگی میں کوئی گھر آیا تھا؟........ تو بیگم بولی ہاں! چور آیا تھا...... تو کچھ لوٹا تو نہیں...... صاحب نے پوچھا.. ... ارے لوٹا تو اندھیرے کی وجہ سے میں سمجھی کہ آپ آئے ہیں

سہیل ثاقب۔ لاہور

قطب جنوبی کے جن

اسکیمو بد روحوں' جنوں بھوتوں اور چڑیلوں پر بہت زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ موسم سرما میں سورج کی عدم موجودگی کو جنوں کی شرارت سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ شریر جن اپنے بازو سورج کے سامنے پھیلا دیتے ہیں اسی لیے تاریکی چھا جاتی ہے۔ تاہم وہ جن اور بھوتوں کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ عورتیں البتہ ٹونے ٹوٹکوں میں لگی رہتی ہیں۔ اسکیمو عورتیں چربی سے جلائے گئے چراغ کے گرد سات چکر لگا کر اپنی خیر و عافیت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں کو بد دعائیں دیتی ہیں۔

محمد آصف------- ہارون آباد

اسلام زندہ باد

ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ حج کے لئے جا رہا تھا۔ اس کے بیٹے کا نام اسلام تھا۔ اس آدمی نے اپنے بیٹے کو کسی کام سے باہر بھیج دیا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا۔ مگر وہ نہ آیا۔ حتی کہ جہاز کے چلنے کا وقت ہو گیا۔ تو اس آدمی نے آواز لگائی۔

"اسلام"

بندرگاہ پر کھڑے لوگ جذبات میں آگئے اور سب نے مل کر کہا۔

زندہ باد

(محمد انوار الحق طاہر' لاہور)

لطیفہ

ایک صاحب کے پیر بہت بڑے تھے۔ اتفاق سے انہیں نظر بھی بہت کم آتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے نوکر کے ساتھ جوتا خریدنے گئے۔ تمام دوکانیں چھان ماریں لیکن کہیں بھی ان کے ناپ کا جوتا نہیں ملا۔ آخر وہ ایک دوکان میں نوکر کا ہاتھ پکڑ کر داخل ہوئے۔ اچانک ایک جوتا ان کے پیر میں آگیا۔ وہ ایک دم چیخ اٹھے۔

"فضول یہ جوتا خرید لو---- یہ بالکل ٹھیک ہے"

نوکر نے جواب دیا۔

"سرکار آپ نے تو اپنا پیر جوتے کے ڈبہ میں رکھا ہے۔"

محمد خالد عمران' بہاولپور

رائے

آج کا انسان معاشی اور ذہنی پریشانیوں کا شکار ہے۔ کچھ دیر کے لیے وہ تفریح اور دلچسپی کی طرف راغب ہونا چاہتا ہے ماہنامہ سچی کہانی اس کا بہترین اور محبوب ہے۔ جو اس کے دل اور دماغ کو فرحت عطاء کرتا

ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہے جسکا وہ متلاشی ہے۔

واجد نگینوی کراچی

لطیفہ

ایک صاحب نے کسی بھکاری سے کہا۔

"تمہیں بھیک مانگتے شرم نہیں آئی؟ چلو میرے گھر کام کرنا میں تمہیں روزانہ پانچ روپے دوں گا۔"

بھکاری نے کہا۔

"صرف پانچ روپے۔ آپ میرے ساتھ یہاں بیٹھے میں آپ کو روزانہ دس روپے دوں گا۔"

محمد ساجد ندیم' فیصل آباد

روشن کلمات

جن پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں

☆..... اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکیں اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈریں۔ اسی پر بھروسہ رکھیں اسی سے خیر کے طلب گار رہیں اسی کی حمد کریں اور ہر حال میں اسی کا شکر بجالاتے رہیں یعنی ہر حال میں شرک سے بچیں اور حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مانیں۔

☆..... زندہ قوموں کے لوگوں کی پہچان یہی ہے کہ وہ بااصول ہوتی ہیں ہمیشہ کھری بات کریں ایسی بات زبان سے نہ نکالیں جسے پوری نہ کرسکیں۔

☆..... سب انسان برابر ہیں اگرچہ ان کے کام مختلف ہیں اس لئے ہر انسان کی عزت کریں اس کے ساتھ خوش اخلاقی، مسکراہٹ، ہمدردی اور خلوص سے پیش آئیں نیکی کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہیں ہر انسان سے اس کی سوچ اور صلاحیت کے مطابق بات کریں دوسروں کی عزت نفس کا خیال رکھیں۔

☆..... دوسروں کی بھلائی کے جو کام آپ کے اختیار میں ہوں وہ احسان کے طور پر کردیا کریں لیکن بدلہ میں شکریہ کی توقع نہ رکھیں اور نہ ہی جتلائیں۔

☆..... حق کی راہ میں مشکلات سے کبھی نہ گھبرائیں ہمیشہ حق کی بات کہیں۔

☆..... دوسروں کے جذبات کی نہ صرف قدر کریں بلکہ ان سے دوستی اور خیر خواہی میں پہل کریں اور دوسروں کے قصور معاف کردیا کریں برائی کا جواب بھلائی سے دیں ہر معاملہ میں دیانت داری سے کام لیں اور کبھی بھی کسی کو دھوکہ نہ دیں آپ کی خوشیاں اور غم ان کا تعلق آپ کے خیالات سے ہے ان کو پاکیزہ رکھیں۔

☆..... والدین کی خدمت دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے اس کو اپنائیں اور ان کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پرہیز کریں۔

☆..... جہاں تک ممکن ہو لوگوں کے دکھ درد میں کام آئیں خدمت خلق دنیا کی سب سے بڑی نیکی ہے جو روحانی خوشی کا باعث ہوتی ہے اس میں کوتاہی نہ کریں نیک کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔

☆..... دوسروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہیں بلکہ ان کی پردہ پوشی کریں دوسروں کے راز کبھی افشا نہ کریں اور نہ ہی ان سے ناجائز فائدہ اٹھائیں جہاں تک ہوسکے بدگمانی سے بچیں اور کسی کا مذاق بھی نہ اڑائیں۔

☆..... صلح پسند رہیں کہیں پر آپس میں کشیدگی، رنجش یا بگاڑ دیکھیں تو دوستی یا صلح کرادیا کریں نہ کسی سے بغض رکھیں اور نہ کسی سے طنز کے ساتھ پیش آئیں۔ اوروں کے ساتھ رشک، حسد سے اپنے کو محفوظ رکھیں۔

☆..... کبھی بھی اپنے ضمیر کے خلاف بات نہ کریں اپنے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دیں۔ خواہشات اور آرزوئیں محدود اور ضروریات کم رکھیں اور اپنی ذات کا محاسبہ اور اصلاح کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

☆..... غصہ جذبہ شیطانی ہے اس پر قابو رکھیں اور صبر سے کام لیں انتقام لینے سے پرہیز کریں بہتر یہ ہے کہ معاف کردیں نہ کسی کا برا چاہیں اور نہ کسی کو جھڑکیں اپنے اندر دوسروں کے لئے ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کریں، اپنے آپ کو گمراہ ہونے سے محفوظ رکھیں۔

☆..... ہمیشہ دوسروں کے لئے وہی پسند کریں جو خود آپ اپنے لئے چاہتے ہوں کبھی کسی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائیں برے لوگوں کی صحبت سے بچیں فضول اور بے جا بحث مباحثہ میں نہ پڑیں۔

☆..... اگر آپ کہیں برائی دیکھتے ہیں اور طاقت یا زبان سے نہیں روک سکتے تو کم از کم دل میں ضرور برا سمجھیں اور کوئی نیک کام لالچ، شہرت یا ذاتی عزت کے لئے نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کریں۔

☆..... ہم میں سے ہر ایک کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنی صحت کی حفاظت اور ذاتی کردار کی بلندی کا خیال رکھیں اور کبھی بھی کسی کی توہین کا باعث نہ بنیں اگر حقیقی کامیابی

چاہتے ہیں تو لگاتار محنت کریں۔

☆..... کسی کی ہمت سے بڑھ کر اس سے کام نہ لیں اور مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کریں یاد رکھیں رزق حلال عین عبادت ہے کاروبار میں امانت اور دیانت کا پہلو اختیار کریں۔

☆..... اپنے ملازمین کی تنخواہوں اور سہولتوں میں بغیر تقاضے کے اضافہ کریں اور کسی کا حق بغیر اس کے مانگے اس کو دیں۔

☆..... زندگی میں اگر اہم مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ وقت کے پابند رہیں نہ کسی کا انتظار کریں اور نہ کسی کو انتظار کی زحمت دیں۔ زندگی مختصر ہے اور کام کرنے کے لئے بہت کچھ ہے حسن اخلاق زندگی دین کو لین پر ترجیح میں پوشیدہ ہے۔

☆..... کسی کی شرافت یا قابلیت معلوم کرنی ہو تو اس کے لباس سے نہیں بلکہ اس کی تقویٰ' کردار اور عمل سے معلوم کریں۔

☆ سبین بشارت۔ لاہور

لطیفہ

انکل۔ "عمران بیٹا آج کیا تاریخ ہے؟"

عمران۔ "آپ مجھے کل کی تاریخ بتا دیں۔ تو میں آپ کو آج کی تاریخ بتا دوں گا۔"

سیدہ ظفر' حیدر آباد

میوزک چینل

بے روزگاری--- زندگی جا چھوڑ دے پیچھا میرا' آخر میں انسان ہوں پتھر تو نہیں۔

گھریلو اخراجات--- لا نہ سکے ہم گھر کا سودا قیمت ہی کچھ ایسی تھی۔

بجلی کا بل--- دل گھبراتا ہے آنکھ بھر آتی ہے تجھے دیکھو تو جان نکل جاتی ہے۔

طالب علم--- آج کل لگتا نہیں دل آج کل

ملازمت--- مجھے توڑ دکھا میرا موڑ ہے

محبوبہ--- کل او کون سی تیرے نال

بیوی--- آئی ہو میری زندگی میں تم بخار بن کے

غریب لوگ--- امیروں کی شام غریبوں کے نام

جاگیردار سیاستدان--- پاکستان ہمارا ہے کیا ہوا جو غریبوں کا حق مارا ہے۔

فلمیں--- اماں دیکھ تیرا منڈا بگڑا جائے۔

★ محمد امیر ساغر' گاؤں دھوری تحصیل بھلوال

دوست کیا ہے

دوستی اک نازک پھول ہے اگر اس کی احتیاط نہ کی جائے تو یہ نازک سا رشتہ پل بھر میں ٹوٹ جاتا ہے۔ دوستی وہ پھول ہے جس کی مہک تاابد قائم رہتی ہے۔ دوستی ایک ایسا جذبہ ہے جو دو دلوں کے درمیاں پرورش پاتا ہے غم کے بادلوں کو شکست دینے اور آنسوؤں کو روکنے کے لئے صرف سچی دوستی کی ضرورت ہوتی ہے اور خلوص کی آڑ میں دوسروں کو دھوکہ دینے والے افراد کو بداخلاق' بدکردار لوگوں کے گروہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ جو دوستی جیسی عظیم چیز کو داغ دار کرتے ہیں۔ یاد رکھو دوست بنانے سے پہلے اپنے دل میں ایک ایسا قبرستان تیار کرو جس میں تم ساری برائیاں دفن کر سکو۔

★ آسیہ اشرف منہاس' لاہور

لطیفہ

مریض کا بھتیجا کوثر: "ڈاکٹر صاحب! آپ کے علاج سے جو مجھے فائدہ ہوا ہے اس کے لئے شکریہ قبول فرمائیں۔"

ڈاکٹر واجد: "لیکن آپ تو کبھی میرے زیر علاج نہیں رہے؟"

کوثر: "یہ سچ ہے لیکن میرے چچا مرحوم آپ کے زیر علاج تھے اب میں ان کی جائیداد کا اکیلا وارث ہوں۔"

واجد نگینوی کراچی۔

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک ذہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئیز

☆ کوپن برائے ماہ جون 2014ء ☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اس ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ انٹریز اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع .... کٹنگ یا اوور رائیٹنگ، فوٹو کاپی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہو جانا چاہیے۔

1-سوال......حضرت داتا گنج بخش کا اصل نام بتائیں......؟

جواب

2-سوال......مسجد مہابت خان کس شہر میں واقع ہے......؟

جواب

3-سوال......صحرائے اعظم کس براعظم میں واقع ہے......؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

ماہ مئی 2014ء کے درست جوابات

(1) جنگ تبوک 9 ہجری میں لڑی گئی۔ (2) حضرت خالد بن ولیدؓ کے بعد مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح مقرر ہوئے۔ (3) اسلامی ملک برونائی کے دارالحکومت کا نام "بندرسری باگوان" ہے۔

اس ماہ کے ونر ہیں "محمد شاہد صاحب" فیصل آباد سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

(ادارہ سچی کہانی لاہور)

☆☆

...... سچی کہانی کوئیز۔ 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530